

یا اے  
توفیق دے

مسلمانان کو  
مسلمانان پر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یا الہی

توفیق دے مسلمان کو مسلمان ہونا

297-6

57

۱۳۵۷ھ

مصنف : محمد اختر

ناشر : قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

یٹرب کالونی بینک سٹاپ والٹن روڈ لاہور کینٹ۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : یا الہی توفیق دے مسلمان کو مسلمان ہونا

مصنف : محمداختار

اہتمام : علامہ عبد السلام عاصم

مطبع : طیبہ نور پرنٹرز

ہدیہ : 1500 روپے

ملنے کا پتہ : قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

یٹرب کالونی بینک سٹاپ والٹن روڈ لاہور کینٹ۔

0300-0515101-042-36613021

اختار بکس

267 جی بلاک گلشن راوی لاہور۔

0345-8400038

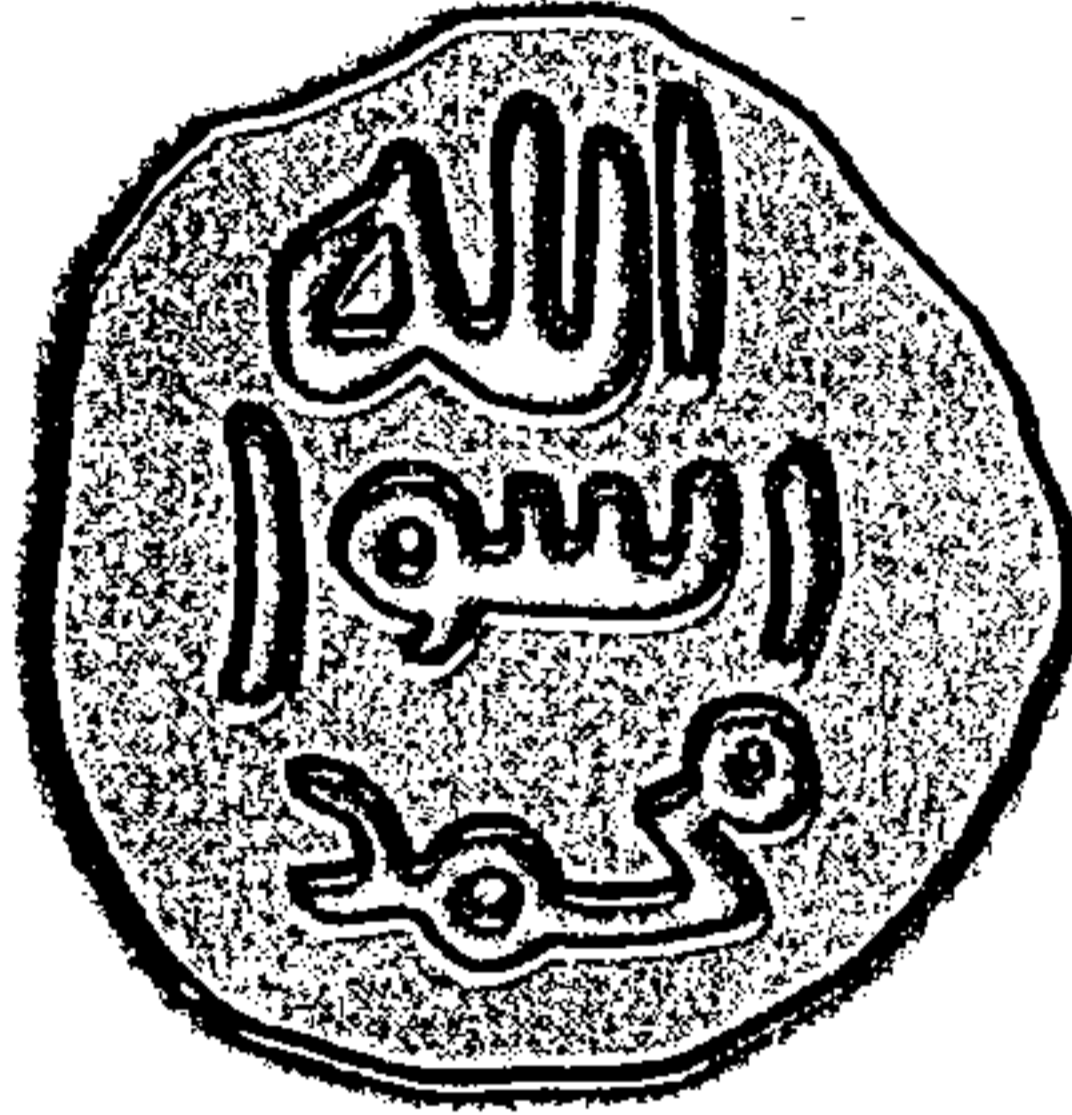
email : akhtar\_mirasool@gmail.com

ISBN : 978-969-9007-05-12

۱۲-۵۶-۲۵۱۷

مصنف اور پبلشرز

۱۵۵۵/۲



﴿ سالارِ کارواں ہے میرِ حجازِ اپنا ﴾

علامہ اقبال (بانگِ درا)

## فہرست

161	اخلاقِ سیئہ	۱۲	1	دینِ حق	۱
182	معاشیات	۱۳	11	اصلاحِ معاشرہ	۲
199	حجاب	۱۴	25	نظامہائے حسنہ	۳
217	بدترین انسانی دشمن	۱۵	37	صلوٰۃ	۴
229	فطرتِ انسانی	۱۶	49	صوم	۵
243	طلبِ علم	۱۷	59	زکوٰۃ	۶
251	اسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ	۱۸	71	عشر صدقات وغیرہ	۷
282	یاد اللہ کی (ذکر)	۱۹	82	حج و عمرہ	۸
295	بندے اللہ کے	۲۰	95	جہاد	۹
308	توبہ و دُعا	۲۱	126	حقوق	۱۰
			141	اخلاقِ حسنہ	۱۱



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یقیناً (روزِ قیامت) رسول فریاد کرے گا: ”پروردگارا: یہ ہے میری قوم جس نے اس قرآن (کے قوانین و احکام) کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔“ (الفرقان ۲۵- آیت ۳۰)

## مدعا

اس وقت دنیا کی آبادی سات ارب نفوس سے تجاوز کر چکی ہے جن میں قریباً پونے دو ارب مسلمان شامل ہیں۔ دنیا میں اس وقت ۱۹۴ تسلیم شدہ ممالک میں سے ۵۷ مسلمان ملک ہیں۔ علاوہ دنیا کے ہر ملک میں مسلمان بستے ہیں۔ اگر دنیا کے نقشہ کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ مسلمان ملکوں کا محل وقوع مرکزی اور مثالی ہے۔ مزید جائزہ لیا جائے تو عیاں ہوگا کہ کم و بیش تمام مسلمان ملک اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ملک کسی نہ کسی وجہ سے غربت۔ بد امنی۔ بد نظمی۔ بد دیانتی۔ بے انصافی۔ ناخواندگی اور افراتفری اور دہشت گردی کا شکار ہیں۔ اور خوف، بے اطمینانی اور بے یقینی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

جن خرابیوں۔ لغزشوں اور گناہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر یقیناً رچ بس چکی ہیں۔ اسی لئے امت مسلمہ دوسری قوموں۔ ملکوں کے مقابلے میں اپنی وقعت و وقار اور عزت و ناموس کھو چکی ہے جس کے سبب۔ ہمدردی۔ بھروسہ اعتماد۔ بھائی چارہ۔ پیار و محبت کا ان میں فقدان ہے۔ اور مسلمان فرقوں میں منقسم ہو چکے ہیں۔ ان کی جمعیت بکھر چکی ہے۔ اور یہ جسمانی۔ ذہنی اور قلبی طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ قرآن حکیم و مجید اور سنت حسنہ رسول کریم و اکرم سے منہ موڑ چکے ہیں۔ اسی لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر ذلیل و خواری کے درجہ پر پہنچ چکے

ہیں۔

اللہ رب العالمین اور رحمت العالمین کی بار بار تلقین کے باوجود فرقوں میں بٹ چکے ہیں لہذا ان کی قوت منتشر ہو چکی ہے اور یہ برائی کا مقابلہ کرنے سے عاری ہیں اور اچھائی کی تلقین کرنے اور عمل کرنا ان پر بھاری ہو چکا ہے۔ قرآن پاک اس سلسلے میں ان کو اس طرح نصیحت کرتا ہے۔

۱۔ ”مسلمانو! تم سب متفق و متحد ہو کر اللہ کی رسی [قرآن حکیم] کو تھام لو۔ یعنی تم سب متفقہ طور پر قرآن حکیم کو اپنا حاکم و حکم مرشد و ہادی اور معلم و مربی بنالو۔ اور اس کے احکام و قوانین اور تعلیمات پر اپنی پوری قوت کے ساتھ عمل کرو! [یاد رکھو!] کہیں فرقے فرقے نہ ہو جانا‘ یا فرقوں میں نہ بٹ جانا [کہ یہ شرک ہے]“

[آل عمران ۳ آیت ۱۰۳ جزو]

۲۔ ”میرے پیغمبر علیہ السلام! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقے فرقے ہو گئے [And broke up into sects] یقیناً آپ علیہ السلام کا ان سے کوئی سروکار نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ [روز قیامت] وہی ان کو ان کی کارستانیوں [کی حقیقت] سے آگاہ کرے گا“

[الانعام ۶ آیت ۱۵۹]

۳۔ ”اپنی توجہ سب سے ہٹا کر دین [فطرت و الہی] پر مرکوز کر دو۔ یہ اللہ کی فطرت [حُسن] ہے۔ جس پر اُس نے بنی نوع انسان کی تخلیق کی [یا فطرت بنائی ہے]؛ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت و تخلیق بدلی نہیں جاسکتی [یعنی اللہ کی خلقت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا] یہ درست اور قائم رہنے والا دین ہے، لیکن اکثر لوگ یہ حقیقت نہیں سمجھتے اور جانتے“



”اُسی [اللہ] سے رجوع کرنے والے بنو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو؛ یعنی اس کی طلب و جستجو کرو اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو اور صلوة [کا نظام] قائم کرو۔ اور ان مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ“

”جنہوں نے اپنے دین کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور الگ الگ گروہ بن گئے ہیں۔ اور ہر گروہ کے پاس جو ہے یعنی عقائد روایات اور فقہ وغیرہ کی کتب وہ اُن پر خوش ہیں“

[الروم ۳۰ آیات ۳۰، ۳۱، ۳۲]

وہ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے [عصبیت و ضد کے سبب] اپنے دین کو اپنے درمیان فرقوں [Sects] میں مُنقسم کر لیا۔ چنانچہ ہر فرقے کے پاس جو ہے [یعنی اعتقادات (Tenets and beliefs) وغیرہ وغیرہ] اس پر اتراتا ہے

[المومنون ۲۳ آیت ۵۳]

مندرجہ ذیل آیات کریمہ کے ذریعے مسلمانوں کو واشگاف پیرایہ میں نصیحت کی جا رہی ہے کہ

۱۔ دین اسلام جو سلامتی۔ آسودگی۔ اطمینان جسم و جان اور امن و امان کا دین ہے اس کے پیروکاروں کو یک جہتی۔ یگانگت اور پیار و محبت سے زندگی بسر کرنے کے لئے من و عن قرآن پاک کی تعلیمات اور احکامات پر مضبوطی سے قائم رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

۲۔ دین میں اختلاف رائے اور شدت پسندی کی بنا پر جمعیت مسلمہ میں گروہ بندی۔ فرقہ پرستی اور تخریب کاری کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ اور اس مذموم طرز عمل کے تدارک کے لئے قرآن پاک میں دی گئی ہدایات پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔ ایسے ارکان ملت جو نبیاً۔ طبعاً اور فطرتاً دین و ملت میں رختہ پیدا کرتے ہیں ان سے رسول کریم ﷺ کا ذہنی۔ قلبی۔ دینی۔ شرعی تعلق قائم نہیں رہتا۔ یعنی ایسے افراد قوم و ملک اُمت محمدی میں شمار نہیں ہوتے اور نہ ہی

مسلمان کہلانے کے مستحق رہتے ہیں۔

۴۔ دین اسلام کی اساس فطرت الہی ہے جو ہمیشگی پر قائم ہے اور جس میں رد و بدل یا تبدیلی کی روایت نہیں۔ اُس کے مطابق زندگی کرنا بنی نوع انسان کے لئے لازمی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا اسی کی طرف رجوع کرنا۔ اور اسی کی طلب و جستجو کرنا ہی دین حق کی بنیاد ہے جو ہر نفس پر واجب ہے۔

۶۔ دین اسلام کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنا اور الگ الگ گروہ بن جانا اور ہر گروہ یا فرقہ کا اپنے غیر حقیقی عقائد و روایات پر سختی سے قائم رہنا اور اُن کے مطابق زندگی بسر کرنا صریحاً مشرکین کا کام ہے۔ اس سلسلے میں مزید اضافہ کرنے سے قبل قرآن کی درج ذیل آیت کا ذکر مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

”[ابتداء میں] بنی نوع انسان [Man kind] ایک ہی اُمت تھے یعنی ہم خیال و ہم مشرب لوگ تھے [وہ موجد تھے لیکن بعد میں ان میں مشرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو گیا تو ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور وہ فرقوں میں بٹ گئے۔ لہذا ان کی اصلاح کے لئے] اللہ نے ان میں اپنے انبیاء بھیجے شروع کر دیے، جو ان کو [موحدانہ عقائد اور اعمال صالحہ کے حسین و سرور انگیز ثمرات کی] نوید دیتے تھے اور [مشرکانہ عقائد و اعمال سوء کے بھیانک اور کرب ناک نتائج سے] متنبہ کرتے تھے؛ نیز ان کے ساتھ اللہ اپنی سچی بامقصد اور افادہ و حکیمانہ اقدار کی حامل کتابیں بھی بھیجتا تھا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ لوگوں میں توحید سے متعلق جو اختلاف پیدا ہو گئے تھے ان میں فیصلہ کر دے [کہ سچے موحدانہ عقائد کون سے ہیں اور مشرکانہ عقائد کون سے ہیں؟] اور اللہ کی کتاب میں اختلاف ان لوگوں نے کیا جن کو یہ دی گئی تھی باوجودیکہ اُن کو اس [اللہ] کی طرف سے واضح و محکم اور مدلل احکام بھی مل چکے تھے۔ انہوں نے یہ اختلاف محض فرقہ وارانہ عصبیت و ضد کی بناء پر کیا۔

[بخلاف اس کے] جن لوگوں نے احکام الیہ کو تسلیم بالقین کیا تو اللہ نے اپنی رحمت سے ان کو الحق یعنی دین توحید سے متعلق جو اختلافات کٹے جاتے تھے ان میں راہ راست دکھا دی۔ اور [اللہ کا قانون احترام آرزو و تدبیری] ان کو حسین و فطری راہ راست دکھاتا ہے، جن کو اس

کی طلب و جستجو ہوتی ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۱۳]

ان حالات و واقعات میں اقوام عالم میں مسلمانوں کی دگرگوں حالت پستی۔ ناہمواری۔ اخلاقی گراوٹ۔ بے بسی اور غیروں کی محتاجی کی وجہ اللہ رب العزت کے قوانین و احکامات کی خلاف ورزی اور نافرمانی اور ربیر کامل کے اسواء حسنہ سے روگردانی اور انحراف کا سبب ہے۔ ان اعمال سوء سے بچ کر اور اسلامی تعلیمات و ہدایات کی پیروی کر کے دوبارہ مقام عزت و وقار حاصل ہو سکتا ہے۔

سیرت رسول کریم ﷺ کے اوراق درج ذیل واقع کے گواہ ہیں کہ ایک دن مسجد نبوی میں محترم و مکرم دس اہم ترین صحابہ کی جمعیت میں آپ ﷺ تشریف فرما تھے اور مختلف موضوع پر ارشاد ہو رہا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

”اے گروہ مہاجرین۔ پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تم پر نازل ہوں تو میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان خصلتوں کو تم لوگ اختیار کر لو۔

۱۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم میں فواحش [زنا کاری وغیرہ] کا ظہور اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ لوگ کھلم کھلا اور علانیہ ان کا ارتکاب کرنے لگے ہوں اور اس قوم میں طاعون اور ان بیماریوں کا ظہور نہ ہوا ہو جو ان کے باپ دادا میں موجود نہ تھیں۔

۲۔ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسی قوم نے ناپ اور تول میں کمی شروع کی ہو۔ اور اس قوم کو قحط سالی اور گرانی۔ سخت محنت و مشقت اور حکمرانوں کے ظلم و جور نے گرفت میں نہ لے لیا ہو۔

۳۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسی قوم نے اپنے اموال میں سے زکوٰۃ دینا [اور داد و دہش کرنا] بند کیا ہو اور انہیں آسمان سے ہونے والی بارش سے محروم نہ کر دیا گیا ہو۔ پس اگر بہائم نہ ہوں تو بارش بالکل روک دی جائے۔

۴۔ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسی قوم نے اللہ کے عہد کو اور اس کے رسول کے عہد کو توڑا ہو اور ان پر اغیار کو دشمن بنا کر مسلط نہ کر دیا گیا ہو اور وہ ان کے مقبوضہ و مملوکہ اموال کا ایک حصہ چھین نہ لیں۔

۵۔ جب کبھی کسی قوم کے پیشواؤں اور رہنماؤں نے کتاب اللہ کے مطابق حکومت نہیں کی۔ اور خدا کے نازل کئے

ہوئے احکام کے خلاف زبردستی۔۔۔۔۔ اپنے احکام نافذ کرنا شروع کئے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر باہمی جنگ وجدل اور دشواریوں نہ پیدا کر دی ہوں۔

[بحوالہ سیرت النبی ﷺ کامل مرتبہ ابن ہشام حصہ دوم ترجمہ مولانا عبد الجلیل صدیقی۔ مولانا غلام رسول مہر]  
رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں اگر موجودہ مسلمانوں کی حالت زار اور مصائب و تکالیف پر نظر ڈالی جائے تو حقیقت حال سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی۔

چونکہ قرآن حکیم و مجید اور سنت رسول کریم ﷺ ہی اس وقت روشنی حاصل کرنے کا قابل اعتبار ذریعہ ہے اس لئے اعمال صالحہ و حسنہ کو اس کے مطابق عوام الناس تک پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کوشش ذہنوں میں کشادگی پیدا کرنے۔ مخالفانہ خیالات۔ متضاد نظریات میں حقیقی اصلاحات کرنے اور برادرانہ جذبات کو پروان چڑھانے اور مسلمانوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا موجب بنے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اس کوشش کی کامیابی اور کامرانی کا انحصار اس بات سے مشروط ہے کہ ہر فرد اپنے خیالات و نظریات اور ملکی اعتقالات کو کچھ دیر کے لئے نظر انداز کرنے کے بعد اور غیر جانبدارانہ طور پر قرآن حکیم و مجید اور سنت رسول مقدس کا مطالعہ بالحق کرے اور اس پر غور و فکر کرنے کے بعد اپنے پرانے نظریات و خیالات سے موازنہ کرے اور جہاں جہاں قرآن پاک اور سنت رسول سے تضاد نظر آئے اسے چھوڑ کر صراط مستقیم پر چلنے کا مصمم ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ رہنمائی فرمائے گا۔ اس ارادے کی پختگی کے لئے مندرجہ ذیل آیات قرآن حکیم کو نظر میں رکھنا بہتر نتائج پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ انشاء اللہ

۱۔ ”یقیناً“ یہ قرآن اس راستے پر چلاتا ہے جو سب راستوں کی بہ نسبت بہت زیادہ پائیدار اور سیدھا ہے۔ نیز اہل ایمان کو جو عدل و احسان کے کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کو افضل و اعلیٰ صلہ ملے گا۔ [کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات عمل اور قانون انعام و فضل ہے]

[الاسراء ۷۱ آیت ۹]

۲۔ [اصل یہ ہے کہ اے بنی نوع انسان! تمہارے لئے اللہ کے رسول علیہ وسلم کی

سیرت طیبہ (career) 'سنت حسنہ' میں [حیات طیبہ بسر کرنے کا] مثالی و حسین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ [اپنے الہ و رب کی لقاء و حضوری، قرب و رضوان اور جنت] اور یوم آخر روز جزا و سزا یا نشاۃ ثانیہ] کی توقع و امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ [اپنے معروض حسن و عشق اور پروردگار و مالک] کو یاد کرتا ہے اور اُس کے احکام اور اوامر و نواہی کے اظہار و ابلاغ [ Expression and communication] کے لئے پوری دلجمعی سے سرگرم عمل رہتا ہے۔

[الاحزاب ۳۳ آیت ۲۱]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے قرب و حضوری کی آرزو کرو اور اُس کے قوانین سے ڈرتے رہو۔ نیز سیدھی، کھری اور محکم بات کیا کرو۔

[اس کے نتیجے میں] وہ [اللہ تعالیٰ] تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا اور اُس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرتا ہے وہ عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔“

[الاحزاب ۳۳ آیات ۷۰، ۷۱]

یہاں اس بات کی یاد دہانی کرانے کی ضرورت ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو معتدل اُمت بنایا اور اسے دنیا کی تمام قوموں کی رہنمائی کرنے کا فرض سونپ رکھا ہے نہ کہ اپنے اصول و فرائض کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی تقلید میں زندگی گزارنے کا کہا ہے۔ اسے نیکی کی تلقین کی گئی ہے اور برائی کو روکنے کا کہا گیا ہے۔

اللہ کا فرمان اس طرح ہے۔

”اور اسی طرح ہم نے [اپنے قانون تدبیری اور قانون احترام آرزو کے مطابق۔ مسلمانو!] تم کو افراط و تفریط کے درمیان کی راہ مستقیم پر

چلنے والی اُمت بنایا تاکہ تم بنی نوع انسان پر شائد بن جاؤ [یعنی تمہاری روش زندگی ان کے لئے صیرفی ہدایت و ضلالت بن جائے] اور پیغمبر اعظم و آخر [صلی اللہ علی و سلم] تم پر شاید بن جائیں [یعنی آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ تمہارے لئے صیرفی ہدایت و ضلالت بن جائے]

[البقرہ ۲ آیت ۱۴۳ جزو]

مزید فرمایا گیا۔

”[نظام اسلام قائم کرنے والے مسلمانو! تم احسن اُمت ہو اور تمہیں بنی نوع انسان [Mankind] کے لئے [رحمت بنا کر] میدان عمل میں لایا گیا ہے تم ان کو معروف، یعنی فطری و حسین اور پسندیدہ امور سرانجام دینے یا کام کرنے کی ناصحانہ دعوت بھی دیتے ہو اور حکم بھی؟ نیز ان کو منکر، یعنی غیر فطری و قبیح اور ناپسندیدہ کام کرنے کی ممانعت کرتے ہو حکیمانہ انداز میں بھی اور حکماً بھی۔ اور اللہ کے احکام و قوانین اور تعلیمات کو عملاً مانتے بھی ہو“

[آل عمران ۳ آیت ۱۱۰ جزو]

امت مسلمہ کو خالق کائنات اللہ رب العزت نے بے شمار صفتوں اور خوبیوں سے نوازا رکھا ہے اگر یہ ان سے نیک نیتی۔ لگن اور محنت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر لے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اہداف کو پورا نہ کر سکے اور پوری نسل بنی نوع انسان کی راہ نمائی نہ کر سکے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے وقت کے قومی نبض شناس تھے اور جنہوں نے قوم کو جگانے کی بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے اپنے گم شدہ فرائض سے قوم کو آگاہ بھی کرتے اور جھنجھوڑتے بھی رہے کہا تھا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

امت مسلمہ اپنی زبوں حالی اور مایوس کن حالت کے پیش نظر اپنے باہمی عقائدی۔ مذہبی۔ مسلکی اختلافات

دفن کر کے

اک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کا شجر

روزمرہ کے معمولات میں جن عنوانات سے اہل اسلام کو واسطہ پڑتا ہے اُن کو قرآن حکیم و مجید کی آیات کے اردو ترجمہ کی روشنی میں اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر قاری اپنے نظریات و خیالات کی غیر جانب دارانہ طور پر تصدیق کر کے جہاں جہاں ضرورت محسوس ہو وہاں وہاں اپنی اصلاح کرنے کی سعی کر لے اور یک جان۔ ہم آہنگ اور مربوط و مضبوط معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں اپنا کردار ادا کرے۔ انشاء اللہ تا کہ امت مسلمہ اپنے تلف شدہ حالات و معاملات کو دوبارہ زندہ و جاوداں کرنے کی بھرپور کوشش کر سکے۔

یہ خواہش۔ تمناً اور استدعا اس اُمید سے اختتام پذیر کی جا رہی ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی بن کر۔ اپنے تمام اختلافات بھلا کر بھائیوں جیسا سلوک کریں اور قرآن و سنت کے عین مطابق عمل پیرا ہو جائیں اور غیر مذاہب کے اعتراضات اور مذاق و تشنیہ سے بچ بچا کر اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم و اکبر و آخر کی ہدایات کے مطابق زندگی کرنے کی کوشش و سعی کریں آمین۔ تم آمین۔

محمد اختر

☆☆☆☆☆☆☆☆





## 1

## دین حق

انسان خالق کائنات رب ارض و السموات کا شاہکار اعظم ہے اس کا مسکن کرہ ارض ہے انسان ماضی کا ہو۔ زمانہ حال کا ہو یا مستقبل کا۔ ساخت و بناوٹ اور خدو حال میں کم و بیش ایک جیسے ہیں انسان کی تخلیق کے بارے رب الرحمن و کریم کا فرمان ہے کہ

”حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان (Human being) کو حسین ترین خلق و خلق پر تخلیق کیا ہے یعنی انسان قد و قامت اور شکل و صورت کے لحاظ سے بھی حسین ترین ہے اور اس کا باطنی نظام، یعنی حسی و باطنی نظام بھی احسن و اکمل ہے۔“

(التین ۹۵ آیت ۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے مزید فرمایا۔

”غور کرو! ہم نے بنی نوع انسان کو عزت و تکریم (Honour) بخشی ہے۔“

(بنی اسرائیل ۷۱ آیت ۷۰ جزو)

لیکن اس خوبصورت تخلیق اور عزت و تکریم رکھنے کے باوجود انسان اپنی سوچ۔ فکر۔ مسلک اور عقائد کی بنا پر ایک دوسرے سے مختلف کردار کے حامل ہیں ان کے اس اختلاف نے معاشرہ میں امن و سکون کا فقدان، اتفاق و ہم آہنگی کا اختتام۔ محبت و پیار میں کمی۔ عدل و احسان۔ اور اصلاح و پائیداری کا انکار پیدا کر دیا ہے۔ ان اور ان جیسی متعدد برائیوں نے نظام زندگی کو درہم برہم کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ احسن الخالقین ہے اس لئے وہ انسان کی فطرت سے آگاہ ہے اور اُس نے انسان کے لئے بہترین طریقہ اور اعلیٰ ترین راستہ تجویز فرمایا ہے اس طریقہ اور راستہ کے مطابق عمل پیرا ہو کر انسان آسانی سے اپنی منزل حاصل کر سکتا ہے۔

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین [یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے] پسند کر لیا“

(المائدہ ۵ آیت ۳ جزو)

اس وقت دنیا میں بہت سے مذہب۔ فرقے مسلک وغیرہ رائج ہیں اور لوگ اُن کے مطابق زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ اللہ رب العزت کا پسندیدہ دین۔ دین اسلام ہے اور دین اسلام کا پیروکار ’مسلمان‘ کہلاتا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

”وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ یعنی پیغمبر اعظم و آخر علیہ وسلم کو الہدی [کتاب ہدایات، قرآن حکیم] اور دین الحق، یعنی سچے، قائم و دائم رہنے والے اور افادی و غایتاتی اقدار کے حامل نظام حیات کلی [Complete way of life] کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے حیات انسانی کے دیگر کل نظاموں پر غالب کرے، اور اس (واقعیت) پر اللہ کی شہادت کافی ہے“

(الفتح ۲۸ آیت ۲۸)

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بیان کیا گیا ہے اور یہ بات واضح کر دی گئی ہے

کہ تمام رائج وقت مذہبوں پر دین اسلام کو فوقیت اور برتری حاصل ہے اور صرف اور صرف اسی پر عمل کرنا واجب ہے۔  
کیونکہ یہی سچا دین ہے اسی حوالے سے ایک اور آیت کریمہ کا ذکر مناسب ہوگا۔

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا۔ وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔“

(آل عمران ۳ آیت ۸۵)

مندرجہ آيات مبارکہ کی تشریح و مفہوم کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اللہ تبارک تعالیٰ کو صرف دین اسلام پسند ہے۔

۲۔ دین اسلام ہر لحاظ سے مکمل و اکمل دین ہے۔ یعنی اس میں کسی قسم کے شک و شبہ اور رد و بدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ ہمیشہ کیلئے ہے۔

۳۔ اس دین کی برکت سے نعمت ربانی کی تکمیل کی جا چکی ہے۔

۴۔ دین اسلام رسول اعظم و آخر نبی ﷺ کی وساطت سے نافذ کیا گیا اور آپ ﷺ کی محنت و مشقت کے باعث یہ تمام نظاموں اور عقیدوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز ہوا لہذا اس کے حقیقی پیروکار تمام دوسرے لوگوں سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

۵۔ دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کے پیروکاروں کی اللہ رب العزت تک رسائی اور قربت ناممکن ہے۔

۶۔ دین اسلام مکمل ہونے سے قبل تمام دوسرے ادیان اور مذاہب نامکمل تھے یا اصلی حالت پر رائج نہیں تھے۔

۷۔ دین مکمل ہونے کے بعد اس میں رد و بدل یا کمی بیشی یا آلائش و ملاوٹ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۸۔ رائج الوقت دین یا مسلک اگر قرآن حکیم اور سنت رسول کریم کے مطابق نہ ہونے کی صورت اس کی صفائی اور

طہارت کرنا سب پر فرض ہے۔

کسی انسان کے طرز عمل کا انحصار اُس کی قوت۔ جسمانی ساخت و بناوٹ۔ رنگت۔ مال و دولت اور اولاد کی

جائے اُس کے عقیدہ سے وابستہ ہے اور عقیدہ ہی اسے کسی مذہب۔ مسلک۔ فرقہ۔ طبقہ یا دین سے منسلک کرتا ہے۔

مسلمان کے عقیدہ کو تمام اندیشوں سے صاف و شفاف رکھنے کے لئے قرآن حکیم اور سنت رسول مقبول سے راہ نمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں چند آیات قرآنی کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان

۱: ”حقیقت میں مومن وہ ہے۔ جو اللہ (کی توحید الوہیت و ربوبیت) اور اس کے رسول ﷺ (کی رسالت) کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں۔“

(النور ۲۴ آیت ۶۲ جزو)

ب: یقیناً اللہ میرا بھی رب، یعنی رازق و پروردگار اور آقا و مالک ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ لہذا صرف اسی کی عبادت کرو، یعنی فقط اس کی طاعت و فرما برداری کرو۔ یہی فطری و حسین اور مستقل و غیر مبدل شاہراہ ہے۔

(آل عمران ۳ آیت ۵۱)

مزید ارشاد ربانی ہے کہ

”اور یہی میری حسین و فطری اور مستقل و غیر مبدل شاہراہ ہے۔ لہذا اسی پر چلو۔ اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ اللہ کی شاہراہ سے تمہیں جدا اور علیحدہ علیحدہ کر دیں گی۔ اس کا تمہیں تاکید حکم دیا جاتا ہے۔ تاکہ تم میں اللہ کی آرزو اور اس کی راہ سے بھٹک جانے کا خوف پیدا ہو جائے“

(الانعام ۶ آیت ۱۵۳)

اس عنوان سے متعلقہ قرآن حمید و مجید میں بے شمار آیات مبارکہ ہیں یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام اوصاف حمیدہ سمیت اپنے دل، دماغ میں نقش کرنے کے لئے ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اللہ کی ذات اعلیٰ پر ایمان لانے کو عرف عام میں عقیدہ توحید یا عقیدہ توحید ربوبیت کہا جاتا ہے اس کو یقین محکم

سے دل و دماغ میں راسخ کرنے سے ہی کوئی فرد دین اسلام میں داخل ہوتا ہے یا مسلمان بنتا ہے۔  
مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عقیدہ توحید ہی دین اسلام کی روح اور بنیاد ہے اس  
لئے اس کا زبان سے اقرار اور دل میں پختہ یقین رکھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ جسم انسانی خوشی اور رغبت ان اعمال کا پابند  
ہو سکے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

انسان پر فرض ہے اور اس کی ذمہ داری بھی۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور رب جانے اور اس کے علاوہ کسی  
اور کو۔ خواہ و جمادات۔ نباتات۔ حیوانات یا جن و انس یا ارض و السماء میں سے ہو اپنا رب پرودگار۔ کارساز۔ وکیل یا  
رازق نہ جانے اور رب العالمین کی تمام کائنات۔ ارض و السموات۔ اور مخلوقات پر اس کی حاکمیت اعلیٰ و اکمل کو دل و دماغ  
سے عملاً تسلیم کرے اور اس کے قوانین و احکامات و تعلیمات کے مطابق زندگی گزارے۔

## ۲۔ فرشتوں پر ایمان

فرشتے احسن الخالقین کی ایک اہم مخلوق ہے یہ بہت سے اہم اوصاف اور قوتوں کے حامل ہیں۔  
انتظامات نظام کائنات میں ان کی بے شمار خدمات ہیں یہ انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں انسان  
اپنے حواس سے ان کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ لہذا اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ان کی موجودگی پر ایمان لانا بھی  
مسلمان کے عقائد کا ایک حصہ ہے۔

”.....بلکہ حُسنِ عمل کی روش ان کی ہے جو اللہ پر آخرت کے روز،  
یعنی قیامت نشاۃ ثانیہ اور حساب و جزا کے روز پر، ملائکہ اور کتب  
سماوی پر اللہ کے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔“

[البقرہ ۲ آیت ۱۷۷ جزو]

”[اللہ تعالیٰ کے آخری] رسول ﷺ یا پیغمبر اس کتاب [کے کل احکام و  
قوانین اور حدود و تعلیمات] کو جو ان کے پرودگار و مالک کی طرف سے  
ان پر نازل ہوئی ہے۔ تسلیم بالیقین و عمل کرتے ہیں اور مومن بھی سب  
کے سب اللہ، اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو

تسليم بالقين کرتے ہیں۔۔۔۔۔“

[البقرہ ۲ آیت ۲۸۵ جزو]

### ۳۔ تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان

پہلے انسان یعنی حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی سجدہ نہ کرنے کی نافرمانی کرنے سے لے کر آج تک شیطان الرجیم انسان کو ورغلا نے اور گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے اور انسان اپنی کمزوریوں کے باعث شیطان کے جھانے میں آتا رہتا ہے چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی عزیز اور محبوب ترین مخلوق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ انسان کو شیطان کی وسوسہ انگیزیوں اور تخریب کاریوں سے محفوظ و ماموں رکھنے کیلئے اپنے برگزیدہ اور اعلیٰ ترین افراد کو مبعوث کرتا رہا ہے جب کبھی کوئی قوم۔ قبیلہ۔ گروہ۔ افراد صراط مستقیم سے بھٹک جاتا تو اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے حسب ضرورت رسول یا نبی ان کے پاس بھیجتا رہا۔ یہ سلسلہ صدیوں جاری رہنے کے بعد محمد رسول اللہ پر آج سے تقریباً ساڑھے چودہ صدیاں قبل اختتام پذیر ہوا۔ اس سلسلہ دراز میں تقریباً سو الاکھ پیغمبر اللہ رب العزت کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ ایک مسلمان کے عقیدہ میں تمام پیغمبروں خواہ ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے یا ذکر موجود نہیں ہے ان پر ایمان لانا لازمی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (دُنیا میں) ہر اُمت میں (اپنا) پیغمبر بھیجا (اور ان سب کی دعوت یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی صرف اُسی کی حمد و ثناء، پرستش و بندگی اور ذکر کرو۔ نیز فقط اسی کو امداد و حاجت روائی کے لئے پکارو، مگر طاغوت یعنی وقت کے فرعونوں، ہامونوں، قارونوں، آزر، شیطان سرِشت مذہبی و سیاسی اور ثقافتی رہنمائوں، و ذیروں، سرداروں، خوانین وغیرہ وغیرہ) کی عبادت کرنے سے بچو۔ ہوا یہ کہ ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے (اپنے قانونِ تقویٰ و ہدایت کے مطابق) راہِ راست پر لگا دیا اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ لہذا (اے بنی نوع انسان!) دُنیا میں سیاحتِ بالحق کرو اور (دیدہ بینا سے) مشائدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی توحیدِ الوہیت و

ربوبیت کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا (عبرتتاک) انجام ہوا۔

[النحل ۱۶ آیت ۳۶]

[اے پیغمبرِ اعظم و آخر! یقیناً ہم نے آپ کو الحق [سچے دین اسلام یا اللہ کے کُل حیات انسانی کے نظام اور قرآن مجید] کے ساتھ [ایمان و اعمال صالحہ کے حُسن ثمرات کی] خوش خبری دینے والا اور [کفر و شرک اور دیگر اعمالِ سوء کے المناک و غم انگیز نتائج و عواقب سے] متنبہ کرنے والا [warner] بنا کر بھیجا ہے۔ [یہ اصل بھی یاد رہے کہ] کوئی قوم ایسی نہیں گزری جسے اُس کے انجام سے آگاہ کرنے والا کوئی نہ آیا ہو۔

[فاطر ۳۵ آیت ۲۲]

قرآن حکیم میں ارشادِ باری ہے کہ

”اور ایسے کافروں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تسلیم بالیقین نہیں کرتے [اور ان کے احکامات و تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں نہ اتباع] ہم نے بے شک شعلہ زن آگ تیار کر رکھی ہے“

[الفتح ۲۸ آیت ۱۳]

”حقیقت میں مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ [اعظم و آخر] پر ایمان لائے، پھر انہوں نے [ایمانیات یا قرآن کے متعقدات جلیلہ و محرکہ میں] قطعاً کوئی شک و شبہ نہ کیا۔ اور اپنے مال و منال اور جسم و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا [واقعہ یہ ہے کہ] یہی لوگ سچے [اہل صدق] ہیں۔

[الحجرات ۲۹ آیت ۱۵]

## ۴۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان

انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کا مبعوث ہونا اللہ تعالیٰ کی سنت حمیدہ رہی ہے جس کی تکمیل رسول اعظم و آخر پر ہوئی۔ پیغمبروں کے ہمراہ کتب آسمانی کر دی جاتیں تاکہ پیغمبر کی غیر موجودگی میں حسب ضرورت انسان ان سے راہنمائی حاصل کرتے رہیں۔ سوائے قرآن حمید کے یہ تمام کتابیں اور صحیفے اب اپنی اصل صورت میں دستیاب نہیں۔ ان تمام پر ایمان لانا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانوں کی ہدایت و رہنماء کیلئے نازل کی گئیں۔ ضروری ہے۔

ارشاد ربانی ہے

”اے لوگو جو ایمان لا کر اسلام میں داخل ہونے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اس کتاب [قرآن حکیم] پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ [حضرت محمد ﷺ] پر نازل کی ہے اور [ہر] اس کتاب پر جو پہلے [اپنے رسولوں پر] نازل کر چکا ہے پورے طور پر ایمان لاؤ“

[النساء آیت ۱۳۶ جزو]

”اے مسلمانو! اپنے اس عقیدے کا اعلان کر دو کہ ہم اللہ کی توحید الوہیت و ربوبیت اور اس کے دین یا نظام حیات کلی کو دل و جان سے تسلیم بالیقین کر چکے ہیں اور اس [کلام] پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد کے قبائل پر نازل ہوا۔ اور اس پر بھی جو [کتابوں کی شکل میں] موسیٰ و عیسیٰؑ کو دیا گیا، نیز اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دیگر تمام انبیاء کو ان کے پروردگار و آقا کی طرف سے عطا ہوا۔ ہم ان تمام پیغمبروں میں سے ایک میں بھی کوئی فرق یا امتیاز [Difference or distinction] روا نہیں رکھتے، اور ہم تو اسی [یعنی اللہ رب العالمین] کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں“

[البقرہ آیت ۱۳۶]



## ۵۔ آخرت پر ایمان

کرہ ارضی یعنی زمین پر انسان کے زندگی گزارنے کو دنیاوی زندگی جبکہ قیامت کے بعد کی زندگی اُخروی زندگی کہلاتی ہے۔ قیامت کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات احد کے تمام زندگی اختتام پذیر ہو جائے گی۔

”ہر شے جو زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے یا فانی [Transitory] ہے“

”اور تمہارے رب جلیل و کریم کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے“

[الرحمن ۵۵ آیات ۲۶، ۲۷]

قیامت کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا جس سے قدرے پہلے تمام انسانوں کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا

اور ان کے مطابق ہر انسان کا مقدر جنت یا دوزخ ٹھہرایا جائے گا۔

”تم اللہ [کی ذات و صفات حسنہ] اور جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیت کا انکار

کیے اور کیونکہ کر سکتے ہو؟ جبکہ تم مردہ [یعنی حیات انسانی سے

محروم] تھے، پھر تمہیں انسانی زندگی وجود عطا کیا۔ یعنی زندہ کیا۔

پھر وہ تمہیں وفات یا موت دے گا۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ

گے [اپنے اعمال کا حساب دینے اور ان کی کیفیت اور کمیت (Quality and

quantity) کی مطابق فیصلہ سننے کیلئے]

[البقرہ ۲ آیت ۲۸]

دُنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے انسان اچھے کام بھی کرتے رہتے ہیں اور برے کام بھی۔ لیکن انسانی کمزوریوں

کو تانیوں۔ بے انصافیوں۔ جانبداریوں وغیرہ کے باعث اکثر لوگ اچھائیوں کا جائز اور مناسب عوض پانے سے محروم

رہتے ہیں اور اکثر بُرے کاموں کی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے عدل و انصاف کی خاطر روز جزا کو مقرر کر رکھا ہے اور سمجھدار لوگوں کو دنیا میں

اچھے اعمال کرنے کی ترغیب دے رکھی ہے۔

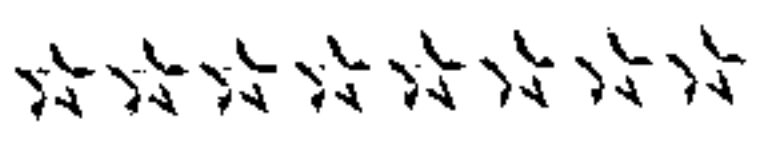
مسلمانوں کے لئے آخرت کے تصور اور اس کے یقینی وقوع پذیر ہونے پر ایمان لانا ان کے عقائد کا ایک لازمی

مذہب اور عقیدہ

اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے عقیدوں میں بھی ایک ایک چیز پر ایک ایک دلیل ہے۔  
 اور ان کے عقیدوں میں سے جو عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے  
 وہ عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔  
 اور ان کے عقیدوں میں سے جو عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے  
 وہ عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔

ان عقیدوں کی وضاحت

اور ان کے عقیدوں میں سے جو عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے  
 وہ عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔  
 اور ان کے عقیدوں میں سے جو عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے  
 وہ عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔  
 اور ان کے عقیدوں میں سے جو عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے  
 وہ عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔  
 اور ان کے عقیدوں میں سے جو عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے  
 وہ عقیدے ہیں جنہیں ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔



## 2

## اصلاح معاشرہ

نظام اسلام کی حقیقت کا ادراک حاصل کرنا اور اعمال صالح پر عمل پیرا ہونا یا اسلامی معاشرہ کی تشکیل نو کرنا انتہائی ضروری بھی ہے۔ اور جان جوکھوں کا کام بھی۔ اس کے لئے مصمم ارادہ۔ سیاسی بصیرت۔ مسلسل اور انتھک محنت و مشقت۔ مستقل مزاجی۔ منزل مقصود پانے کا غیر متزلزل و پختہ یقین درکار ہے۔

نظام اسلام یا دین اسلام نے اپنے محیط میں اُفتی و سعتیں اور عمودی گہرائیاں سمیٹ رکھی ہیں۔ یہ درحقیقت انفرادی دین بھی ہے اور اجتماعی دین بھی۔ یہ اپنی اساس میں عملی جہت کا بھی حامل ہے اور نظری فطرت بھی رکھتا ہے۔ اور اسی لئے کوئی دوسرا دین اس کے مقابل نہیں اور یہ اپنی فطرت میں ہمیشگی رکھتا ہے اور ہمیشہ کے لئے قابل عمل بھی ہے۔ اس نظام کا نفوذ اور استحکام دو حقائق کا مرہون منت ہے۔ اول پیغمبر اعظم و آخر یعنی جناب محمد مصطفیٰ اور دوم

قرآن حکیم مجید۔ کی تعلیمات اعلیٰ و اکبر

جناب محمد رسول اللہ کے بارے قرآن پاک میں ارشادِ بانی ہے کہ:

”[اصل یہ ہے کہ اے بنی نوع انسان!] تمہارے لئے اللہ کے رسول علیہ وسلم کی

سیرت طیبہ 'career' سنت حسنہ میں [حیات طیبہ بسر کرنے کا] مثالی و حسین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ [اپنے] الہ و رب کی لقا و حضوری 'قرب و رضوان اور جنت] اور یوم آخر [روز جزا و سزا یا نشاء ثانیہ] کی توقع و امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ [اپنے معروض حُسن و عشق اور پروردگار و مالک] کو یاد کرتا ہے [اور اُس کے احکام اور اوامر و نواہی کے اظہار و ابلاغ] Expression and communication کے لئے پوری دلجمعی سے سرگرم عمل رہتا ہے۔

[الاحزاب ۳۳ آیت ۲۱]

صالح معاشرہ قائم کرنے کے لئے جن اوصاف حمیدہ کو عملی صورت دینے کی اشد ضرورت ہے وہ سیرت طیبہ میں غیر مبہم اور واضح انداز میں موجود ہیں۔

مزید ارشاد بانی ہے

”[اے میرے پیغمبر آخر علیہ وسلم] یہ حقیقت ہے کہ ہم نے آپ کو ہر زمان و مکان کے افراد نسل انسانی کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے یعنی ہم نے آپ علیہ وسلم کی بعثت کو ہر زمان و مکان کے انسان کیلئے محبت و شفقت، عفو و درگزر، رحم و کرم، عدل و احسان اور دنیوی و آخری حسنہ کا موجب بنایا ہے“

[الانبیاء ۲۱ آیت ۱۰۷]

اللہ تعالیٰ نے نظام حیات طیبہ انسانی اپنانے کے لئے مندرجہ بالا دونوں آیات قرآنی میں بہترین اصولوں کی نشان دہی کر دی ہے۔ اور یہ نظام اسلام کے نافذ کرنے کے لئے راہنمائی بھی مہیا کرتی ہیں اور مددگار بھی ثابت ہوتی ہیں۔

نظام اسلام کی بنیاد استوار کرنے کے لئے قرآن پاک کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ

اس کے مندرجات شک و شبہ سے بالا ہیں۔ اور یہ سرِ اُپاہدایت ہیں اور ان کے مطابق عمل پیرا ہو کر ہر انسان متقی کا

درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ درحقیقت متقین ہی صالح اور مطہر معاشرہ کے عناصر ہوتے ہیں۔ اس میں بیان کردہ

قوانین و احکامات۔ عقائد و نظریات۔ تعلیمات و ہدایات۔ واقعات و تخیلات انتہائی سچے اور قابل عمل ہیں۔  
قرآن پاک اس طرح اس کی تصدیق کرتا ہے۔

”یہ اللہ کی کتاب ہے۔ نہیں کوئی شک اس [کے کتاب الہی ہونے] میں۔  
ہدایت ہے [اللہ سے] ڈرنے والوں کے لئے“

[البقرہ ۲ آیت ۲]

قرآن پاک کی یہ صفت پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہے۔

۲۔ معاشرہ کی تشکیل میں ہر قسم کے علوم صداقت ہدایات اور اسالیب و اصول اور معلومات کارآمد ثابت ہوتی  
ہیں۔ قرآن پاک تمام کائنات ارض و السموات۔ دنیا و آخرت کی تمام معلومات و علوم کو محیط کئے ہوئے ہے۔  
اس لئے اللہ تعالیٰ انسان کو سنوارنے کی خاطر اسے قرآن پاک کی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ مندرجہ آیت مبارکہ سے  
ظاہر ہے۔

”جس نے قرآن کے علوم و فنون۔ قوانین و احکام‘ اسرار و رموز اور  
مصارف و اعجازات سمجھائے ہیں اور ہمیشہ سمجھاتا رہے گا“

[الرحمن ۵۵ آیت ۲]

ان اوصاف کو بروئے کار لاکر انسانوں کی بہتر سے بہتر تربیت کی جاسکتی ہے اس طرح تربیت یافتہ افراد ایک  
اعلیٰ درجہ کا معاشرہ تیار کرنے میں مددگار بن سکتے ہیں لہذا قرآن مجید اس اعلیٰ مقصد کے حصول میں ہمدرد  
معاون ہو سکتا ہے۔

۳۔ دین اسلام اللہ رب العالمین کی جانب سے روشنی ہے۔ نور ہے۔ روشنی کا خاصا یہ ہے کہ اندھیروں اور تاریکیوں  
کو سلب کر لیتی ہے۔ انسان اپنے عقائد اور اعمال کی کیفیت اور کمیت کے زیر اثر روشن یا تاریک مجسمہ بنتا ہے  
تاریکی اُسے جہنم کی طرف دھکیلتی ہے جبکہ روشنی اُسے جنت کی خوش گوار فضاؤں سے روشناس کراتی ہے  
قرآن حکم و مجید نور ہے روشنی ہے۔ یہ انسان کے ظاہر اور باطن کو منور کرنے کا موجب ہے اور یہ معاشرہ کی

تشکیل نو میں اہم کردار ادا کرتا ہے جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ

”ال ر یہ کتاب [قرآن] ہم نے [اے نبی ﷺ] آپ پر اس لئے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ ان کے پروردگار و مالک کے [ذن سے] [رب] مقتدر۔ مالک ستودہ صفات کے راستہ کی طرف [جسے صراط مستقیم کہتے ہیں]

[ابراہیم ۱۲ آیت ۱]

۴۔ منزل مقصود پانے کے لئے صحیح۔ پائیدار اور مضبوط و محفوظ راستہ کا مہیا ہو جانا کامیابی کی ضمانت ہے۔ قرآن پاک ہی وہ واحد کتاب ہے کہ جو شک و شبہ سے بالاتر۔ ہر لحاظ سے مکمل و اکمل۔ کل انسانوں کی راہنمائی کے لئے نسخہء کیمیا اور سب سے بڑھ کر اللہ رب العالمین کی براہ راست حفاظت میں ہے۔ لہذا اس سے بہتر کوئی اور راستہ موجود نہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول مکرّم ﷺ کی خواہشات کے مطابق دین اسلام کی تکمیل اور اُسے نافذ کرنے کے لئے یہ کتاب محفوظ راہنمائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ اور اعلیٰ ترین نسخہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

”یقیناً یہ قرآن اس راستہ پر چلاتا ہے جو سب راستوں کی بہ نسبت بہت زیادہ پائیدار اور سیدھا ہے۔ نیز اہل ایمان کو جو عدل و احسان کے کام کرتے ہیں۔ بشارت دیتا ہے کہ ان کو افضل و اعلیٰ صلہ ملے گا [کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات عمل اور قانون انعام و فضل ہے]“

[الاسراء ۱۷ آیت ۹]

۵۔ دین اسلام چونکہ خالق کائنات و رب العالمین کا پسندیدہ دین ہے لہذا اعلیٰ ترین ہے۔ اس کے مطابق اگر معاشرہ کی تشکیل نو کی جائے اور انسانوں کی عقل و فکر۔ سوچ و خیال۔ اور اعمال صالح کو پروان چڑھایا جائے تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول آخروں ﷺ کا مطلوبہ معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔ اس کے لئے قرآن پاک کے مندرجات پر عمل کرنا ہی واجب اور احسن ہے کیونکہ یہ علم و حکمت۔ رشد و ہدایت اور جامعیت و اکملیت کا منبع ہے۔

درج ذیل آیت مقدسہ ان خیالات کی تصدیق کر رہی ہے۔

”غور کرو کہ ہم نے بنی نوع انسان [کی تفریم] کے لئے اس قرآن میں یقیناً ہر قسم کی علم و حکمت کی بات کو مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ انکار و حجود ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔

[الاسراء ۱۷ آیت ۸۹]

قرآن مجید و حکیم مثالی راہنماء انسانوں کے لئے۔ اس میں تمام اشیاء کا علم دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت اس کی وضاحت کر رہی ہے۔

”.....ہم نے آپ پر ایسی [عظیم] کتاب نازل کی ہے۔ جو ہر شے صاف صاف بیان کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پر تسلیم خم کر دینے والوں کے لئے یہ ہدایت [Guidance] یعنی انہیں اُن کی منزل مقصود کی راہ راست دکھانے والی اور رحمت ہے یعنی انہیں دینوی و اُخروی حسنہ سے دوچار کرنے والی ہے اور بشارت ہے۔ یعنی ان کو ایمان و عمل صالحہ کے حسین و سرور بداماں، نتائج و عواقب کا ’متردہ دینے والی ہے۔“

[النحل ۱۶ آیت ۸۹ جزو]

۷۔ راہ راست اختیار کرنے کے خواہش مندوں کیلئے قرآن پاک ایک نعمت ربانی اور رحمت ہے۔

”اس میں یقیناً کل اقوام عالم کی روداد ہے۔“

”اُن کے لئے جو جنت کی راہ راست اختیار کرنا چاہتے ہیں“

[التکویر ۸۱ آیات ۲۷، ۲۸]

یہ حقیقت سب پر آشکار ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ و مکرم کو رسالت و نبوت سے نوازا گیا تو اس وقت انسانی زندگی کے سب سے بُرے۔ پراگندہ۔ غیر صالح اور غیر مطہر حالات تھے سچائی اور اچھائی مفقود تھی۔ ظلم و فساد عروج پر تھا۔ قتل و غارت بے مہارت تھا۔ عزت و شرافت غائب تھی امن و امان موجود نہ تھا۔ علم و ایمان گم ہو چکا تھا۔ بربریت و عنفیت کو

کوئی روکنے والا نہ تھا۔ الغرض شیطانی حکومت مضبوط و توانا تھی اور اُسے لکارنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

حالات جتنے بدتر۔ بُرے اور گھمبیر ہوں اُن کو سدھارنے کیلئے اُتنے ہی بڑے مدبر اور مصلح کی ضرورت پڑتی ہے اسی لئے اللہ رب العالمین و حاکم العالمین نے اتنے ہی بڑے اور اعلیٰ خاتم النبیین اور رحمت العالمین کو منتخب فرمایا۔ ایسے نامساعد حالات سے عہدہ برا ہونے کیلئے اللہ نے آپ کو بہت ہی صلاحیتیں عنایت فرمائیں۔

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ آپ ﷺ نے نہایت ہی قلیل عرصے میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے دیا کہ پوری کائنات میں ایسی کوئی اور مثال موجود نہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت کو چودہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس عرصہ میں شیطان الرجم کا چیلنج کافی تک کامیاب ہو چکا ہے یعنی

”ابلیس بولا، پروردگار! بدیں وجہ کہ تو نے مجھے [عمداً] غچا دیا ہے۔ میں اب دنیا میں بنی نوع انسان کو [ان کے مشرکانہ عقائد و رسوم، اعمال سوء، غیر فطری و قبیح اور حرام خواہشات و اشیاء الغرض سیئات کو اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے] حُسین بنا کر دکھاؤں گا اور اس طرح اب سب کو ورغلا کر [Seduce] گمراہ کروں گا“

[الحجر ۱۵ آیت ۳۹]

موجودہ معاشرہ پراگندہ ہو چکا ہے اور اب اس کی تشکیل نو کی اشد ضرورت ہے۔ چونکہ ہمارے پاس معاشرے کو سدھارنے کی ایک اعلیٰ و پاکیزہ مثال موجود ہے اس لئے اس مثال کی راہنمائی میں یہ سب مل کر اور یک جان ہو کر مشکل اور پیچیدہ کام سرانجام دینے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔

اس کام کے آغاز سے قبل اس بات کا جائزہ بھی بہت ضروری ہے کہ وہ کونسے اوصاف حمیدہ ہیں اور اُس کی تکمیل کے لئے کون سے طریقے استعمال ہوئے ہیں کہ ایک گندہ معاشرہ درست بھی کر دیا گیا اور سدھار بھی لیا گیا۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کی پیروی کر کے ہی موجودہ معاشرہ کو بحال کیا جاسکتا ہے اس بیماری کا یہی بہترین



علاج ہے۔

ہر انسان پیار۔ محبت۔ نغمگساری۔ ہمدردی۔ مدد۔ دلجوئی ایثار و قربانی پسند کرتا ہے۔ اس کے برعکس کسی سے غصہ کا اظہار۔ ڈانٹ ڈپٹ۔ ظلم و ستم۔ کدورت۔ نفاق۔ اور ان جیسے بہت سے غیر اخلاقی اوامر نفرت۔ دشمنی۔ لڑائی جھگڑا کا باعث بنتے ہیں۔ جو معاشرہ کی پراگندگی کو جنم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مصلح اعظم کو پوری کائنات کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔

”[اے میرے پیغمبر آخر علیہ وسلم!] یہ حقیقت ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو ہر زمان و مکان کے افراد نسل انسانی کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے یعنی ہم نے آپ کی بعثت کو ہر زمان و مکان کے لئے انسان کے لئے محبت و شفقت، عفو و درگزر، رحم و کرم، عدل و احسان اور دینوی و اخروی حسنہ کا موجب بنایا ہے“

[الانبیاء ۲۱ آیت ۱۰۷]

۱۔ معاشرہ کی بحالی اور تطہیر میں آپ ﷺ کی صفت رحمت کا کردار بہت اہم ہے۔ اس حوالے سے قرآن کریم کی مندرجہ آیت کریمہ سے سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔

”[میرے پیغمبر اعظم و آخر علیہ وسلم] اللہ کی ازبس محبت و کرم نوازی کی بدولت آپ ﷺ لوگوں کے لئے صاحبِ دل و نرم واقع ہوئے ہیں اگر آپ ﷺ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ ﷺ کے اردگرد سے چھٹ گئے ہوتے [اور آپ ﷺ سے گریزاں رہتے۔]

[آل عمران ۳ آیت ۱۵۹ جزو]

۲۔ اخلاق حمیدہ عوام الناس کے لئے باعث کشش ہوتے ہیں۔ اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق کا حامل دوسروں کے لئے رحمت و حفاظت کا موجب ہوتا ہے۔ لوگ اُس سے اچھائی اور مدد کی توقعات وابستہ کر سکتے ہیں۔ پرسکون اور مطمئن ماحول میں روزمرہ کے معمولات سرانجام دے سکتے ہیں۔ ایسے لوگ دوسروں کے لئے ایک نعمت ثابت

ہوتے ہیں اور ان کی طرف کچھ چلے آتے ہیں۔ جس سے معاشرہ میں شرافت۔ محبت۔ ہمدردی۔ خلوص۔ بھائی چارہ۔ ہم آہنگی کا پروان چڑھنا ایک قدرتی امر ہے۔ لہذا یہ اصلاح معاشرہ کے لئے تیر بہدف علاج ہے۔

رسول مکرمؐ میں یہ وصف انتہائی بلندیوں پر ہے اور اللہ اس پر گواہ ہے۔

”اور بلاشبہ آپ کا خلق انتہائی ارفع و احسن اور آفاقی ہے“

[القلم ۶۸ آیت ۴]

آپ نے اس وصف کو بروئے کار لا کر انتہائی گراوٹ زدہ قوم کو نہایت ہی قلیل عرصہ میں اخلاق کی ایسی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ کہ جس کی مثال پوری انسانی زندگی میں نہیں ملتی۔ اسی اخلاقی قوت نے دنیا و آخرت کی ایسی راہیں متعین کر دیں کہ جن پر چل کر انسانوں کو اسفل السالفین کے گڑھوں سے نکال کر بلندیوں کی معراج پر پہنچا دیا۔ اور ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ معرض وجود میں آ گیا۔ کہ جس کے مطابق عمل کرنا ہر قوم۔ ہر طبقہ۔ ہر قبیلہ کی تمنا بن گیا۔

شعبہ کوئی بھی ہو۔ علمی ہو یا اخلاقی۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ آسمانی ہو یا زمینی۔ صنعتی ہو یا زرعی۔ معاشی ہو یا معاشرتی۔ نظریاتی ہو یا عملی۔ سائنسی ہو یا غیر سائنسی۔ افقی ہو یا عمودی۔ عملی ہو یا تخلیقی۔ ارضی ہو یا سماوی۔ نباتاتی ہو یا حیاتیاتی۔ زمانی ہو یا مکانی۔ تحریکی ہو یا انقلابی تو اس کی کامیابی کا انحصار اس کے سربراہ کی علمیت۔ قابلیت۔ حکمت۔ دانائی۔ پر منحصر ہوتا ہے اور تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ساتھیوں کا مرہون منت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نبی آخر زمان ہیں اور ان کا درجہ کائنات ربانی میں سب سے بلند و بالا ہے آپ کو اپنی تحریک اسلامی کی کامیابی کے لئے اعلیٰ کردار و اخلاق اور علم و حکمت سے مزین جانثاروں کی ضرورت تھی اس لئے آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے پہلے حصہ۔ یعنی مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں تعلیم و تربیت پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ کے تعلیم و تربیت کے عمل کو اس طرح اجاگر کیا ہے۔

”چنانچہ اسی طرح اپنی نعمت یعنی اپنے نظام حیات کلی کی تکمیل کے

لئے ہم نے تمہی میں اپنا [آخری] رسول بھیجا ہے۔ وہ تمہیں ہماری

آیات [تاریخ کے اہم واقعات، جغرافیائی و سائنسی تغیرات، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، عمرانی، تہذیبی اور عملی و فنی انقلاب کے عوامل و نتائج] کا درس دیتا ہے تاکہ ان میں تفکر بالحق کرو۔ اور تمہارا تزکیہ کرتا [یعنی تمہارے قلب دل و دماغ] کی تطہیر و تصعید اور اخلاق کی تہذیب و تحسین کرتا۔ نیز تمہارے قوائے مضممرہ کو قوت سے فعل میں لاتا اور ان کو نشوونما دیتا ہے۔ اور تمہیں الکتاب یعنی قرآن حکیم کے علوم و فنون، اوامر و نواہی اور مصارف و حقائق کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔ یعنی قرآن حکیم کی ہدایات و تعلیمات کے مطابق دانشمندانہ طور پر حیات طیبہ بسر کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ نیز تمہیں وہ علوم و فنون سکھاتا ہے جن سے تم پہلے نا آشنا تھے [یعنی علوم جدیدہ]۔

[البقرہ ۲ آیت ۱۵۱]

اس آیت مقدسہ میں اُن شعبہ ہائے علم و حکمت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ جن کی انسانوں کی راہنمائی کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت ناگزیر ہے۔ مثلاً

- ۱۔ تلاوت آیات قرآنی اور ان کے حدود محیط کی نشان دہی
- ۲۔ تزکیہ نفس انسانی اور اس کی طہارت و تطہیر
- ۳۔ تعلیمات قرآن مجید و حکیم اور ان کا دائرہ علم و عمل
- ۴۔ تعلیم حکمت
- ۵۔ جدید علوم سے آگاہی اور افادیت برائے انسانیت

اس مبارک آیت میں آیت یا آیات کا لفظ بہت گرائی کا حامل ہے۔ یعنی

لفظ آیت قرآن میں مختلف معنوں اور مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن پاک کی سورتوں کے اجزاء۔ یا بامعنی

مکمل جملہ عوام الناس میں ”آیت“ کے نام سے مشہور ہے۔ علامت۔ نشانی یا نشان راہ۔ معجزہ۔ جملہ حقائق کی نشاندہی۔ دلیل۔ سائنسی۔ جغرافیائی۔ معاشرتی۔ وغیرہ کے معنوں میں آیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح تلاوت کا لفظ آسمانی کتابوں کو پڑھنے اور ان کے الفاظ کی درست انداز میں ادائیگی یعنی قرأت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ رسول اکرم و مکرم اپنے ساتھیوں کو آیات قرآنی کا درس بذریعہ تلاوت دیا کرتے۔ اور ان کے معنوں اور مفہوم سے آگاہ کرتے۔ اور ہر پہلو سے اس کی تعلیم دیتے۔ ان کے لئے نظری۔ عملی۔ ظاہری باطنی۔ واقعاتی تحقیقی اور دیگر جہتوں کو اجاگر کرتے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام۔ تعلیمات و ہدایات کے مطابق زندگی کرنے کا درس دیتے تاکہ اسلامی معاشرہ کے خدوخال ظاہر ہوں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی استطاعت بھی پیدا ہو اور شوق بھی۔

ب۔ اللہ تعالیٰ نے واشکاف انداز میں انسان کو آگاہ کر رکھا ہے کہ شیطان الرجیم۔ بنی نوع انسان کا دشمن ہے جو انسانوں کو اپنی وسوسہ انگیزی اور تخریب کاری سے نفس امارہ کی شراکت سے بھٹکا تا رہتا ہے۔ اس لئے شیطان کے شکنجے سے آزاد کرانے کیلئے انسان کا تزکیہ یعنی طہارت و پاکیزگی لازمی ہے رسول اعظم و آخرتہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے خیالات کو صاف و شفاف۔ سوچ و فکر کو آلودگی سے پاک۔ اخلاق و کردار کی اصلاح۔ غیر فطری خواہشات کی تطہیر کرتے رہتے تاکہ ان میں اللہ رب العزت کی قربت کی آرزو پیدا ہو۔ اچھائیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت پیدا ہو۔ انسانوں میں موجود مخفی قوتوں کو اجاگر کر کے ان کو انسانی بھلائی۔ اور بھلائی کے کاموں کے لئے تیار و آمادہ کرنا بھی تزکیہ کی حدود میں آسکتا ہے۔ یہ عمل انسانی معاشرہ کی تشکیل نو کا ایک فطرتی تقاضہ ہے۔

ج۔ دین حق کی تبلیغ و فروغ اور نظام اسلام کی وسعت اور پھیلاؤ کے حوالے سے کتاب الہی۔ قرآن مجید۔ کے کلیدی کردار۔ کا ذکر ہو چکا۔ اگر اس کے مندرجات کی سیر حاصل اور اکمل و مکمل تعلیم سے آشنائی نہ ہو سکے تو تشنگی رہ سکتی ہے۔ اس کمی کو دور کرنا رہنبر۔ جن وانس۔ سلطان عالم پر فرض واجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے نصاب تعلیم و تربیت اسلام میں تعلیم الکتاب کو شامل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

بے شک قرآن پاک کے پڑھنے۔ سمجھنے۔ یاد کرنے اور عمل کرنے میں مشکل نہیں۔ لیکن اس کے پڑھنے میں

الفاظ کی ادائیگی میں اتار چڑھاؤ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ قرآن پاک ربانی کتاب ہونے کے سبب اس کے ظاہری اور باطنی راز و رموز۔ اور نکات و ہدایات سے واقف ہونا بھی لازمی ہے۔ ان سے کما حقہ 'آگاہی کے لئے راہنما حق کے بغیر ممکن نہیں۔ جسے نہایت ذمہ داری سے آپ ﷺ نے پورا کیا اور ان کے دیئے ہوئے راہنما اصولوں کے مطابق اب اُس کی تجوید ممکن اور آسان ہے۔

قرآن پاک کی تعلیم مختلف انداز۔ ذریعوں اور طریقوں سے ممکن ہے مثلاً زبان اور قلم کے ذریعہ اظہار و بیان۔ حواس خمسہ کی مدد سے مشاہدہ اور اُس سے نتائج اخذ کرنا۔ غور و فکر سے سر بستہ رازوں کا انکشاف۔ اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کرنے پر بہت زور دیا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے قرآن کی تعلیم سے اپنے گرد ایک ایسا تعلیم یافتہ طبقہ یا گروہ تیار کر لیا۔ کہ جنہوں نے قرآنی تعلیم کو پھیلانے میں بہت سرعت سے کام کیا۔ اور پاکیزہ نظر و قلب کے حامل لوگوں پر مشتمل اسلامی معاشرہ پیدا کر دیا۔ عوام الناس میں تعلیم حاصل کرنے کا ذوق و شوق پیدا ہوا اور عمل صالح کی ترغیب ہوئی۔ اس سے ایک ایسی تحریک ہوئی کہ جس نے دین اسلام کو نہایت ہی قلیل وقت میں چاروں طرف اور دُور و نزدیک روشناس کرادیا۔

آیات قرآنی کی تلاوت کرنا۔ اُن میں دیئے گئے علم سے آگاہی کے بعد انہیں سمجھنا۔ بعد ازاں اس کی روشنی میں اپنے ظاہری اور باطنی۔ اور فطرتی اور جبلی عوامل کی صفائی۔ شیطانی وسوسہ انگیزی کا تدارک۔ نفس امارہ کا مغلوب ہونا یعنی تابعداری قبول کرنا یا انسانی جسم و جان کے تزکیہ کے بعد کتاب العلم سے استفادہ حاصل کرنے پر اپنے آپ کو راہِ راست سے آشنا کرنا اسلامی تعلیم و تربیت کے نصاب کے زمرہ میں آتا ہے۔ یہ نصاب تعلیم اتنی دیر تک تشنہ رہتا ہے کہ جتنی دیر تک اس نصاب کی چوتھی کڑی یعنی حکمت قرآنی کا ذکر نہ کر دیا جائے۔ فرمان الہی ہے کہ

”[اللہ جو واسع و علیم ہے] جسے چاہتا ہے [اس کی سچی آرزو کی بناء پر] اسے حکمت، یعنی نظری و عملی عقل سلیم عطا کرتا ہے اور جسے نظری و عملی عقل سلیم مل گئی تو اسے یقیناً دینوی و اخروی

حسنہ [یعنی ہر قسم کی حسین و مسرت انگیز مادی و معنوی و جمالیاتی ثروت] مل گئی۔ اور اہل عقل سلیم کے سوا ایسی حکمت آموز باتیں نہ تو کوئی سنتا اور نہ ان پر عمل ہی کرتا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۹]

حکمت کو خیر کثیر سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازتا ہے جو راہ راست کے مخلص طلب گار ہوں اللہ تعالیٰ کی حقیقی چاہت رکھتے ہوں۔ اور دین اسلام کے دلدادہ اور گرویدہ ہوں۔ حکمت کو عقل۔ علم۔ دانائی۔ دانشمندی۔ فہم و فراست۔ دور اندیشی۔ خردمندی اور مدبرانہ سوچ بھی کہا جاسکتا ہے۔ رسول اکرم کی ساری زندگی حکیمانہ اور مدبرانہ انداز میں گزری۔ آپ ﷺ کے حکیمانہ فیصلوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اُن کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آمد پر۔ مواخات اور میثاق مدینہ اور بعد ازاں معاندہ حدیبیہ اس کی مثال ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے جانثاروں کو قرآن پاک میں موجودہ ”حکمت“ سے خوش اسلوبی سے آگاہ کیا جس کی بنیاد پر سلطنت اسلامیہ قائم ہوئی۔ وسعت پذیر ہوئی اور اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔ لیکن جب امت مسلمہ نے ان اصولوں سے انحراف کیا تو ان کی ساکھ مجروح بھی ہوئی اور یہ ٹکروں میں منقسم ہو گئی۔

۔۔ اس نصاب کی آخری کڑی دیگر علوم سے آگاہی ہے۔ یعنی وہ علوم جن سے عوام الناس قبل ازیں آگاہ نہیں تھے۔ قرآن حکیم نے آگاہ کیا ہے کہ

”اور اللہ نے آدم کو کل اشیاء [موجودات یا مخلوقات] کی مُسمیات یعنی خواص و اوصاف اور جمالیاتی۔ افادی اقدار [Properties characteristics and aesthetic. beneficial values] کا اور ان کو ان کی مُسمیات کے مطابق موسوم کرنے یعنی نام رکھنے کا علم ودیعت کر دیا.....“

[البقرہ ۲ آیت ۳۱ جزو]

۱۳۵۷ھ

Marfat.com

چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ہر قسم کا علم عطا کر دیا تھا کہ جب زندگی گزارنے کے دوران انسان کو جس کی ضرورت اور طلب ہو سکتی تھی اس لئے رسول کریم نبی آخری زمان کے فرائض میں بھی یہ بات شامل کر دی گئی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو ان حقائق سے آگاہ کر دیں اور اسلامی تعلیم و تربیت کے نصاب کو احسن طریقہ سے مکمل کریں۔

دُعا ہے کہ

و۔ اے میرے رب! مجھے علم و حکمت عطا کر اور مجھے محسنین و صالحین میں شامل کر۔

[الشعراء ۲۶ آیت ۸۳]

”اور دُعا مانگتے رہیں کہ پروردگار! میری شخصیت میں علم سے وسعت و رفعت پیدا کر دے [یا مجھے علم کی قوت زیادہ سے زیادہ عطا کرتے رہنا۔]

[طہ ۲۰ آیت ۱۱۴ جزو]

یا اللہ ہمیں قرآن پاک کی تلاوت کی توفیق اس طرح عنایت کر جو رسول کریم ﷺ کو پسند ہے۔ ہمارے جسم جان کا تزکیہ کرنے کی ہمت دے۔ ہمیں قرآن پاک کے علوم سے نواز اور ہمیں حکمت یعنی خیر کثیر عطا فرما اور اعلیٰ۔ پائیدار اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے اور امت مسلمہ کو انسانیت کی قیادت کرنے کیلئے جن علوم کی ضرورت ہے انہیں سیکھنے کی توفیق عنایت فرما۔ آمین۔

یا الہی۔ ہم تیرے بندے اپنی دُنیاوی زندگی کی بہتری اور پاکیزگی سے گزارنے میں تیری مدد کی استدعا کرتے ہیں۔ ہم پر رحم فرما اور دُنیاوی و اُخروی زندگی میں سرخرو ہونے میں مدد فرما۔ اور ہمارے معاشرہ کو قرآن و سنت کے مطابق ترتیب و منتظم کرنے کی ہمت عطا فرما۔ تاکہ دین اسلام کے عین مطابق دُنیا کی تمام اقوام کو اس نعمت سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کر۔

”انہیں افراد نسل انسانی میں وہ [خوش نصیب اہل آرزو خشیت] بھی ہیں جو یہ دُعا مانگتے رہتے ہیں اے ہمارے پروردگار و مالک! ہمیں دُنیا میں

بھی حسنہ [یعنی اپنی رحمت و مغفرت اور ہر طمانیت بخش و مسرت  
انگیز نعمت] عطا فرما اور دوسرے جہاں میں بھی ہمیں حسنہ [یعنی  
جَنَّت قُرَّة العین اور اس کی ہر سُورِ انگیز نعمت] سے نوازنا اور ہمیں  
[دنیا میں آتش خوف و حزن اور آخرت میں] آتش جہنم کی اذیتوں  
سے محفوظ رکھتا“

[البقرہ ۲۰ آیت ۲۰۱]





## 3

## نظامہائے حسنہ

اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد اسے منظم کرنا۔ مضبوط کرنا اور وسعت دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ایسے اداروں کو معرض وجود میں لانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن کی مدد سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کی جاسکے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکامات، ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں مملکت کا نظم و نسق چلایا جاسکے۔ اور ان مقاصد کو حاصل کیا جاسکے کہ جو دین اسلام کو نافذ کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔

قرآن حکیم کی آیت مبارکہ ہے:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ امن و سلامتی کے دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ [یعنی منافقوں کی طرح نیچے دروں نیچے بروں نہ رہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ عقائد و احکام اور تعلیمات کو تسلیم بالیقین کر کے اور ان سب کے مطابق کل زندگی کرنے کے عزم بالجزم کے

ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ] نیز [یاد رکھو!] شیطان کے نقوشِ قدم پر نہ چلنا۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

[البقرہ ۲ آیت ۲۰۸]

بے شک عقائد اسلام کا زبان سے اقرار اور دل و دماغ سے تصدیق اسلام لانے کی ابتداء ہے لیکن اس آیت مقدسہ سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ دین اسلام پر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُس کے تمام اجزاء پر عمل کرنا بھی لازمی ہے اس لئے مندرجہ آیت مبارکہ کی روشنی میں ادارے قائم کر کے نفاذ اسلام کی راہ ہموار کرنا چاہیے اس آیت میں واضح طور پر اسلوب حکمرانی کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

”اللہ تعالیٰ کے نظام حیات کلی اور بندوں کی معاونت کرنے والوں کا شعار زندگی یہ ہوتا ہے کہ جب انہیں کسی سرزمین میں آزادی و حکومت ملتی ہے تو وہ صلوة قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نیز حسین و فطری کام کرنے کی تاکید کرتے اور قبیح و غیر فطری کاموں سے منع کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کل امور [Affairs] کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے“

[الحج ۲۲ آیت ۴۱]

اس آیت قرآنی سے منشرع ہوتا ہے کہ اللہ کے بندوں یا حزب اللہ کے فرائض میں زمین پر اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کی خاطر مندرجہ ذیل ادارے قائم کر کے اسلامی معاشرہ کی تشکیل کرنا اور خلق خدا کی زندگی آسان اور پاکیزہ بنانا ہے۔

- ۱۔ الصلوٰۃ کا ادارہ
- ۲۔ زکوٰۃ کا ادارہ
- ۳۔ امر بالمعروف کا ادارہ
- ۴۔ نہی عن المنکر کا ادارہ

مطالعہ قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ الصلوٰۃ [نماز] اور نظام الصلوٰۃ [نماز قائم کرنا] ایک بھی ہیں اور جداگانہ بھی۔

نظام الصلوٰۃ یعنی نماز کی ادائیگی انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔

نظام الصلوٰۃ کا قیام مسجد کا ایک کلیدی کردار ہے مسجد صرف نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں بلکہ یہ ایک معاشرتی مرکز

ہے کہ مسجد کے گرد و نواح میں بسنے والے لوگوں کی تعلیم و تربیت۔ ان کے اجتماعی مسائل کا حل۔ ان کے فلاحی کاموں کی

تکمیل۔ ان کی تکالیف کا تدارک۔ باہمی تعلقات میں خوشگواہی پیدا کرنا۔ مالی معاونت اور دوسرے کاموں کی انجام دہی

شامل ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے مدینہ منورہ میں آتے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا آغاز کیا اور ساتھ ہی مندرجہ

امور پر توجہ فرمائی اور ان کی تکمیل میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسانی نفس مرکب ہے جسم اور روح

کا۔ جسم کی بناوٹ زمینی اجزاء یعنی مٹی سے تشکیل پاتی ہے جبکہ روح امر ربی ہے جسم کا تعلق زمین سے ہے اس لئے اس کا

رجحان ہمیشہ زمین کی طرف رہتا ہے اور روح کا رجحان ہمیشہ رب کائنات کی جانب۔ ان کو مضبوط۔ توانا۔ صحت مند۔

تندرست اور خوش و خرم و خوش حال رکھنے کے لئے خوراک کی ضرورت رہتی ہے جسم کی خوراک زمین سے حاصل ہوتی ہے۔

اور زمینی پیداوار کا تعلق زکوٰۃ سے ہے جبکہ روح کی خوراک عبادات اور ذکر الہی سے منسلک ہے۔ اس لئے الصلوٰۃ سے

روح تقویت حاصل کرتی ہے قرآن پاک میں اکثر زکوٰۃ اور الصلوٰۃ کا ذکر اکٹھا آیا ہے۔ لہذا یہ دونوں یعنی الصلوٰۃ اور زکوٰۃ

کی پابندی جسم اور روح کی تقویت کا باعث ہیں اس لئے ان کو نظر انداز کرنا بالکل درست نہیں اور یقیناً نقصان دہ ہے۔

نظام الصلوٰۃ کے حوالے سے مندرجہ ذیل قرآنی آیات قابل غور ہیں

”[اے نبی ﷺ!] جو قوانین و احکام کتاب میں سے آپ کو وحی کے

ذریعے بتائے جاتے ہیں۔ ان کا درس دیتے رہیں۔ تاکہ لوگ ان کی پیروی

کریں۔ اور نظام الصلوٰۃ قائم کریں۔ بلاشبہ نظام صلوٰۃ فحاشی و بخل

اور غیر فطری و غیر شرعی افعال کا سد باب کرتا ہے لیکن اللہ کو یاد

کرنا۔ اور اس کے قوانین و احکام اور تعلیمات کی یاد دہانی کرنا زیادہ

اہم ہے۔ اے لوگو! جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اُسے خوب جانتا ہے“

[العنکبوت ۲۹ آیت ۴۵]

یقین محکم۔ خشوع و خضوع۔ آداب و احترام۔ طہارت و پاکیزگی اور تمام لوازمات کے ساتھ ساتھ الصلوٰۃ کی ادائیگی کی جائے تو یقیناً انسان یا نمازی فحاشی اور منکر سے نجات پاسکتا ہے اگر ایسا نہیں تو یقیناً الصلوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ ایسے اعمال اور ارتکابات کی ایک طویل فہرست ہے جو فحاشی اور منکر کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اجتماعی طور پر بھی۔ حکومت وقت بھی انہیں ختم کرنے اور کرانے کی ذمہ دار ہے۔

”اے میرے [پیارے] بیٹے! صلوٰۃ کو اس کے تمام فرائض اور تقاضوں کے ساتھ [قائم رکھنا۔ اور فطری و حسین باتوں کی تلقین کرتے رہنا۔ لیکن غیر فطری اور غیر قرآنی باتوں سے منع کرتے رہنا۔ اور اس سلسلے میں جو مصائب تم پر ٹوٹیں۔ انہیں احسن طریقے سے برداشت کرنا۔ یہ بلاشبہ بڑی ہمت اور عزیمت کے کام ہیں“

[تقمین ۳۱ آیت ۱۷]

اس آیت مبارکہ کے مفہوم کے مطابق ہم سب کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ الصلوٰۃ [نظام الصلوٰۃ سمیت] کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اچھائیوں کی تلقین کرتے رہنا اور برائیوں کو روکتے رہنا ہر مسلمان کے فرائض میں شامل ہے اس سے کوتاہی قطعاً مناسب نہیں۔

الصلوٰۃ اور نظام الصلوٰۃ کے حوالے سے مندرجہ آیات قرآنی باعث نصیحت اور راہ نمائی ہیں۔

”دیکھو! اپنے اہل و عیال کو صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیتے رہو اور خود بھی اس پر قائم و دائم رہنا“

[طہ ۲۰ آیت ۲۳۱ جزو]

”اور صلوٰۃ [کا نظام] قائم کرو اور زکوٰۃ [منظم طریقے سے] ادا کرو۔ نیز احکام الہیہ کہ سامنے سر تسلیم خم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی احکام الہیہ کی تعمیل کرو!“

[البقرہ ۲۰ آیت ۴۳]

”اور [رنج و تکالیف میں] صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز

گراں ہے مگر ان لوگوں پر [گراں نہیں] جو عجز کرنے والے ہیں“

[البقرہ ۲۰ آیت ۲۵]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر [یعنی ثابت قدمی و حوصلہ مندی، توکل و رجا اور استقلال و استقامت] اور صلوة [کے قیام اور اس کے تقاضوں کی تکمیل] کے ساتھ [اللہ تعالیٰ سے] مدد مانگتے رہو۔ یقین جانو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اس کی نصرت و امداد ان کے شامل حال ہوتی ہے جو ہر حال میں صبر کرنے والے ہوتے ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۵۳]

”پھر اُن صلوة ادا کرنے والوں کے لئے تباہی ہے جو“

”اپنی صلوة یا نماز [کے معانی مطالب، حقوق و فرائض، حقیقت و غایت، فیوض و برکات اور تقاضوں کو سمجھنے] سے غفلت برتتے ہیں۔ یعنی ان کو سمجھنے کی انہیں پرواہ نہیں“

”جو ریاکاری، قرب و حضوری کا وسیلہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور جنت کی کنجی اور اپنی ذات کے نُور کی تکمیل کا ذریعہ سمجھ کر نہیں، بلکہ اپنے آپ کو عابد و زائد اور پرہیز گار ثابت کرنے کے لئے ادا کرتے ہیں“

[الماعون ۱۰ آیت ۴ سے ۷]

نماز روح کی غذا ہے اور اللہ سے قربت کا ذریعہ۔ اگر اس کی ادائیگی درست اور خالص ہو جائے تو ایک طرف حقوق اللہ کی ادائیگی ہو جاتی ہے اور دوسری جانب حقوق العباد کے حوالے سے اسلامی معاشرہ کی ہر قسم کی ضروریات پوری کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے جس سے دین اسلام کو تقویت ملتی ہے اور دنیا میں اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنے میں مدد ملتی ہے جس کی برکات۔ اور فوائد کا مشائدہ کر کے دوسرے مذاہب کو دین اسلام اپنانے کی ترغیب ملتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ اور صلوة ایک دوسرے سے منسلک ہیں ایک جسم کی غذا ہے اور دوسری روح کی غذا۔ بیشک یہ دونوں نظام

ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے انسانوں کے لئے ان گنت نعمتوں کو وافر مقدار میں مہیا کر رکھا ہے۔

”ذرا غور کرو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں یا انعام و آرام کو گننا چاہو تو ان کا احاطہ نہ کر سکو گے۔۔۔۔“

[النحل ۱۶ آیت ۱۸ جزو]

اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو استعمال کرنے یا خرچ کرنے کے آداب سے بھی آگاہ کر رکھا ہے۔ یعنی ان کے استعمال میں اعتدال یا میانہ روی کے طرز عمل کو اپناؤ نہ ضرورت سے زیادہ کنجوسی سے کام لو اور نہ ہی فضول خرچی کرو۔

”اصل یہ ہے کہ فضول خرچ شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران یا ناقدری کرنے والا ہے“

[الاسراء ۱۷ آیت ۲۷]

”دیکھو! نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا رکھو [یعنی حد سے زیادہ کنجوس بن جاؤ] اور نہ اسے بالکل کھول دو [یعنی اسراف و تبذیر کر کے سب کچھ لٹا دو] نتیجہ ملامت زدہ و درماندہ ہو کر رہ جاؤ“

[الاسراء ۱۷ آیت ۲۹]

”اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اللہ تلکے کرتے ہیں۔ یعنی فضول و بے جا خرچ اور نہ بخل و کنجوسی ہی کرتے ہیں بلکہ ان [دو انتہائوں] کے درمیان اعتدال سے خرچ کرتے ہیں“

[الفرقان ۲۵ آیت ۶۷]

بیان کردہ اصولوں یا ہدایات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد اگر کسی بشر کے پاس غیر استعمال شدہ رقم۔ اشیاء۔ جائیداد وغیرہ کچھ عرصہ تک بچ رہے یا محفوظ رہے تو اس پر معمولی مقدار میں زکوٰۃ کی

ادا نیگی واجب ہو جاتی ہے۔ یہ رقم مالداروں سے حاصل کر کے بیت المال میں جمع کرنے کے بعد ضرورت مندوں کو دینے کا احسن نظام بنایا جاتا ہے۔

نظام زکوٰۃ ایک معاشی نظام ہے جو معاشرہ میں مالی ناہمواریوں کا تدارک کرنے کا موجب ہے۔ اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ دولت کی زیادتی یعنی امارت اور دولت کی کمی یعنی غربت بے شمار برائیوں کو جنم دیتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے امیروں سے دولت لے کر غریبوں کو دینے کا احسن نظام۔ نظام زکوٰۃ کی مدد سے کر رکھا ہے جس سے ایک طرف اللہ کی حکمرانی۔ لوگوں کی طہارت و پاکیزگی۔ تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسری طرف امیروں اور غریبوں کی مخصوص برائیوں کے سدباب کی راہ نکلتی ہے جو اسلامی معاشرہ کی بہتری کی راہ ہموار کرتی ہے۔

”ان کے مال و منال میں سے صدقہ“ یعنی زکوٰۃ [قانوناً] وصول کرو۔ [کہ یہ حکم الہی ہے] اور اس مال و منال کے ذریعے ان [کے دل و دماغ اور اخلاق و کردار] کی تطہیر کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو قوت سے فعل میں لانے اور ان کو نشو و نما دینے کا اہتمام کرو، نیز ان کو دعائیں دو۔ اس لئے کہ آپ کی دُعا ان کے لئے موجب تسکین ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو بے ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا۔

[التوبہ ۹ آیت ۱۰۳]

اس حوالے سے مزید فرمایا گیا۔

”حسن عمل“ کا رخیر یا حسنہ یہ نہیں کہ تم نے [عبادت کے وقت قبلہ سمجھ کر] اپنا رخ مشرق کی طرف پھیر لیا۔ یا مغرب کی طرف، بلکہ حسن عمل کی روش ان کی ہے۔ جو اللہ پر آخرت کے روز یعنی قیامت۔ نشاۃ ثانیہ۔ اور حساب و جزا کے روز پر، ملائکہ اور کتب سماوی اور اللہ کے تمام نبیوں پر ایماں لاتے ہیں۔ نیز اللہ کی راہ محبت میں اپنا مال و منال، اعزہ و اقارب [والدین رشتے داروں۔ ہمسایوں۔ رفیقوں اور ہمسکروں] اور یتیموں [والدین سے محروم بچوں اور دیگر بے یارو

مددگار بندوں] اہل احتیاج و ضرورت اور اپنا حق مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔ نیز اسیران جنگ غلاموں اور قرضے میں جکڑے ہوئے بے بس انسانوں کو آزاد کرانے پر صرف کرتے ہیں اور وہ صلوة قائم کرتے ہیں [اس کے تقاضے پورا کرتے] ہیں۔ اور زکوٰۃ [قرآن و سنہ کے مطابق] ادا کرتے ہیں [افراد حکومت کو زکوٰۃ دیتے ہیں اور حکمران اہل احتیاج کو دیتے ہیں] اور جب عہد و پیمان کر لیتے ہیں تو اُسے ضرور پورا کرتے ہیں۔ نیز مفلوک الحالی یا تنگدستی اور صعوبت و مصیبت میں اور جہاد میں خوف و خطر کے وقت اہل عزم و ہمت ثابت قدم اور متوکل و رجائیت پسند رہتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ [حُسن عمل کی راہ میں] سچے ہیں اور یہی اہل آرزو و خشیت [متقی]۔“

[البقرہ ۲ آیت ۱۷۷]

آیت مبارکہ میں دیئے گئے اشارات و ہدایات کے مطابق اگر نظام زکوٰۃ کو مربوط کر کے اور اُس کے مطابق عمل کرنے کا بندوبست کر لیا جائے تو بہت سے متاثرہ افراد کو آسودگی مل سکتی ہے اُن کا ذہنی دباؤ کم ہو سکتا ہے اور اُن کو تکالیف و مصائب سے نجات مل سکتی ہے۔ اس طرح زکوٰۃ دینے والوں کو خوشنودی اور راحت مل سکتی ہے اور زکوٰۃ لینے والوں کو معاشرہ میں آبرو و مندرانہ مقام مل سکتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ کی برکت سے معاشرہ خوشحال۔ آسودہ اور رنج و غم سے پاک ہو سکتا ہے۔ اور معاشرہ کا ہر فرد عزت و تکریم کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اگر نظام زکوٰۃ کو صحیح انداز میں لاگو کیا جاسکے۔ تو مال و دولت کو جمع اور ذخیرہ کرنے کا رجحان ختم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مال و دولت کی گردش کاروبار اور تجارت کے مواقعوں میں وسعت کے اسباب پیدا کرتا ہے جس سے بیروزگاری کا سدباب ہوتا ہے۔ اور خوشحالی کا سبب بنتا ہے۔

فرمان الہی ہے کہ:

”دیکھو! جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو، وہ اللہ کے نزدیک لوگوں کے مال میں ہرگز افزائش نہیں کرتا۔ بر خلاف اس



کے 'جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ادا کرتے ہو' یقیناً وہی لوگ قوم کے مال و دولت میں کئی گنا اضافہ کرتے ہیں“

[الروم ۳۰ آیت ۳۹]

۳۔ اسلوب حکمرانی بمطابق سورہ حج آیت ۴۱ کی تیسری کڑی امر بالمعروف کے ادارہ کا قیام ہے۔ جو اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

انسان سے سرزد ہونے والے اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اول اچھے نیک اور فطری کام یعنی امر بالمعروف اور دوم بُرے اور غیر فطری کام یعنی نہی عن المنکر انہی اعمال کی بنیاد پر کوئی شخص اچھا اور نیک یا بُرا اور بد قرار پاتا ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں نیک افراد کی بہتات ہو تو وہ اچھا معاشرہ کہلاتا ہے اور اگر بُرے آدمیوں کی اکثریت ہو جائے تو معاشرہ بُرا ہو جاتا ہے۔

نیک کاموں کی ترغیب دینے اور بُرے کاموں سے روکنے کے حوالے سے مندرجہ ذیل قرآنی آیت قابل غور اور قابل عمل ہے۔

”[نظام اسلام قائم کرنے والے مسلمانو!] تم احسن اُمت ہو اور تمہیں بنی نوع انسان کے لئے [رحمت بنا کر] میدان عمل میں لایا گیا ہے۔ تم ان کو ”معروف“ یعنی فطری و حسین اور پسندیدہ امور سرانجام دینے یا کام کرنے کی ناصحانہ دعوت بھی دیتے ہو اور حکم بھی۔ نیز ان کو ”منکر“ یعنی غیر فطری و قبیح اور ناپسندیدہ کام کرنے کی ممانعت کرتے ہو، حکیمانہ انداز میں بھی حکماً بھی۔ اور اللہ کے احکام و قوانین اور تعلیمات کو عملاً مانتے بھی ہو۔

[آل عمران ۳ آیت ۱۱۰ جزو]

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر نیک اور بد کاموں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے اثرات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ نیک کاموں یعنی امر بالمعروف کے حوالے سے درج ذیل آیات قابل غور و تفکر ہیں۔

”اللہ تعالیٰ سچے مومنوں اور عدل و احسان کے کام کرنے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کرتا ہے یعنی ان کی تمام سیئات کو محو دینے اور ان کو تحفظ دینے، نیز عظیم الشان صلہ دینے کی بشارت دیتا ہے“

[المائدہ ۵ آیت ۹]

”پس جو لوگ ایمان لائے [جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے] اور انہوں نے [ایمانیات یا متعقدات جلیلہ و محرکہ کے مطابق] عدل و احسان، خیر و حسنہ اور صلاح و فلاح کے کام کئے تو ان کا پروردگار و آقا انہیں اپنی ”رحمت“ یعنی جنت میں داخل کرے گا۔ یہی واضح و عظیم الشان کامیابی ہے“

[الجاثیہ ۲۵ آیت ۳۰]

”بے شک جو [اہل حُسن و عشق] اسلام میں پورے پورے داخل ہو گئے اور انہوں نے خیر و اصلاح، پاسداری حقوق انسانی اور عدل و احسان کے امور سرانجام دیے۔ اُن کو ایسا صلہ ملے گا۔ جو لا متناہی ہوگا۔

[حُم السجدۃ ۲۱ آیت ۸]

اور جو لوگ ایمان لائے، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نظامِ اسلام میں اس کے قوانین و احکام اور تعلیمات کے مطابق زندگی کرنا قبول کر لیا اور اعمالِ صالحہ یا عدل و احسان کے امور سرانجام دیے ہیں، ہم انہیں جلد اور بالضرور (اُن دیکھے الحیوانی) باغات میں داخل کریں گے۔ جن کے نیچے چشمے رواں دواں ہوں گے، جہاں (حسین و سُور انگیز مناظر میں) وہ ہمیشہ زندگی کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنی بات کا پکا اور سچا ہے؟ یعنی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہی ہے۔

[النساء ۲۴ آیت ۱۲۲]

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے ظاہر ہے کہ نیک کام کرنے والوں کے لئے اللہ رب العالمین نے بہت زیادہ اجر مقرر کر رکھا ہے اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ عقلمندی اور دانشمندی سے اپنے مستقبل کو سنوارنے کی خاطر بہتر کام کریں اور برائیوں سے اجتناب کریں۔

حکومت وقت انسانوں کو نیکی کی ترغیب دینے کی خاطر اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینے کیلئے امر بالمعروف کے ادارہ کو قائم کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق تقویت دے کر اپنے فرائض منصبی کی تکمیل کرنا بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔

۴۔ بدی اور برائی کو اپنانا بظاہر انسان کے لئے آسان اور لذت بخش ہے جوں جوں وہ اس کی گہرائی میں اترتا چلا جاتا ہے توں توں وہ اللہ کی قربت اور حدود سے دور ہوتا جاتا ہے۔ شیطان الرجیم جو اس کی تاک میں رہتا ہے موقع کو غنیمت جان کر اسے اپنے زرعے میں لے لیتا ہے۔ جس کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ اور وہ برائی کا ہمنوا ہو جاتا ہے اور حزب شیطان کا رکن بن جاتا ہے۔

ایسے انسانوں کی کیفیت کو مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں اجاگر کر دیا گیا ہے۔

”بلا شبہ جو لوگ اپنی پیٹھوں پر پھر گئے [یعنی حق و صداقت سے منہ موڑ لیا اور کفر کی حالت کی طرف لوٹ گئے] اس کے بعد ان کیلئے ہدایت [راہ راست یا صراط مستقیم] واضح طور پر دکھادی گئی تھی، شیطان نے [اس کے منہ موڑنے کو] ان کے لئے خوش نما کر دکھایا اور انہیں [جھوٹی] امیدیں دلائی ہیں۔ [اور اس نے اس روش کو سہل بنا کر جھوٹی توقعات کا سلسلہ دراز کر رکھا ہے]

[محمد ۲۷ آیت ۲۵]

ایسے لوگوں کے بارے میں شیطان کہتا ہے کہ:

”اور میں [اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے ذریعے] انہیں راہ راست سے ضرور بالضرور بھٹکاتا رہوں گا اور ان کو اپنی

آرزوئوں کا گرویدہ اور پرستار بناتا رہوں گا“

[النساء ۴ آیت ۱۱۹ جزو]

مزید فرمایا گیا کہ

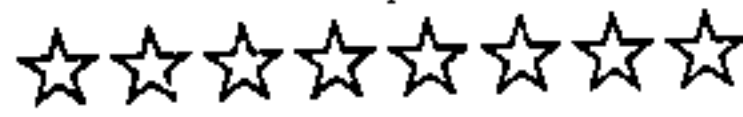
”شیطان ان کو بہکاوے دیتا اور سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ اور شیطان کے بہلاوے سراب و فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے“

[النساء ۴ آیت ۱۲۰]

معاشرہ کی اکثریت جب اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکامات اور تعلیمات و ہدایات کو نظر انداز کر دیتی ہے تو بد امنی۔ دنگ و فساد۔ قتل و غارت سمیت تمام چھوٹی بڑی برائیاں نمود کر آتی ہیں تو نبی عن المنکر کے ادارہ کو بحال اور مقوی کرنے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

حکومت وقت برائیوں کو دور کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اسے ان کے تدارک کیلئے مضبوط انتظامیہ۔ غیر جانبدار اور ایماندار عدلیہ۔ اور موثر اور تیز رفتار احتسابی محکموں کو وجود میں لانا ہوتا ہے۔

معاشرہ کے افراد پر بھی لازم ہے کہ وہ خود اور اپنے گرد و پیش میں برائی کا قلع قلع کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اے رب کائنات ہمارے گناہ معاف کر۔ ہماری کوتاہیوں اور غفلتوں کو نظر انداز کر۔ تمام مسلمانوں کو نظام صلوٰۃ، نظام زکوٰۃ، نظام امر بالمعروف اور نظام نبی عن المنکر قائم کرنے کی توفیق عطا فرماتا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کی جاسکے اور مسلم امہ دنیا کی قیادت سنبھالنے کے قابل ہو سکے۔ آمین۔ تم آمین۔



## 4

## صلوٰۃ

معاشرہ کو پاک۔ شفاف اور مطہر ہونے کے لئے ارکان معاشرہ کا پاک۔ شفاف اور مطہر ہونا لازمی ہے۔ پاک و شفاف لوگ متقی کہلاتے ہیں۔ اور یہی قرآن و حکیم سے بھرپور فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا باطن برائیوں سے پاک۔ دینی آلائشوں اور ملاوٹوں سے مُبرا۔ شیطانی وسوسہ انگیزیوں اور تخریب کاریوں سے محفوظ اور نفس امارہ کے بُرے اثرات سے امان میں ہوتے ہیں۔ ان کو یہ مقام اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکامات اور تعلیمات و ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ جن میں سے عبادات کا درجہ بہت بلند ہے۔ ویسے بھی جن وانس کی تخلیق کا بنیادی مقصد عبادت ربانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ

”اور میں نے جن و انس کو محض اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ میری عبادت [پرستش و بندگی اور طاعت و فرماں برداری] کریں [اور میرے ہی احکام و تعلیمات اور قوانین و ہدایات کے مطابق زندگی کریں]۔

[الذریٰۃ ۵۱ آیت ۵۶]

یہ جاننے کے باوجود کہ انسانی تخلیق کا مقصد حیات عبادت ربانی ہے پھر بھی انسانوں کی اکثریت سستی اور غفلت کا ارتکاب کرتے ہوئے عبادت کو نظر انداز کرتی رہتی ہے جو صریحاً حکم عدولی ہے اور قابل سزا بھی۔ اللہ الرحمن والرحیم انسانوں کو یاد دہانی کراتا ہے اور عبادت کے لئے ترغیب بھی دیتا ہے تاکہ ان کا مستقبل محفوظ اور خوش گوار رہے۔

”اے بنی نوع انسان! اپنے پروردگار و آقا کے کل احکام کی اطاعت، بندگان تسلیم و رضا بن کر کرو [یعنی عبادت کرو] جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو تخلیق کیا ہے۔ تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ [یعنی اس کے قرب و رضوان کی طلب و جستجو کرو اور اس سے دوری و مہجوری کے عذاب سے ڈرو۔]“

[البقرہ ۲ آیت ۲۱]

”اور صرف میری ہی اطاعت و فرمان برداری [عبادت] کرو۔ یہی صراط مستقیم یعنی منزل مقصود کو جانے والی سیدھی اور دائمی راہ ہے“

[یس ۳۶ آیت ۶۱]

اسی حوالے سے مزید ارشاد ہے کہ

”اصل یہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو میرا بھی رب یعنی خالق و پروردگار اور آقا و مالک ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ لہذا اسی کی عبادت کرو! یہی صراط مستقیم ہے [یعنی توحید کا راستہ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کی جنت کا فطری و پائیدار اور سچا راستہ ہے۔]

[الزخرف ۲۳ آیت ۶۴]

اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ کے ذریعے انسانوں کو بار بار عبادت کی تلقین کی ہے تاکہ یہ سیدھی راہ پا کر کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔

عبادت دراصل اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے حضور باریابی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ الصلوٰۃ

۲۔ زکوٰۃ

۳۔ صوم یعنی روزہ

۴۔ حج و عمرہ

۶۔ جہاد

۱۔ صلوٰۃ اہم ترین عبادت ہے۔ یہ معراج النبی کا تحفہ ہے۔ اس کی ادائیگی کیلئے عبادت گزار اپنے عزیز واقارب۔ مال و دولت۔ کاروبار۔ اور دوسری تمام مصروفیات کو ترک کر کے دن میں پانچ وقت اللہ رب العزت کے حضور سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ اپنے رشتہ کو مضبوط اور قربت میں اضافہ کی استعداد کرتا ہے۔ اور صراط مستقیم کی طلب کرتا ہے۔ اس عبادت کی تکمیل کیلئے ہر روز اہتمام کرنا لازمی ہے۔ آدمی بیمار ہو یا سفر میں ہو۔ پھر بھی اس میں کوتاہی قابل قبول نہیں۔ ہر نماز کی ادائیگی کے لئے اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا درج ذیل آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

”.....یقیناً مقررہ اوقات پر صلوٰۃ قائم کرنا مومنوں پر لازم کر دیا گیا

ہے“

[النساء ۴ آیت ۱۰۳ جزو]

اوقات صلوٰۃ کے حوالے سے مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے راہ نمائی حاصل کرنا از بس ضروری ہے۔

”دیکھو! دن کے دونوں کناروں‘ یعنی صبح اور شام کے وقت‘ نیز رات کے ابتدائی حصے میں‘ یعنی عشاء کے وقت صلوٰۃ قائم کرتے رہو! اصل یہ ہے کہ حسنات‘ یعنی اعمالِ صالحہ کے حسین اثرات اعمالِ سوء کے قبیح اثرات [سیئات] کو مٹا دیتے ہیں۔ یہ یاد دہانی ہے۔ [خصوصاً] ان کے لئے جو ذکر و فکر کرنے والے ہیں“

[ہود ۱۱ آیت ۱۱۴]

مزید وضاحت اس طرح کر دی گئی ہے:

”صلوٰۃ باقاعدہ قائم کیا کرو۔ زوال آفتاب [Decline of the sun] سے رات کے اندھیرے تک [ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات میں] نیز صبح کو بالخصوص [صلوٰۃ کے ساتھ] قرآن کی تلاوت کیا کرو [Do recite]؛ اصل یہ ہے۔ کہ صبح کو قرآن آشکارا [Manifest] ہوتا ہے۔ یعنی اس کی معنویت قلب پر اپنا جلوہ پیدا کرتی ہے۔“

[الاسراء ۱۷ آیت ۷۸]

درج ذیل آیت کریمہ صلوٰۃ کے اوقات کو ظاہر کر رہی ہے۔

”لہذا [اے نبی ﷺ]! یہ [مشرك] لوگ جو [رنج زدہ] باتیں کرتے ہیں۔ انہیں برداشت کرو؛ اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف و تشکر کے ساتھ اس کی تقدیس و تنزیہ کرتے رہو۔ نیز رات کے حصوں میں بھی اور دن کے کناروں میں بھی اس کی تقدیس و تنزیہ کرتے رہو تاکہ تم مطمئن و خوش رہو“

[طہ ۲۰ آیت ۱۳۰]

”لہذا اللہ کی تقدیس و تنزیہ کرو‘ شام کو بھی اور صبح کے وقت بھی [یعنی صلوٰۃ ادا کرو]

[الروم ۳۰ آیت ۱۷]

صلوٰۃ اتنی اہم عبادت ہے کہ نظام قلب یعنی دل و دماغ کو پاکیزہ بنانے میں اہم کردار ادا کرنے کے علاوہ اللہ رب العالمین کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کا باعث ہے اس لئے اس کے اہتمام کے لئے خاص الخاص لوازمات پورے کئے جاتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے برعکس عبادت یعنی صلوٰۃ کی آگاہی کے لئے ”اذان“ کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ جو بامعنی اور موثر الفاظ پر مشتمل ہے جو ایمان کی تقویت اور دین اسلام کی تبلیغ کا باعث ہے۔ اذان دین اسلام کا نچوڑ ہے اور غیر مذاہب سے متعلق لوگوں کے لئے باعث ناگواری بھی ہے۔



جیسا کہ

”اور جب تم مسلمانوں کو اقامت صلوٰۃ کے لئے مسجد میں آنے کے لئے پکارتے، یعنی اذان دیتے ہو۔ تو یہ اس کی بھی تضحیک کرتے اور اسے تفنن طبع کا سامان بناتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھ بوجہ نہیں رکھتے“

[المائدہ ۵ آیت ۵۸]

اذان کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہوتا ہے جسے بلند آواز میں چار دفعہ دہرایا جاتا ہے۔ اس سے اللہ کی کبریائی، بڑائی اور حاکمیت کی تکرار ہے۔ اور ساتھ ہی دو روز نزدیک تمام لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے اس کائنات ربانی میں اس سے بڑا اور اعلیٰ کوئی اور ہستی نہیں۔ اور اس کے سامنے تمام کم تر اور محتاج و محروم ہے۔

اذان کے اگلے الفاظ یا جملہ میں جسے دو دفعہ دہرایا جاتا ہے اس بات کا اقرار بھی کیا جاتا ہے اور شہادت بھی دی جاتی ہے کہ اس پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ہستی ہے کہ جو عبادت کے لائق ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

اذان کے اگلے الفاظ اس حقیقت کا اقرار اور شہادت ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ قیامت تک رسول ہیں اور تب تک اُن کا تصرف قائم رہے گا یہ جملہ بھی دو دفعہ دہرایا جاتا ہے یہ اس بات کا بھی اعلان ہے اور خاص و عام کے لئے یاد دہانی ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی اور نبی یا رسول نہیں ہو سکتا ہے آپ ﷺ ہی رسول اعظم و آخر ﷺ ہیں۔

اگلے الفاظ میں، صلوٰۃ کی ادائیگی کیلئے پکارا جاتا ہے ان الفاظ کو اذان میں تاکیداً دو دفعہ دہرایا جاتا ہے۔ اور مسجد میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ باجماعت صلوٰۃ کی ادائیگی ممکن ہو سکے۔ یہ الفاظ اس طرح ہیں۔ *حییٰ علی الصلوٰۃ* [دو دفعہ]

صلوٰۃ کی تقویت کے لئے دو دفعہ اگلے الفاظ کو بلند آواز میں دہرایا جاتا ہے تاکہ فلاح و کامیابی حاصل کی جاسکے یعنی صلوٰۃ کی ادائیگی سے کامیابی و فلاح حاصل کرنا ممکن ہے یہ الفاظ اس طرح ہیں *حییٰ علی الفلاح* [دو دفعہ]

آخر میں دو دفعہ اللہ اکبر اور ایک دفعہ لا الہ الا اللہ ادا کئے جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے اور اس بات کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود اور قابل عبادت ہے اُس کے بغیر کسی اور کی عبادت کرنا۔ یا عبادت

کے لائق ٹھہرانا جائز نہیں۔

صلوٰۃ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو دفعہ الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی نیند سے الصلوٰۃ بہتر ہے دھرائے جاتے ہیں تاکہ صلوٰۃ کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے اور نیند سے لازمی بیدار ہو کر نماز کی ادائیگی ہو سکے۔

جب صلوٰۃ کی ادائیگی کا وقت قریب آتا ہے تو نمازیوں کو صف بندی کے لئے اقامت کی تکبیر کہی جاتی ہے یہ اذان کو دھرا کر کہی جاتی ہے سوائے اس تبدیلی کے کہ حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ دو دفعہ دھرائے جاتے ہیں تاکہ مسجد میں تمام افراد کو اطلاع ہو جائے تاکہ جماعت میں شامل ہو جائیں۔

صلوٰۃ ایک اہم عبادت ہے اس میں ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کئے حاضر ہوتا ہے لہذا اس عمل کا تقاضہ ہے کہ وہ ذہنی۔ قلبی۔ اور جسمانی طور پر پاک و صاف ہو۔ اس مقصد کے لئے حکم ہے۔ کہ صلوٰۃ کی ادائیگی سے قبل وضو یا تیمم کا اہتمام کر لیا کرو۔

”اے ایمان والو! جب تم اقامت صلوٰۃ کے لئے تیار ہو جاؤ تو پہلے اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں [Elbows] تک دھو لیا کرو۔ اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو۔ اور ٹخنوں [Ankles] تک پاؤں [دھو لیا کرو] اور اگر حالت جنابت میں ہو تو غسل کر لیا کرو اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا [Privy] سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم اپنی بیویوں سے ہم کنار ہوئے ہو یا ان سے جنسی لمس کیا ہو۔ اور تمہیں [غسل کے لئے] پانی دستیاب نہ ہو تو پاک و صاف مٹی سے تیمم کر لو۔ اور [اس مٹی سے] اپنے چہروں اور ہاتھوں کو آلائش و آلودگی صاف کر لو۔ اور منہ ہاتھ ویسے پونچھ لو۔“

[یاد رکھو!] تمہیں تکلیف دینا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں ہے بلکہ وہ تمہیں پاک و صاف رکھنا [اور دیکھنا] اور تم پر اپنی نعمت پوری کرنا چاہتا ہے۔ یعنی تمہیں دینوی و اخروی حسنہ سے نوازنا چاہتا ہے۔ تاکہ تم جذبات تشکر و امتنان کے ساتھ اُس کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ

کرتے اور دوسروں کو بھی ان سے مستفید کرتے رہو“

[المائدہ ۵ آیت ۶]

نماز کی ادائیگی پائیزگی اور طہارت کا تقاضہ کرتی ہے وضو بھی اس کا ایک حصہ ہے جس کا مفصل ذکر دی گئی آیت مبارکہ میں کر دیا گیا ہے اسی حوالے سے ایک اور قرآنی آیت کا ذکر کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا۔

”اے اہل ایمان! اگر کسی وجہ سے تم ہوش و حواس کی حالت میں نہ رہو یا نشے کی حالت میں ہو، تو صلوٰۃ قائم کرنے مسجد میں جانے سے اس وقت تک گریز کرو۔ جب تک تم جو پڑھتے یا کہتے ہو۔ اس کا مفہوم سمجھنے کے قابل نہ ہو جاؤ؛ نیز جنابت کی حالت میں بھی صلوٰۃ قائم نہ کرو۔ جب تک تم غسل نہ کر لو۔ [اس سے استئنا اس صورت میں ہے کہ] تم سفر کی حالت میں رہ نور ہو اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو۔ تو تیمم کر کے صلوٰۃ قائم کر لو؛ نیز اگر تم بیمار ہو۔ یا مسافرت میں ہو۔ یا بیت الخلا [Privy] سے ہو کر آئے ہو؛ یا بیویوں سے جنسی اختلاط [Inter course] کر چکے ہو۔ اور تمہیں پانی دستیاب نہ ہو۔ تو پاک و صاف مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر کے تیمم کر لو۔

یقین جانو کہ اللہ بار بار معاف کرنے والا، یعنی گناہوں کے قبیح و سلبی اثرات کو محو کرنے والا۔ بڑا ہی بخشنے اور حفاظت کرنے والا ہے“

[النساء ۴ آیت ۴۳]

طرز زندگی کا یہ دستور بھی ہے اور تقاضہ بھی۔ کہ جب کبھی کسی بھی لحاظ سے اپنے سے بڑے شخص کے پاس جانے یا ملنے کا قصد کرتے یا کسی دعوت یا مجلس وغیرہ میں جائزہ اہتمام کرتے ہیں تو خوب صاف و شفاف ہوتے ہیں۔ خوبصورت اور اعلیٰ ترین لباس زیب تن کرتے ہیں سجتے اور سنورتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ اور دوسرے مناسب لوازمات کرتے ہیں۔ لیکن صلوٰۃ کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوتے وقت جس سے بڑا۔ اعلیٰ اور عالی شان تو کوئی اور نہیں ہے اس

لئے اس عمل یا عبادت سے قبل مناسب تیاری کرنا لازمی بھی ہے اور ضروری بھی۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا بھی لازمی ہے۔

۱۔ مسجد میں جانے یا عبادت کے موقع پر اچھا لباس پہننا۔

”اے بنی نوع۔ انسان! ہر عبادت کے موقع و محل پر اچھا لباس زیب تن کر لیا کرو۔ [تاکہ اللہ تعالیٰ کو حسن محبوب ہے۔۔۔۔۔]“

[الاعراف ۷ آیت ۳۱ جزو]

۲۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ جگہوں اور لوگوں کو عزیز رکھتا ہے۔

”آپ اس مسجد میں [جو ضرار] ہے۔ قیام صلوٰۃ کبھی نہ کریں (بلکہ) وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے تقویٰ [یعنی آزوے ہدایت اور خشیت ضلالت] پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ حقدار ہے۔ کہ آپ ﷺ اس میں قیام [صلوٰۃ] کریں۔ اس میں ایسے مردان [خدا] آتے ہیں جو پاکیزہ اور پاک دل و پاکباز رہنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی پاکیزہ و پاکدامن لوگوں کو عزیز رکھتا ہے“

[التوبہ ۹ آیت ۱۰۸]

۳۔ اپنے کپڑوں۔ نفس۔ روح۔ دل۔ اعمال۔ اخلاق۔ اہل و عیال وغیرہ کو پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

”اور اپنے ثياب کو پاکیزہ کیجئے“

”اور ہر قسم کی نجاست سے گریزاں رہئے“

[المدثر ۷ آیت ۵۴]

۴۔ خانہ کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز کی ادائیگی کا حکم

”اور جہاں کہیں بھی [اے نبی ﷺ!] آپ آئیں جانیں [قیام صلوٰۃ کے وقت] اپنا منہ مسجد حرام [خانہ کعبہ] کی طرف کر لیا کریں۔ اور [مسلمانو!] تم بھی جہاں کہیں موجود ہو اپنا رخ اس کی طرف کر لیا

کرو۔۔۔۔۔“

[البقرہ ۲ آیت ۱۵۰ جزو]

۵۔ باجماعت صلوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

”اور صلوٰۃ [کا نظام] قائم کرو۔ اور زکوٰۃ [منظم طریقے سے] ادا کرو؛ نیز احکام الہی کے سامنے سرتسلیم خم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی احکام الہی کی تعمیل کرو!“

[البقرہ ۲ آیت ۴۳]

۶۔ صلوٰۃ میں متوسط آواز میں قرآن پڑھنے کا حکم

”..... دیکھیے! آپ صلوٰۃ [میں قرآن] نہ تو بلند آواز میں پڑھیں اور نہ بالکل مدہم آواز میں۔ بلکہ دونوں کے بین بین کا راستہ اختیار کریں“

[الاسراء ۷ آیت ۱۱۰ جزو]

۷۔ درمیانی صلوٰۃ کا احترام کرنے کا حکم

”[مسلمانو! کل] صلوٰۃ یا نمازوں اور افضل و اعلیٰ صلوٰۃ [صلوٰۃ وسطی] کی حفاظت کرو۔ یعنی ان کے قیام کو یقینی بنالو اور صلوٰۃ کے تقاضے پورا کرو۔ اور اللہ کے احکامات و قوانین اور تعلیمات پر اس کے بندگان تسلیم و رضا بن کر صبر و استقامت کے ساتھ عمل کرو“

[البقرہ ۲ آیت ۲۳۸]

۸۔ نماز قصر کرنے کی اجازت

”اگر تم دنیا میں [جہاد یا دیکھ بھال یا سراغ رسانی] کیلئے رہروی کر رہے ہو۔ اور تمہیں کافر لوگوں سے ایذا رسانی کا خوف و خطر لاحق ہو تو قیام صلوٰۃ میں قصر کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یاد رکھو کہ کافر، یعنی نظام اسلام کو قبول نہ کرنے والے تمہارے کھلے دشمن ہیں؟“

[النساء ۴ آیت ۱۰۱]

صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ کار رسول اعظم و آخر پیغمبر ﷺ نے اپنی موجودگی میں اپنے صحابہ کرام کو عملی طور پر سکھا دیا تھا اور اس وقت سے آج تک صلوٰۃ ادا کی جا رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل ہمیشہ ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔ روزانہ پانچ صلوٰۃ یعنی نمازوں کے علاوہ نماز تہجد۔ جمعۃ المبارک۔ عید الفطر۔ عید الاضحیٰ۔ صلوٰۃ خوف۔ نماز جنازہ صلوٰۃ استسقاء وغیرہ کی ادائیگی بھی معمول کا عمل ہے۔

باقاعدگی سے صلوٰۃ ادا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بہترین اجر اور انعام و اکرام کا وعدہ کر رکھا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات مقدسہ سے عیاں ہے۔

ا۔ جو لوگ ایمان لائے۔ اور اعمال حسنہ کرتے رہے یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام و تعلیمات اور عقائد جلیلہ و محرکہ کو تسلیم بالیقین کیا اور ان کے مطابق عدل و احسان اور حسنہ و توازن گری کے کام کرتے رہے۔ نیز انہوں نے [قرآن و حسنہ کے مطابق] صلوٰۃ کے قیام اور زکوٰۃ دینے کے نظام قائم کئے۔ تو ان کا اجر یا صلہ ان کے پروردگار و مالک کے پاس ہے۔ [یعنی وہ اپنی وسعت و قدرت اور شان شاہی کے مطابق صلہ دے گا جو بے حساب ہوگا] اور ان [کے دلوں] پر خوف و خطر مسلط ہوگا نہ وہ رہن غم و اندوہ ہی ہوں گے [اس دنیا اور آخرت دونوں میں]۔

[البقرہ ۲ آیت ۲۷۷]

ب۔ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب کے حضور رکوع کرو، سجدہ کرو اور اس کے احکام پر عمل اور خیر و حسنہ کے کام کرو۔ تاکہ تم خوف و حزن کی آگ سے محفوظ رہنے اور دینوی اور اخروی حسنہ پانے میں کامیاب ہو سکو“

[الحج ۲۲ آیت ۷۷]

ج۔ ”محسن وہ ہیں جو صلوٰۃ [کا نظام] قائم کرتے [اور اس کے تقاضے پورے

کرتے [ہیں۔ نیز [قرآن و سنت کے مطابق حکام کو] زکوٰۃ دیتے ہیں۔ [تاکہ وہ اہل احتیاج اور ان کی مدد کریں جو اپنے مساوی حق پیداوار سے محروم ہیں] وہ آخرت [قیامت نشاۃ ثانیہ] روز حساب و جزا اور جنت و جہنم] پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں“

”یہی لوگ ہیں جو اپنے ہادی و مربی مالک و آقا کے فضل سے صراط مستقیم پر ہیں۔ اور آتش خوف و حزن سے نجات نیز نشوونما پانے اور دینی و اخروی حسنہ حاصل کرنے والے ہیں“

[لقمن ۳۱ آیات ۵۲]

صلوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے اللہ رب عظیم نے انتباہ کیا ہے تاکہ وہ سستی و غفلت چھوڑ کر راہ ہدایت اختیار

کریں۔

”لیکن پھر ان کے بعد ان کے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ یعنی صلوٰۃ کے تقاضوں سے صرف نظر کر لیا۔ اور اس کا نظام برباد کر دیا؛ اور اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کرنے لگ گئے؛ عنقریب وہ [اللہ کے قوانین معدلت۔ مکافات عمل] احترام آرزو اور تعجیل و امہال کے مطابق [اپنی سرکشی] کا مآل [دیکھیں گے“

[مریم ۱۹ آیت ۵۹]

”اُسی [اللہ] سے رجوع کرنے والے بنو۔ اور اس کا تقویٰ اختیار کرو“

یعنی اس کی طلب و جستجو کرو۔ اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو“ اور صلوٰۃ [کا نظام] قائم کرو“ اور ان مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ“

[الروم ۳۰ آیت ۳۱]

”پروردگار! مجھے نظام صلوٰۃ قائم کرنے والا بنا۔ اور میری اولاد میں سے بھی لوگوں کو ایسا بنانا۔ بار الہی! میری آرزو [دُعا] قبول فرمانا“

[ابراہیم ۱۴ آیت ۴۰]

”پس میں ان سے کہتا رہا کہ اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔ اور اپنے گناہ بھی معاف کروالو، بیشک وہ [اللہ] بڑا ہی بخشش و درگزر کرنے اور سیات کو محو کرنے والا اور ان سے حفاظت فرمانے والا ہے“

[نوح ۱۷ آیت ۱۰]

”[حقیقت یہ ہے کہ] تو ہی ہمارا سرپرست ہے لہذا ہماری سیات کو محو کر دے اور ہماری حفاظت فرما؛ نیز ہم سے درگزر اور رجوع برحمت فرما، تو بہترین بخشنے اور حفاظت فرمانے والا ہے“

[الاعراف ۷ آیت ۱۵۵ جزو]

یا الہی! ہمیں معاف فرما۔ اور ہمیں خلوص دل اور خشوع و خضوع سے صلوة کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما اور ہمیں

صحیح مخلص اور پختہ مسلمان بننے میں مدد فرما۔ آمین!





## 5

## صوم

اللہ تعالیٰ ہی وہ اکیلی ذات یا ہستی ہے کہ جو عبادت کی حق دار ہے۔ یعنی اس ہستی کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا کسی بھی صورت۔ کسی بھی طریقہ یا کسی بھی انداز میں جائز نہیں خواہ وہ نظری ہو فکری ہو تصوراتی ہو عملی ہو۔ قوی ہو یا فعلی ہو۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اور صرف اپنی ہی ذاتی عبادت کے لئے تخلیق کیا اور پیدا کیا ہے لہذا انسان صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنے کا پابند ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور احسان بھی۔ کہ اس نے انسانوں کی آسانی کیلئے اور راہ راست کی حدود اور محیط میں رہنے کے لئے عبادت سے آگاہ کر رکھا ہے اور طریقہ کار بھی متعین کر دیا ہے صوم یعنی روزہ بھی اہم ترین عبادتوں میں شمار ہوتا ہے کہ جسے ماضی۔ حال اور مستقبل کے انسانوں کے لئے فرض کر دیا گیا ہے۔

صیام جس کا صیغہ واحد صوم یعنی روزہ ہے اور جس کے معنی ہیں کہ مخصوص اوقات میں ہر اس چیز کے استعمال سے پرہیز کرنا یا اجتناب کرنا جس کی خواہش یا طلب نفس انسانی کرے خواہ وہ حلال یا جائز ہی کیوں نہ ہو۔ صوم یا روزہ ایمان لانے والوں پر فرض کیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس سے قبل جو لوگ تھے اُن پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ البتہ

اُن کی تعداد۔ وقت اور کیفیت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ درج ذیل آیت قرآنی میں کہا گیا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں (یعنی اُمتوں) پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ یعنی آرزوئے ہدایت اور خشیتِ گمراہی کا احیاء ہو جائے۔ (اگر تقویٰ، نشوونما نہ پائے تو یقین کرو کہ روزے اکارت گئے)

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۳]

اس آیت کریمہ میں صوم اور تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے جو وضاحت طلب ہیں۔

صوم یعنی روزہ کا دوران صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہوتا یعنی اس دوران روزہ دار کوئی چیز خواہ حلال ہی کیوں نہ ہو نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے اور نہ ہی باہمی جنسی روابط قائم کر سکتا ہے روزے کو تقویت دینے اور مزید مطہر کرنے کے لئے اپنے حواس کو نظم و ضبط میں رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ان سے کوئی غیر شرعی، غیر اسلامی اور غیر اخلاقی عمل سرزد نہ ہو روزہ سے متوقع نتائج حاصل کرنے کی خاطر تمام عبادات یعنی صلوٰۃ وغیرہ کی پابندی اور تلاوت قرآن حکیم بہتر ہے کہ بمہترہ کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنا بھی بہت مفید ہے۔

تقویٰ حاصل کرنا یا متقی بننا بھی صوم روزہ کا مقصد اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے

تقویٰ کے حوالے سے مندرجہ آیات قرآنی کا مطالعہ کرنا مفید ثابت ہو سکتا ہے

۱ اے نبی نوع انسان! اپنے پروردگار و آقا کے کل احکام کی اطاعت بندگان تسلیم و رضا بن کر کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو تخلیق کیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو

[البقرہ ۲ آیت ۲۱]

۲ یہ [قران] اللہ کی کتاب ہے اس میں شک نہیں کہ یہ متقیوں [ایل آرزو و خشوع] کے لئے ہدایت ہے

[البقرہ ۲ آیت ۲]

قرآن پاک میں اس مفہوم کی متعدد آیات موجود ہیں جو متقین کے اوصاف و خواص کو ظاہر کرتی ہیں  
قرآن مجید کی رو سے متقی وہ ہے کہ جو:

- ۱۔ اللہ رب العالمین کی آرزو اور جستجو رکھے
- ۲۔ اللہ سے قربت پیدا کرنے اور اس کی حمایت اور نظر کرم حاصل کرنے کے لئے اس کے احکام و قوانین اور تعلیمات و ہدایات کے مطابق عمل کرنا
- ۳۔ ایمان بالغیب یعنی غیر مشہود واقعات و حقائق اور ایسی چیزوں پر جو انسان کے حواس خمسہ سے ماوراء ہیں جن کا ذکر قرآن و سنت رسولؐ میں موجود ہے ان کو حقیقت ماننا اور ان پر ایمان لانا
- ۴۔ قرآن و سنت رسولؐ کے مطابق تمام تقاضوں سمیت صلوٰۃ اور نظام صلوٰۃ قائم کرنا
- ۵۔ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو رزق دیا ہے اسے اللہ کی محبت میں ضرورت مندوں کی ضرورت پورا کرنے کے لئے استعمال میں لانا مثلاً

(۱) رشتے داروں

(۲) یتیموں

(۳) مسکینوں

(۴) مسافروں

(۵) مانگنے والوں

(۶) گردنیں چھرانے کے لئے

(۷) زکوٰۃ ادا کرنا یا نظام زکوٰۃ قائم کرنا

(۸) عشر صدقات وغیرہ ادا کرنا

(۹) عہد پورا کرنا

المختصر متقی اللہ تعالیٰ کی چاہت خوشنودی اور رضا کے لئے اعمال صالح کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں صیام یعنی

روزوں کے بارے قرآن پاک میں چند مزید وضاحتیں کی گئی ہیں جن میں روزہ داروں کے لئے مخصوص حالات میں کچھ چھوٹ دی گئی ہے تاکہ لوگوں کے لئے آسانی پیدا ہو اور وہ زیادہ دلچسپی اور رغبت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کریں ویسے بھی اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے اور کسی صورت اپنے بندوں کا مشکل اور تکلیف میں ہونا پسند نہیں کرتا خاص طور پر مسافروں اور مریضوں کو دی گئی رعایت مندرجہ آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔

صیام یا روزے تو گنتی کے چند روز ہیں اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اسے رخصت ہے کہ [وہ دوسروں دنوں میں چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد پوری کرے بشرطیکہ وہ لوگ ایسا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں] لیکن اگر یہ استطاعت نہ رکھتے ہوں تو پھر [کفاراً] [فدیہ] ادا کریں اور محتاج [مسکین] کو کھانا کھلائیں لیکن جو مزید خیرات یا احسان کرنے کے آرزو مند ہوں تو ان کے لئے خیر و حسنہ ہے اگر تمہیں [اس حقیقت کا] علم ہو روزہ رکھنا بہر حال تمہارے لئے موجب خیر و حسنہ ہے

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۴]

مریض کے حوالے سے ہے کہ اگر روزہ رکھنے سے مریض کی ہلاکت کا خدشہ یا مرض کی شدت میں اضافہ ہو تو

تب یہ استثنا جائز ہے۔

”ماہ رمضان [جو روزوں کا مہینہ ہے] اس میں قرآن نازل [ہونا شروع] ہوا تھا۔ جو تمام بنی نوع انسان کو صراط مستقیم یا اللہ کی حسین و فطری راہ راست دکھانے والا ہے؛ اور اس میں [زندگی کے ہر موڑ پر] حسین و فطری راہ راست دکھانے والے واضح نشانات ہیں؛ نیز یہ حق و باطل، توحید و شرک، خیر و شر، کامیابی و ناکامی اور حسنہ و سیئہ کا فطری اور سچا معیار [کسوٹی] یا الفرقان ہے اور تم میں جو بھی رمضان کا مہینہ پائے تو وہ [تمام روزے رکھے؛ لیکن اگر کوئی مریض یا

سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں [چھٹے ہوئے روزے رکھ کر کل روزوں کی] تعداد پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے دشواری کو پسند نہیں کرتا۔ ہر حال چھٹے ہوئے روزوں کی تعداد [روزے رکھ کر ضرور] پوری کرو۔

اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ہے، یعنی تمہیں مادی و معنوی ترقی، کامیابی و کامرانی اور دنیوی و اخروی حسنہ [جنت اور اس کی نعمتیں] کی حسین و فطری راہ راست دکھائی ہے۔ اور اس پر سفر زندگی کرنے کی ہدایات دی ہیں نیز اللہ جل شانہ، کی کبریائی و عظمت، جلالت و سطوت، قہارت و جبروت، سبحانیت و صمدیت، عطا و مویبیت، فضل و احسان، انعام و اکرام، نعمت و مغفرت اور عزت و قدرت کی یا اس کے بمثال حسن و عشق کی زبان و قلم اور دیگر ذرائع ابلاغ سے خوب تشہیر جمیل کرو اور ہمیشہ کرتے رہو۔ تاکہ اس کے نتیجے میں تم میں ان جمالیاتی صفات المیہ کا یقین مزید مستحکم و پائیدار ہو جائے، نیز تم میں اس کی بے شمار حسین باطنی اور خارجی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے لگ جاؤ“

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۵]

اس آیت کریمہ میں ماہ رمضان کی فوقیت اور اہمیت اس لئے بیان کی گئی ہے کہ اس میں قرآن کریم کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانیت کے لئے ایک ایسا عظیم المرتبت تحفہ ہے کہ جو انسانی راہنمائی کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کو اجاگر کرتا ہے۔ دینی زندگی گزارنے کے تمام اصولوں کو بیان کرتا ہے۔ یہ اچھائی اور برائی کو واضح کرتا ہے۔ نیکی اور بدی میں امتیاز کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ہدایت ہے کہ منزل مقصود کو پانے میں مددگار و معاون ہے۔ قرآن کی نعمت پانے کے شکرانے میں ماہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں تاکہ حالات کے مطابق ان کی مشکلات دور ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت دی ہے اس لئے انسان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور

کبریائی بیان کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا بھی واجب بنتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے اور اس کا شکر یہ ادا کرنے کا ذکر آتا ہے تو ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قربت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے اور اس سے اپنا مدعا کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔ تو اس ذہن میں پیدا ہونے والے اس خیال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے۔

”اور [میرے نبی ﷺ] جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے متعلق دریافت کریں [کہ وہ تقرب کیسے حاصل کر سکتے ہیں یا مجھ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں تو انہیں بتا دیجئے کہ] میں اُن کے پاس ہی ہوں [ان کی رگ جان سے بھی قریب تر] اس لئے جب میرا کوئی بندہ مجھے [استمداد و استقامت کیلئے] پکارتا ہے تو میں اس کی دعا سنتا اور [سچی اور بالحاظ بندہ ممکن الوقوع دعا کو اپنے قانون تدبیری کی مطابق] قبول کرتا ہوں لہذا ان پر لازم ہوا کہ میری دعوت کو [جو ان کی حیات طیبہ مادی و معنوی ترقی اور دینوی اور اخروی حسنہ کیلئے ہے] تسلیم بالیقین کریں اور مجھ پر ایمان لائیں، یعنی میرے حسن کلام آخر کے قوانین و احکام اور تعلیمات کو تسلیم بالیقین کریں اور میرے دین اسلام یا نظام حیات کلی میں پورے پورے داخل ہو جائیں تاکہ اس کے نتیجے میں وہ میری حسین و فطری راہ راست پر چل کر اپنی منزل مقصود آخر جنت قرۃ العین کو پالیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۶]

اللہ تعالیٰ روزوں کے متعلق قرآن مجید میں کچھ مزید وضاحتیں اگلی آیت کریمہ میں اس طرح فرماتا ہے ”[اب] روزوں کی رات میں تمہارے لئے اپنی بیویوں سے جنسی اختلاط کرنا جائز کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پوشاک ہیں [Raimant] اور تم ان کا لباس [Garment] ہو [یعنی تم دونوں ایک دوسرے کی زینت و رونق اور

باعث آرام و راحت، پردہ دار عیوب، محافظ عزت و ناموس اور مال و جان ہوا

اللہ جانتا ہے کہ تم [اپنی بیویوں سے جنسی اختلاط کر کے] خیانت نفس کرتے تھے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ تم سے رجوع ہوا اور اس نے تم سے درگزر کیا۔ [یعنی تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معافی دے دی]۔ اب تمہیں رخصت ہے کہ تم ان سے جنسی اختلاط یا التفات کرو اور اللہ نے جو شے تمہارے لئے مقدر کی ہے۔ اس کی طلب و جستجو کرو؛ نیز کھاؤ۔ پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری [رات کی] سیاہ دھاری سے الگ تم کو دکھائی دینے لگے۔ پھر روزے کو رات پڑنے تک پورا کرو۔

لیکن جب تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو۔ یعنی آیات قرآنی کے الفاظ و اصطلاحات کے معانی و مفہیم، اسرار و رموز، اور اعجازات کو دل جمعی و یک سوئی کے ساتھ سمجھنے اور قومی و ملی درپیش مسائل حل کرنے کی خاطر مساجد میں معتکف غور و فکر ہو جاؤ تو اپنی بیویوں سے جنسی اختلاط یا مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ لہذا ان کے پاس نہ جانا۔ اللہ اس طرح اپنے احکام بنی نوع انسان کے لئے واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں، یعنی جنت کی سچی اور سیدھی راہ پر چل کر اُسے پانے کی آرزو و سعی کریں اور اس راہ منزل کو گم کر دینے سے خوف بدامان رہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۷]

اس آیت مقدسہ نے روزوں کے حوالے سے مزید وضاحت کی ہے۔ جس کی درجہ بدرجہ تفصیل اس طرح ہے۔ جنس ایک ایسی قوت ہے کہ جو انسانوں کی بے راہ روی کا ایک اہم اور مضبوط و طاقتور ذریعہ ہے اور اس کو حدود ربانی کا پابند کرنا اور اس میں جائز سہولت اور آسانی پیدا کر کے اسے قابو میں رکھنا اور شیطانی گرفت اور نرغے سے بچانا عمل صالح ہے اللہ رب العزت انسانی فطرت کا نبض شناس ہے اس لئے اس نے روزوں کے دوران نماز عشاء کے بعد اور سحری

سے قبل اس آیت مبارکہ کے ذریعے جنسی اختلاط کی اجازت دے دی۔ ایک اور جگہ مسلمانوں کو چند شرائط کی پابندی کے ساتھ چار شادیوں کی اجازت دے رکھی ہے تاکہ جنسی بے راہ روی اور بے ضابطگیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

اس آیت قرآنی میں میاں بیوی کے باہمی تعلقات کو لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر بظاہر غور کیا جائے تو لباس مندرجہ ذیل فوائد کا حامل ہے۔

- ۱۔ لباس باعث راحت ہے موسمی شدت سے محفوظ رکھتا ہے۔ گرمی اور سردی سے بچاتا ہے۔
  - ۲۔ لباس زینت ہے۔ کیونکہ یہ حسن و جمال کو نکھارتا ہے انسانی خوبصورتی کو اجاگر کرتا ہے۔ شخصیت کو ابھارتا ہے۔ اور انسانی دلکشی اور جاذبیت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔
  - ۳۔ لباس پردہ ہے۔ یہ جسمانی عیوب کو چھپاتا ہے۔ اخلاقی خامیوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ میاں بیوی کے باہمی رازوں کی حد بندی کرتا ہے۔
  - ۴۔ آیت مبارکہ کے مطابق عورتوں کے لئے مرد لباس کا درجہ رکھتا ہے اور مردوں کے لئے عورت لباس کا درجہ رکھتی ہے یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کیلئے راحت۔ زینت اور پردہ یا حجاب کے مترادف ہیں۔ یعنی دونوں حقوق اور فرائض کے لحاظ سے یکساں ہیں۔
  - ۵۔ میاں بیوی اسی طرح ایک دوسرے کے راز داں ہیں کہ جس طرح لباس کسی فرد کا ہر لحاظ سے راز داں ہوتا ہے اور رہتا ہے۔ درحقیقت دوران ازواجی زندگی بہت سی باتیں۔ معاملات اور تعلقات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ جو میاں بیوی کو۔ بیوی میاں کو بتا سکتی ہے یا اظہار کر سکتی ہے۔ مخلوق و خالق یعنی۔ بالکل اسی طرح روزہ دار اور اللہ تعالیٰ بھی ایک دوسرے کے راز داں ہیں کیونکہ سحری اور افطاری کے درمیان روزہ دار کو ہزاروں ایسے مواقع مل سکتے ہیں وہ چوری چوری خفیہ طور پر۔ چھپ کر اپنا روزہ باطل کر سکتا ہے اس کے روزے کی اصل کیفیت یا تو روزہ دار جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ جو سمیع و بصیر ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ روزہ اللہ تعالیٰ کیلئے اور وہی اس کا اجر دینے کیلئے بااختیار ہے لہذا روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کا راز داں صرف اللہ ہے۔
- اسی آیت مبارکہ میں معتکف کے بارے بھی ذکر کیا گیا ہے۔



- ۱۔ معتکف ایسا روزہ دار ہے کہ جو رمضان کریم کے آخری عشرہ میں اپنے گھر والوں۔ ماں باپ۔ بیوی بچوں۔ رشتہ داروں قرابت داروں اور ہر قسم کے ساتھیوں سے جدا ہو کر نو یا دس دن کے لئے قریبی یا من پسند مسجد میں قیام کرتا ہے۔
- ۲۔ معتکف کے لئے دورانِ اعتکاف دن ہو یا رات جنسی اختلاط پر پابندی ہوتی ہے۔
- ۳۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد روزہ مرہ کے دنیاوی معمولات اور کاروباری زندگی سے قطع تعلق کر کے عبادات پر توجہ مرکوز کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور یکسوئی سے اپنی کوتاہیوں۔ غفلتوں اور گناہوں سے معافی طلب کرنا اور قربت کے ذرائع تلاش کر کے اپنے درجات بلند کرنے کی کوشش کرنا ہے۔
- ۴۔ اعتکاف کی تنہائی میں دنیاوی مصروفیات سے علیحدہ ہو کر قرآن حکیم کے مندرجات پر غور و فکر کرنا۔ دین اسلام کی ترویج اور اس کی ترقی اور پھیلاؤ کیلئے کام کرنے کی منصوبہ بندی کرنا۔ اسلامی معاشرہ اور اچھائیوں کی ترغیب کا طریقہ کار وضع کرنا بھی شامل ہونا چاہیے۔
- ۵۔ اعتکاف کے دوران اپنے گھریلو، ملکی، ازدواجی۔ کاروباری اور دیگر متعلقہ مسائل کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی روشنی میں حل کرنے پر بھی سوچ و بچار ہو سکتا ہے۔
- ۶۔ تمام عبادات سمیت اعتکاف تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کا ایک نہایت اہم اور موثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ روزہ دراصل اپنے نفس اماڑہ پر قابو پا کر اُسے اللہ تعالیٰ کے قوانین۔ احکامات۔ اور تعلیمات کے مطابق زندگی کرنے کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن یہ مقصد صرف سحری سے افطاری تک بھوکا۔ پیاسا رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انسانی حواسِ خمسہ کے ذریعہ انسان اپنی ذات کے باہر رابطہ کرتا ہے جو کہ یہ ہیں آنکھ دیکھنے کے لئے۔ کان سننے کے لئے۔ زبان چکھنے اور بولنے کے لئے۔ ناک سونگھنے کے لئے اور ہاتھ چھونے کے لئے۔ اگر آنکھ بے حیائی اور فحاشی کے نظاروں میں دل چسپی رکھے۔ خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے ہوں۔ تو اس سے انسانی خیالات۔ سوچ و فکر متاثر اور منتشر ہوں گے۔ اور وہ یقیناً برائی کی طرف راغب ہوگا جو روزہ کے فلسفہ سے متصادم ہے جس سے روزہ کی پاکیزگی باطل ہوگی ویسے بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مردوزن اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں یعنی وہ کسی غلط چیز یا غیر محرم

کو ارادۂ نہ دیکھیں یا نظارہ کریں تاکہ وہ شیطانی حملوں سے محفوظ و مامون رہیں۔ اور روزہ پاک و صاف رہے۔  
 کان جو بیرون جسم آوازوں کو سننے کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ اگر غلط۔ غیر مہذب۔ فحش۔ اور دوسروں کی برائی یا  
 غیبت کسی کے خلاف ناجائزہ باتیں سنے یا ان کو سننے کا دلدادہ یا خواہش تجسس میں رغبت رکھے تو اس سے بھی روزہ کی  
 پاکیزگی متاثر ہوگی اور باعث انتشار ہوگی۔

روزہ کی طہارت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بات چیت میں انتہائی محتاط رہے۔ اس کی زبان  
 سے کوئی ایسا لفظ یا جملہ دانستہ یا نادانستہ ادا نہ ہوتا کہ جو سننے والے کو ناگوار گزرے یا اس کی دل آزادی ہو اور اسے دلی اور  
 ذہنی دکھ پہنچے۔ ہمیشہ غیبت سے اجتناب ہو۔ کسی کو بھی بڑے القاب یا غیر مہذب لفظ میں نہ پکارا جائے یا ان کو غلط ناموں  
 سے پکارا جائے۔ خوشگوار اور مہذب گفتگو سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو سکون اور خوشی ملتی ہے لہذا یہی وطیرہ اختیار کرنا بہتر  
 ہے۔ تاکہ روزہ میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہونے پائے۔

اسی طرح سونگھنے اور چھونے کا عمل بھی پاکیزہ اور اسلامی حدود کے اندر رہنا چاہیے تاکہ تقویٰ حاصل کرنا آسان  
 ہو جائے۔

ان سب اعمال سمیت نماز کی پابندی۔ کلام پاک کی زیادہ سے زیادہ تلاوت بمعہ ترجمہ نہایت ضروری بھی ہے  
 اور لازمی بھی ہے روزہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے اور اس سے متعلقہ فائدے حاصل کرنے کے لئے رزق حلال کا ہونا  
 انتہائی اہم ہے ورنہ تمام عمل بے کار ہونے کا خطرہ ہے۔



## 6

## زکوٰۃ

دنیاوی زندگی اسباب کی مرہون منت ہے زندہ رہنے کے لئے خوراک درکار ہے۔ رہائش کے لئے مکان کی ضرورت ہے۔ تن ڈھانپنے کے لئے پوشاک لازمی ہے۔ صحت مندر رہنے کے لئے دوا۔ تعلیم کے حصول کے لئے اخراجات اور دوسرے روزمرہ۔ معمولات اور معاملات کو پورا کرنے کے لئے مال و زر کی دستیابی ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں۔ ملازمت کرتے ہیں۔ مختلف قسم کے کاروبار کرتے ہیں اور اس طرح اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔

حصول دولت کے لئے محنت لازمی ہے کوئی شخص جتنی محنت زیادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اتنا ہی زیادہ نوازتا ہے۔ اگر نیک نیتی شامل ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت مناسب اسباب مہیا کر دیتا ہے اور اس طرح مال و دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے۔

مال و دولت کی فراوانی انسان کو حریص اور بخیل یا فضول خرچ بنا دیتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں دولت حاصل کرنے کے لئے وہ ہر جائز اور ناجائز حربہ اختیار کرتا ہے۔ اور لالچ اُسے بخیلی اور کنجوسی پر قائل کر لیتا ہے۔ پھر اس کا دل اتنا سخت اور

بے حس و بے پروا ہو جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی کترانے لگتا ہے اس کا یہ رویہ اسے مندرجہ آیات قرآنی سے منطبق کرتا رہتا ہے۔

”اللہ نے جن لوگوں کو اپنے فضل سے جو [مال و منال، زر و دولت، منقولا و غیر منقولا جائیداد وغیرہ وغیرہ] عطا کیا ہے اس میں بخل کرتے ہیں۔ [یعنی اسلامی حکومت کو نہ تو زکوٰۃ دیتے ہیں نہ العفو، نیز نہ اہل احتیاج کو ان کا مساوی پیداواری حق یا حق معلوم دیتے ہیں اور نہ ان سے احسان کرتے یا ان کو مالی امداد ہی دیتے ہیں؛ نیز ان کو ضرورت کی چیزیں دیتے ہیں۔ نہ قرضِ حسنہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ جمع کردہ مال و دولت وغیرہ وغیرہ ان کے لئے باعث خیر و حسنہ ہے، بلکہ ان کے لئے موجب ضرور فتنہ ہے۔ اور قیامت کے روز ان کے گلوں میں ایسے مال و دولت کے طوق پہنائے جائیں گے۔ اور] انسان سوچے تو اس کا کچھ نہیں [آسمانوں اور زمین اور ان میں سب کچھ اللہ ہی کی میراث ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے کراتے ہو اللہ اس سے کامل آگاہی رکھنے والا ہے] تاکہ تمہیں اس کا بدلہ دے“

[آل عمران ۳ آیت ۱۸۰]

”اس حوالے سے ایک اور آیت مقدسہ اس طرح ہے

”جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو [مال و دولت] دیا ہے اسے [حکام اور لوگوں سے] چھپاتے پھرتے ہیں۔ وہ کفرانِ نعمت کرنے والے نافرمان ہیں اور ان کے لئے اللہ [کے قانون مکافاتِ عمل] نے [خود ان کا کسب کردہ] رسوا و ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے“

[النساء ۴ آیت ۳۷]

حریص کے حوالے سے اس طرح فرمایا گیا۔

”اور اس کو میں نے مال فراواں دیا“

”اور بیٹے دینے جو حاضر رہتے“

”اور تمام سامان [جاہ و ریاست] اسے پوری طرح مہیا کر دیا“

”پھر بھی اسے طمع ہے کہ اسے اور زیادہ دوں“

[المدثر ۷۴ آیات ۱۲ سے ۱۵]

بخل کے حوالے سے ایک اور آیت قرآنی کا مطالعہ کریں۔

”شیطان [ابلیسی ہو یا بشری] تمہیں [طرح طرح کے خطرات سے] خوف

دلاتا رہتا ہے کہ [اگر تم اللہ کی راہ زکوٰۃ، عشر، العفو، الماعون، قرضہ

حسنہ وغیرہ وغیرہ دو گے تو] تم مفلس و محتاج ہو جاؤ گے اور [اس بناء

پر] تمہیں بخل [دولت جمع کر کے رکھنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ

کرنے کی] اور فواہش [جنس فروشی، جمال فروشی اور ضمیر و قوم

فروشی] کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔۔۔۔۔“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۸ جزو]

”دیکھو: نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا رکھو [یعنی حد سے زیادہ

کنجوس بن جاؤ] اور نہ اسے بالکل کھول دو [یعنی اسراف و تبذیر کر کے

سب کچھ لٹا دو] نتیجہ، ملامت زدہ و درماندہ ہو کر رہ جاؤ۔

[الاسراء ۱۷ آیت ۲۹]

حرص اور بخل انسانی کردار کے انتہائی بدنماداغ ہیں۔

انسان کے یہ رویے انسانی معاشرہ میں انفرادی اور اجتماعی بگاڑ کا باعث ہیں۔ یہ انسانی اوصاف معاشرتی اور

معاشرتی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں جس سے اسلامی معاشرہ تنزلی کی جانب راغب ہو جاتا اور اقوام عالم میں قدر و منزلت گنوا

دیتا ہے لوگوں کی فلاح و بہبود میں رکاوٹ بنتا ہے معاشرہ کے غریب۔ ضرورت مند اور پسے ہوئے افراد کا کوئی پرسان حال

نہیں رہتا جس سے کئی قسم کی برائیاں پھیلتی ہیں۔ معاشی ناہمواری پیدا ہوتی ہے اور فحاشی پھیلتی ہے۔ بے راہ روی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اخلاق و کردار گراؤٹ کا شکار ہو جاتا ہے جس سے دنگ و فساد و جوہ میں آتا ہے۔ امن و امان تباہ و برباد ہوتا ہے۔ نظم و نسق خراب ہوتا ہے۔ اور حکومتی اقتدار میں رخنہ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان جیسے دیگر امور و اعمال کو قطعاً پسند نہیں فرماتا اس لئے وہ حرص و بخل کے تدارک کے لئے اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اصلاح کے لئے مندرجہ آیات قرآنی میں اس طرح ہدایات فرماتا ہے۔

”.....جو مال و دولت وغیرہ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے [اپنی جائز ضروریات سے زائد] اللہ تعالیٰ کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کی فلاح و بہبود اہل احتیاج کی کفالت اور ان کی مالی ضروریات پورا کرنے پر [خرچ کرتے ہیں] بخل نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر۔ وہ زکوٰۃ العفو الماعون‘ قرضِ حسنہ اور صدقات دیتے ہیں۔“

[البقرہ ۲ آیت ۳ جزو]

اس کی مزید تشریح درج ذیل آیت کریمہ میں کی گئی ہے

”[میرے نبی ﷺ۔ رسول ﷺ] لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں کیا۔ کیسا اور کتنا مال خرچ کریں؟ ان کو بتا دیجئے کہ تم جو چاہو حلال کی کمائی میں سے [ترجیحی بنیادوں پر] پہلے اپنے والدین پر، پھر عزیزہ و اقارب [یعنی رشتے داروں۔ اور ہمسایوں] پھر یتیموں [یتیم بچوں اور بے یار و مددگار لوگوں] پھر اہل احتیاج [جن کا کاروبار وغیرہ رک گیا ہو اور ان کو مالی امداد کی ضرورت ہو] پھر ضرورت مند اجنبیوں یا مسافروں پر خرچ کرو۔ یقین جانو کہ احسان و حسنہ کا جو کام بھی تم کرو گے اللہ کے علم و نظر میں رہے گا“

[البقرہ ۲ آیت ۲۱۵]

اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی راہ میں مختلف انداز اور طریقوں سے خرچ کرنے کی ہدایات

اور احکام دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقات اور خیرات اہم ہیں۔

زکوٰۃ ایک اہم عبادت اور فریضہ ہے۔ یہ عبادت مالی نوعیت کی ہے۔ اور اسلامی معاشی نظام کی بنیاد ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی۔ اپنے اہل و عیال اور اپنے زیر کفالت دوسرے افراد کی دنیاوی ضرورتوں کو مروجہ معیار کے مطابق با آسانی پورا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اور اپنی آمدن سے بغیر کسی دقت کے بچت کرتا رہتا ہے۔ اور صاحب نصاب ہونے پر اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ مال و منال۔ منقولہ وغیرہ جائیداد۔ تجارتی سامان۔ صنعتی اشیاء۔ فیکٹریوں کا خانوں وغیرہ کی مشینوں اور قیمتی آلات بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اسلامی قوانین کے تحت اسلامی حکومت صاحب نصاب افراد سے زکوٰۃ مقرر کردہ اپنے عملہ کے ذریعے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتی ہے اور بعد ازاں حکومت مستحق افراد کو بیت المال سے ان کی ضرورت کے مطابق مدد کرتی رہتی ہے۔ ایسے مسلمان جو کسی غیر اسلامی ملک میں عارضی یا مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں وہ اپنی صواب دید کے مطابق مستحق افراد کو زکوٰۃ سے مدد کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح اہل احتیاج کی ضروریات احسن پر وقار اور آبرو مندانہ طریقہ سے پوری ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مستحق افراد کی نشان دہی مندرجہ آیت کریمہ میں کی ہے۔

”یاد رکھو! صدقات یا اموالِ زکوٰۃ صرف ان کے لئے ہیں۔“

۱۔ وہ لوگ جو اپنے مساوی حق پیداواری یا حق معلوم سے محروم ہوں

یعنی فقراء۔ محتاج

۲۔ مسکین: تاجر، صنعت کار، اہل حرفہ، دوکاندار وغیرہ وغیرہ جن کا

کاروبار صنعت و حرفت وغیرہ وغیرہ سرمائے کی کمی کی وجہ سے رک گیا ہو۔

۳۔ عاملین: زکوٰۃ وصول کرنے والے سرکاری کارندے

۴۔ مولفۃ قلوب: ایسے لوگ جن کی تالیف قلوب کرنا مقصود ہو، یعنی وہ

لوگ جن کے دلوں میں مسلمانوں اور دین اسلام کی محبت کی

نشوونما کرنا مقتضائے وقت ہو

۵۔ فی الرقاب: جو لوگ دوسروں کی محکومی کی زنجیروں

میں جکڑے ہوں۔

۶۔ غارمین۔: مقروض جو قرض ادا کرنے کے قابل نہ رہے ہوں، یا وہ لوگ جو قصاص یا دیت وغیرہ و غیرہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

۷۔ فی سبیل اللہ: اللہ کی راہ میں جان و مال سے سعی و جہد کرنے والے، جیسے مجاہد، تبلیغ قرآن، اصلاح معاشرہ اور فلاح و بہبود کے کام کرنے والے، طالب علم، قرآن کے ترجمہ و تفسیر یا ایجاد و اختراع، کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کرنے والے

۸۔ ابن السبیل: مسافر یا سیاحت کرنے یا باہر سے کاروبار وغیرہ وغیرہ کیلئے آنے والے جو ناگریز وجود کی بناء پر مالی تعاون کے محتاج ہو گئے ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لازمی حکم ہے اور اللہ تعالیٰ علم کلی رکھنے والا۔ دانائے کل اور کمال دانشمندی سے اپنے امور سرانجام دینے والا ہے۔

[التوبہ ۹ آیت ۶۰]

اللہ کی راہ میں دینے والے سامان و اشیاء کی کیفیت و کمیت کے بارے راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے درج

ذیل آیت جلیلہ سے استفادہ کرنا ضروری و لازمی ہے۔

”اے ایمان والو! جو مال و منال تم [جائز ذرائع سے محنت کر کے] کماتے ہو۔ اس میں سے اور ان [معدنی و نباتاتی] چیزوں میں سے جو ہم زمین سے تمہارے لئے نکالتے ہیں۔ پاکیزہ و مفید چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو یعنی اس کے بندوں سے احسان یا مالی معاونت کے طور پر دیا کرو۔ مگر ان میں سے ایسی ناکارہ یا گندی چیزیں کبھی دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر تمہیں دی جائیں تو تم ان کو ہرگز قبول نہ کرو مگر یہ کہ ان سے صرف نظر کر لو۔



یقین مانو کہ اللہ ہر طرح سے بے احتیاج و بے نیاز۔ ثنائے جمیل و ستائش کا حق دار و ستودہٴ صفات ہے۔“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۷]

کوئی مانے یا نہ مانے۔ یقین کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ رب کائنات کی قوت سماعت و بصارت اتنی قوی۔ مکمل اور وسیع و عریض ہے کہ اس کی حدود سے باہر نکلنا ممکن نہیں ہے۔ تمام عبادات کی احسن انداز، خلوص نیت، بروقت ادائیگی اور تکمیل اللہ رب العزت کی نظر میں انتہائی پسندیدہ فعل ہے جو تقویٰ میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا باعث ہے اور مقصد حیات کو مکمل کرنے کا ذریعہ ہے چونکہ وہ ہر شخص کے عمل۔ نیت اور خلوص کو جانتا ہے اور اس کی کمیت کے مطابق نوازتا رہتا ہے لہذا ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہدایات ربانی کے مطابق اپنی زندگی میں کانٹ چھانٹ کرتا رہے۔ چونکہ صدقات یعنی زکوٰۃ وغیرہ ایک اہم فریضہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے حوالے سے قرآن پاک کے ذریعہ انسانوں کو اس طرح آگاہ کیا ہے۔

زکوٰۃ ایک فرض ہے۔

”اور صلوة [کا نظام] قائم کرو۔ اور زکوٰۃ [منظم طریقے سے] ادا کرو۔ نیز احکام الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی احکام الہی کی تعمیل کرو!“

[البقرہ ۲ آیت ۴۳]

”دیکھو! [اے مسلمانو!] اقامت صلوة اور ایتائے زکوٰۃ کے نظام قائم کرو۔ نیز [اللہ تعالیٰ کے] رسول کی اطاعت یا پیروی کرو تا کہ تمہیں رحم و کرم سے نوازا جائے“

[النور ۲۴ آیت ۵۶]

”اصل یہ ہے کہ انہیں قطعی حکم دیا گیا تھا۔ کہ اللہ کے نظام حیات کلی [دین] کے مخلص یا وفادار بن کر اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام کے مطابق زندگی کریں۔ سب فرقوں اور اعتقادات کو چھوڑ کر صرف اللہ

کا بن جائیں۔ پھر صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے نظام قائم کریں۔ یاد رکھو!  
یہی محکم و پائیدار دین یا اللہ کا نظام حیات کلی ہے“

[النبیۃ ۹۸ آیت ۵]

زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لئے خوشخبری

”جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ حسنہ کرتے رہے، یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام و تعلیمات اور عقائدِ جلیلہ و محرکہ کو تسلیم بالیقین کیا، اور ان کے مطابق عدل و احسان اور حسنہ و توازن گری کے کام کرتے رہے۔ نیز انہوں نے [قرآن و سنت کے مطابق] صلوٰۃ کے قیام اور زکوٰۃ دینے کے نظام قائم کئے تو ان کا اجر یا صلہ ان کے پروردگار و مالک کے پاس ہے [یعنی وہ اپنی وسعت و قدرت اور شانِ شاہی کے مطابق صلہ دے گا جو بے حساب ہوگا] اور ان [کے دلوں] پر خوف و خطر مسلط ہوگا نہ وہ رہیں غم و اندوہ ہی ہوں گے [اس دنیا اور آخرت دونوں میں]

[البقرہ ۲ آیت ۲۷۷]

”حقیقی مومن وہ ہیں جو نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نیز آخرت کو بھی تسلیم بالیقین کرتے ہیں“

[التمل ۲۷ آیت ۳]

تزکیہ نفس بذریعہ ادائیگی زکوٰۃ

”ان کے مال و منال میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ [قانوناً] وصول کرو۔ [کہ یہ حکم الہی ہے] اور اس مال و منال کے ذریعے ان [کے دل و دماغ اور اخلاق و کردار] کی تطہیر کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو قوت سے فعل میں لائے اور ان کو نشوونما دینے کا اہتمام کرو؛ نیز ان کو دعائیں دو، اس لئے کہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب تسکین ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ

تو یہ ہی سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے والا“

[التوبہ ۹ آیت ۱۰۳]

”جو اپنے تزکیہ کیلئے اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے ہیں“

”وہ کسی کے مرہون منت نہیں، جس کا بدلہ انہیں دینا ہو“

”انہیں صرف اپنے رب بلند و برتر کی رضا منظور ہوتی ہے“

”لہذا وہ جلد خوش و خرم ہو جائیں گے“

[ایل ۹۲ آیات ۱۸ سے ۲۰]

ادا کی زکوٰۃ باعث افزائش رزق

”دیکھو! جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو، وہ

اللہ کے نزدیک لوگوں کے مال میں ہرگز افزائش نہیں کرتا۔ بر خلاف اس

کے جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ادا کرتے ہو۔

یقیناً وہی لوگ قوم کے مال و دولت میں کئی گنا اضافہ کرتے ہیں“

[الروم ۳۰ آیت ۳۹]

”کون ہے جو اپنے مال و منال میں سے [اللہ کو حسین قرضہ لے یعنی

اس کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے ساتھ فراخ دلانہ احسان یا مالی

تعاون کرے] تو وہ [اپنے اقتصادی قانون تدبیری کے ذریعے] اس مالی

تعاون کی رقم میں کئی گنا، بلکہ بہت زیادہ اضافہ کر کے اسے واپس

کرے۔

اور اللہ [اپنے قانون مکافات کی رو ہی سے تمہاری معیشت میں] کسادگی

اور تنگی پیدا کرتا ہے۔ [اور یہ نہ بھولو کہ] تم نے [چار و ناچار] اسی [کے

قوانین] کی طرف رجوع کرنا ہے [دنیا اور آخرت دونوں میں]

[البقرہ ۲ آیت ۲۲۵]

## متفرق

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو یعنی اسلامی معاشرے میں داخل ہو چکے ہو! ہم نے تمہیں جو [مال و دولت وغیرہ] دیا ہے۔ [اسلامی معاشرے کے استحکام و تحفظ اور اس کے افراد کی کفالت، احتیاج برآوری، مشکل کشائی، مادی و مصنوعی ترقی اور ان کی حیات اجتماعیہ میں توازن قائم رکھنے کیلئے] اس میں سے خرچ کرو۔ اس سے پہلے کہ وہ یوم [جزا و سزا] آجائے جس میں [دنیا کی زندگی کی طرح جنت کا] سودا نہ ہوگا۔ اور نہ [غیر اللہ کی] حب یا محبت کام آئے گی نہ شفاعت یا سفارش ہی“

[البقرہ ۲ آیت ۲۵۴ جزو]

”[میرے نبی ﷺ!] میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں، یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نظام حیات کلی کو تسلیم بالیقین کیا ہے نصیحت کرتے رہیں کہ صلوٰۃ قائم کرتے رہیں اور ہم نے جو مال و دولت وغیرہ وغیرہ ان کو عطا کیا ہے اس میں سے [اللہ کی راہ میں] پوشیدہ اور کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دن یعنی روز [حساب و جزا] آجائے۔ جس میں لین دین ہوگا نہ دوستی ہی کام آئے گی“

[ابراہیم ۱۲ آیت ۳۱]

”اُن لوگوں کو نہ تو تجارت اور نہ خرید و فروخت ہی اللہ کے ذکر یعنی قرآن مجید کی تلاوت سے اور نہ نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرنے سے غافل کرتی ہے لیکن وہ اس روز [قیامت] سے خوف بداماں رہتے ہیں جس میں کلیجہ منہ کو آنے لگے گا اور دیدے پتھرا جائیں گے“

[النور ۲۴ آیت ۳۷]

زکوٰۃ قوانین و ہدایات کے مطابق بروقت ادا نہ کرنا صریحاً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ گستاخی اور جرم ہے جو قابل سزا

ہے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے بارے قرآن پاک میں اس طرح فرمایا ہے۔

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو مال و منال تمہیں دیا ہے اس میں سے [اللہ کے بندوں پر] خرچ کرو تو منکرین حق [کفر کی راہ اختیار کرنے والے] اہل ایمان [اہل تسلیم و رضا] کو جواب دیتے ہیں: کیا ہم ان [اہل احتیاج اور محروم لوگوں] کی کفالت کریں جن کی کفالت اگر اللہ چاہتا تو خود کرتا؟ [یہ عقیدہ و کردار رکھنے والو!] یقیناً تم تو صاف اور قطعی طور پر غلط روش پر ہو“

[یس ۳۶ آیت ۴۷]

”اے لوگو جو ایمان لائے [دیدہ عبرت نگاہ سے دیکھو!] مٹائخ و علماء اور رائبو [پیروں، فقیروں اور درویشوں] میں بہت سے ایسے ہیں جو لوگوں کا مال و دولت ناجائز حرام طریقوں سے ہضم کر لیتے ہیں [یعنی لوگوں کا استحصال کرتے ہیں] اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

نیز جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں۔ لیکن اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو [اس ظلم و جرم کی پاداش میں] کربناک عذاب کی خوشخبری سناؤ“

”وہ قیامت کی گھڑی ہوگی‘ جب ان کا ذخیرہ کیا ہوا سونا چاندی وغیرہ وغیرہ آتش جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں‘ پہلو‘ اور پشتیں داغی جائیں گی [پھر ان کو بتایا جائے گا] یہ ہے وہ خزانہ جسے تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا اب اس کے عذاب کا مزہ چکھو جو تم اکتناز کرتے ہو جمع اور چھپا کر رکھتے تھے“

[التوبہ ۹ آیات ۳۴، ۳۵]

”جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں“

[تیم السجدۃ ۴۱ آیت ۷]

قرآن حکیم و مجید میں دیئے گئے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں زکوٰۃ کی اہمیت۔ اس کا مصرف ادائیگی کا طریقہ کار۔ زکوٰۃ لینے کے مستحق افراد کی نشاندہی۔ زکوٰۃ دینے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام و اکرام اور فوائد۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی تنبیہ اور عذاب کی نوید وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ اہل اسلام خصوصاً اور اہل کفر عموماً ان کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر اپنا مستقل محفوظ کرنے کی تگ و دو کریں۔ یاد دہائی کے لئے اس کا خلاصہ پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ پاک کرنا۔ نشوونما پانا اور بڑھانا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔

۲۔ اسلامی عبادت کا ایک اہم رکن ہونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے جس کی ادائیگی ہر سال کرنا لازمی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ مال و دولت یعنی سونا۔ چاندی۔ جواہرات۔ نقد رقم منقولہ وغیرہ جائیداد۔ معدنیات۔ مویشی۔ صنعتی پیداوار۔ زمین تجارتی مال وغیرہ وغیرہ پر فرض ہے۔

۴۔ زکوٰۃ مال حلال سے ہی ادا کرنا جائز ہے۔

۵۔ بطور زکوٰۃ اگر کوئی چیز دینا مقصود ہو تو اسے نیا۔ اچھا خوبصورت اور اعلیٰ درجہ اور معیار کا ہونا لازمی ہے۔

۶۔ زکوٰۃ صرف فرض کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے ادا کرنا چاہیے۔



## 7

## عشر، صدقات وغیرہ

اپنے ارد گرد نظر ڈالیں۔ گرد و پیش کا جائزہ لیں اور پھر غور و فکر کا سہارا لیں۔ تو یہ حقیقت واضح ہو کر ظاہر ہوگی کہ بڑے زمیندار۔ جاگیردار۔ وڈیرے وغیرہ اپنی زرعی زمینوں پر کاشت کاری کے لئے ایسے آدمیوں۔ مزدوروں۔ ہاریوں یا مزارعوں کو اجرت یا بٹائی پر رکھتے ہیں کہ جن کی اپنی ملکیتی زمین نہیں ہوتی۔ اسی طرح کارخانہ دار صنعتی پیداوار کے لئے مزدوروں اور دوسرے کارکنوں اور کارندوں سے اجرت پر کام لیتے ہیں۔ ایسے مالدار اور امیر لوگ جن کی ملکیت میں ایک سے زیادہ مکان یا دوکان وغیرہ ہو تو وہ فالتو جائیداد کو کرایہ پر دے دیتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اتنی دیر تک قائم رہتا ہے کہ جتنی دیر ان کی زندگی قائم رہتی ہے ان کی موت کے بعد وہ جائیداد کسی اور کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ یہ عمل صدیوں سے جاری و ساری ہے اور امید ہے قیامت تک جاری رہے گا۔ اس سے باسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کرہ ارض پر زمینوں۔ مکانوں۔ دکانوں کارخانوں وغیرہ کی ملکیت حقیقی بھی نہیں اور ابدی بھی نہیں بلکہ یہ عارضی اور وقتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی اور ابدی مالک پھر کون ہے؟

”اور جو کچھ بھی سماوی کروں اور ارضی کرے میں بے اللہ کی ملکیت

ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔ یعنی کل مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علم و نظر اور قبضہ قدرت میں ہے“

[النساء ۴ آیت ۱۲۶]

”اور [ایک بار پھر تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ] آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے [اور کوئی نہیں ہے]؛ اور اللہ تعالیٰ [اپنے اس دعوے کا] حامی و محافظ کافی ہے“

[النساء ۴ آیت ۱۳۲]

”یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو نعمتیں بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے لئے ہیں یعنی اس کے کل جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے تمتع کیلئے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سچا اور اٹل ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس کا علم الیقین نہیں رکھتے“

[یونس ۱۰ آیت ۵۵]

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے کل بندوں کے استفادے کیلئے ہے، کیونکہ جہاں تک خود اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے، وہ تو مستغنی و بے نیاز ہے۔ ستودہ، صفات و لائق حمد و ستائش بھی ہے اور اس کی حمد و ثنا ہوتی رہتی ہے“

[الحج ۲۲ آیت ۶۴]

مندرجہ بالا اور ان جیسی بہت سی قرآنی آیات مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ

۱۔ اس کائنات میں ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ جاندار ہو یا غیر جاندار زمینی ہو یا سماوی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور یہ ملکیت حقیقی اور ابدی ہے۔

۲۔ انسانوں کی دسترس میں جتنی چیزیں ہیں وہ عارضی ہیں یہ ملکیت دائمی نہیں بلکہ خالق کائنات کی طرف سے مستعار ہیں۔ امانتاً ہیں۔



۳۔ چونکہ ان چیزوں کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اس لئے ان کا استعمال اصولاً اور قانوناً اللہ تعالیٰ کے قوانین و ہدایات کے مطابق کرنا ہی بہتر اور جائز ہے۔ اور ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔

۴۔ انسانوں کو احساس دلانے کے لئے باور کرانے کے لئے یقین دلانے کیلئے اور یاد دہانی کیلئے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں انسانوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ دیئے ہوئے مال و منال کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں اور اس کی خوشنودی کیلئے اور اپنی دنیاوی و اخروی فلاح کی خاطر ان لوگوں کو زکوٰۃ۔ عشر۔ العفو۔ الماعون۔ خیرات یا صدقات کی صورت ادا کرتے رہا کریں کہ جو ان نعمتوں سے محروم ہیں۔ یہ حکم اس طریقہ کار سے مطابقت رکھتا ہے کہ جس کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے یعنی دنیا میں جائیداد کے مالکان جائیداد سے محروم لوگوں کی خدمات حاصل کر کے اپنی جائیداد اور مال و منال سے خاطر خواہ فوائد حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۵۔ چونکہ صاحب مال و منال و جائیداد اللہ تعالیٰ کے قوانین و ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو مصرف میں لاتے ہیں۔ اس لئے اسلامی معاشرہ میں مالی ناہمواری۔ غربت، عمرت مفلسی۔ محرومی۔ جاہلیت اور دوسری خرابیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ ان خرابیوں کے تدارک کا آسان اور موثر انداز یہی ہے کہ جن کی ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ مکمل عمل کرنے کیلئے ان کی تفصیلات کا جاننا فائدہ مند ہے۔

## عشر

۱۔ ایک قرآنی آیت کریمہ کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

”اے ایمان والو! جو مال و منال تم [جائز ذرائع سے محنت کر کے] کماتے ہو۔ اس میں سے اور ان [معدنی و نباتاتی] چیزوں میں سے جو ہم زمین سے تمہارے لئے نکالتے ہیں۔ پاکیزہ و مفید چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو یعنی اس کے بندوں سے احسان یا مالی معاونت کے طور پر دیا کرو۔۔۔۔۔“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۷ جزو]

اس آیت جلیلہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ہر انسان محنت و مشقت کر کے جائز اور حلال طریقہ سے جو مال و دولت حاصل کرتا ہے اس میں سے بھی ان افراد معاشرہ کا حصہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو مال و دولت سے کسی بھی وجہ سے محروم ہیں یعنی زکوٰۃ اور اللہ تعالیٰ نے جو بناتاتی اور معدنی دولت زمین سے وہ حاصل کرتے ہیں ان میں سے بھی مستحقین کا حصہ مقرر کر رکھا ہے جسے عشر یعنی دسواں حصہ کہا جاتا ہے اس کی لازمی ادائیگی بھی باعث رحمت اللہ اور کثادگی رزق ہے۔

عشر کی ادائیگی کو تقویت دینے کے لئے مندرجہ ذیل آیت کریمہ بھی قرآن پاک کا حصہ ہے۔

”..... چنانچہ جب وہ پھل لائیں تو ان کے پھل نوش جان کرو۔ اور فصل کاٹو تو اس کا حق [معلوم] ادا کرو۔“

[الانعام ۶ آیت ۱۴۱ جزو]

افزائش رزق کے حوالے سے مندرجہ آیت کریمہ عشر کی فضیلت بیان کر رہی ہیں۔

”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال و منال خرچ کرتے رہتے ہیں یعنی جو لوگ اسلامی حکومت کو زکوٰۃ، عشر اور العفو اور اہل احتیاج کو مالی امداد قرض حسنہ اور الماعون دیتے ہیں۔ ان کے اس مال و دولت کی مثال اس بیج کے دانے ایسی ہے جس کو بویا جائے تو اس سے سات خوشے اگیں اور ہر ایک خوشے میں سو سو [یعنی بکثرت] دانے ہوں۔ [مطلب یہ ہے کہ ایک دانہ خرچ کرنے کا صلہ اللہ کے فضل سے سو یا اس سے کئی گنا زیادہ دانے ملتے ہیں] اللہ اپنی حکمت یا قانون تدبیری کے مطابق [جس کی پیداوار یا دولت میں چاہتا ہے کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے اور اللہ اپنی موہبت و عطا میں بے حد وسعت رکھنے والا۔ علم کلی رکھنے والا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۱]

”اور [بخلاف اس کے] جو لوگ اپنا مال و منال اللہ کی خوشنودی کے لئے [اس کے جمالیاتی، تخلیقی شاپکاروں کی مالی معاونت کرنے] اور اپنی ذات کو مضبوط و مستحکم رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ان کی

مثال اس باغ ایسی ہے جو اونچی ہموار جگہ پر لگایا گیا ہو۔ اس پر  
موسلا دھار بارش ہو تو وہ دو چند پھل دے اور اگر ایسی بارش نہ بھی  
ہو تو اس کیلئے پھوار یا شبلم ہی کافی ہو۔  
اور [یاد رکھو!] جو بھی تم کرتے رہتے ہو۔ اللہ سب کچھ دیکھنے والا ہے۔  
[یعنی اس سے غافل نہیں]

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۵]

چونکہ ہر چیز کا مالک حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے اسے اختیار کلی واکمل حاصل ہے کہ وہ اپنے  
دیئے ہوئے مال و منال اور جائیداد میں سے جتنا حصہ چاہے اپنے بندوں کیلئے جو ان نعمتوں سے محروم ہیں مقرر کرے۔ لیکن  
اس نے نہایت مہربانی۔ ہمدردی اور کرم نوازی سے بہت قلیل حصہ یعنی زکوٰۃ میں صرف چالیسواں اور عشر میں دسواں مقرر  
کر رکھا ہے تاکہ مالدار اور صاحب جائیداد لوگ اللہ کی خوشنودی اور اپنی فلاح کے لئے آسانی۔ رغبت اور خوشی خوشی ادا  
کرتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرنے میں سستی، غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں اور نظری اور عملی طور پر انکار کے مرتکب ہوتے ہیں  
وہ اللہ کی ناراضگی اور عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

۲۔ العفو

صاحب استطاعت یعنی مالداروں کا ایسا مال و منال منقولہ و غیر منقولہ جائیداد جو ان کی روزمرہ ضروریات سے  
زیادہ اور بے مصرف پڑا رہے اسے اللہ کی خوشنودی کے لئے اسلامی حکومت کے سپرد کرنا تاکہ وہ کفالت اجتماعیہ کے کاموں  
پر خرچ کرے۔ العفو کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی عکاسی کرتی ہیں۔  
”تم خیر و حسنہ حاصل کر ہی نہیں سکتے جب تک تم وہ مال و دولت  
وغیرہ وغیرہ جو تمہیں بہت پیارا ہے اللہ کی راہ میں یعنی اسے کے  
بندوں کی کفالت فلاح و بہبود اور ان کی مالی امداد و حاجت روائی نیز  
نظام اسلام کے استحکام و دفاع کے لئے خرچ نہ کر ڈالو۔۔۔۔“

[آل عمران ۳ آیت ۹۲ جزو]

مزید فرمایا گیا

”.....آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کتنا مال و منال خرچ کریں؟ ان سے فرما دیجئے کہ جو العفو یعنی جائز ضرورت سے زائد اور فالتو ہو.....“

[البقرہ ۲ آیت ۲۱۹ جزو]

ان آیات قرآنی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مالدار افراد معاشرہ اللہ کی دی ہوئی دولت اور جائداد کو جمع کرنے سے ہمیشہ احتراز کریں اور بخل و حرص سے دور رہیں بلکہ اپنے مال و دولت کو ہر وقت گردش میں رکھیں اور گردش کا حلقہ اتنا وسیع کر دیں کہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد اس سے مستفید ہوتا رہے اور معاشرہ میں ناہمواری، غربت، بے کسی اور مفلسی کا تدارک ہو سکے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اکتناز و احتکار یعنی مال و دولت کو اس طرح جمع کرنے سے منع فرمایا ہے کہ جو فالتو۔ بانجھ۔ بے مصرف اور مجبوب پڑا رہے اور ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کے کام نہ آئے اور نہ ہی مرنے پر اس کے اپنے کام آئے۔ اس سلسلے میں ارشادِ باری ہے کہ

”لیکن جو بخل کرتا یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا اور اپنے آپ

کو بے نیاز سمجھتا ہے“

”اور حسنات کو جھٹلاتا ہے“

”تو ہم اسے تنگی زیست کی راہ پر چلائیں گے“

”چنانچہ جب وہ ہلاک ہو جائے گا تو اس کا مال و منال اس کے کسی کام

نہ آئے گا“

[ایل ۹۲ آیات ۸ سے ۱۱]

مزید فرمایا گیا۔

”جو مال و دولت کو جمع کر کے رکھتا اور اسے گنتا رہتا ہے۔“

”وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے امر یا لافانی بنا دے گا“

”[ایک تو] ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ [اسے مرنا ضرور ہے اور دوسرے

اللہ کے قانون مجازات کے مطابق] وہ بالضرور حطمہ میں پھینکا جائے

گا

[الہمزہ ۱۰۴ آیات ۲ سے ۴]

ان آیات قرآنی کی روشنی میں ہر فرد کو اپنے رویوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

### ۳۔ خیرات و صدقات

صاحبان استطاعت و دولت و جائیداد کے لئے اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی سنوارنے۔ خوشگوار بنانے۔ آسودگی حاصل کرنے۔ اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا راز خیرات و صدقات میں پہنا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا۔ اور مذکورہ فوائد حاصل کرنا ان کی نیت اور ہمت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خیرات و صدقات کی اہمیت اور انسانی فلاح و بہبود کے حوالے سے قرآن مجید میں متعدد آیات کے ذریعے سے آگاہ کیا ہے اور متعلقہ ہدایات و احکام کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلہ میں صرف چند آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ ”ان اہل آرزو و خشیت کے کچھ اوصاف یہ ہیں [خوشحالی ہو یا تنگدستی] اپنے مقدر کے مطابق [اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں]۔ یعنی جو اپنا مال و منال اس کے اہل احتیاج کی کفالت، فوز و فلاح، مشکل کشائی و حاجت روائی کیلئے، نیز وطن کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے پر صرف کرتے ہیں [اور غصے کو پی جانے والے، نیز لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں] یہ محسن ہیں [اور اللہ لوگوں سے احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے“

[آل عمران ۳ آیت ۱۳۴]

۲۔ ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ [کے فرمان] کو تسلیم بالیقین کرو۔ اور ان اموال و اشیاء میں سے [اللہ کی راہ میں کفالت و رفاہ عامہ کے لئے خرچ کرو، جن پر اس نے تمہیں خلیفہ یا نائب بنایا ہے] مالک نہیں [لہذا تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں یعنی اللہ کے احکام و تعلیمات اور قوانین و ہدایات پر عمل کریں گے۔ اور [اللہ کے بندوں کی فلاح و صلاح کے لئے]

انفاق بالعفو کریں گے۔ ان کے لئے بہت بڑا اور زیادہ اجر ہے“

[الحمدیہ ۵۷ آیت ۷]

۳۔..... اور [اے محسنو!] تم جو اور جتنا مال و دولت اللہ کی راہ میں یعنی اس کے بندوں کی فلاح و بہبود، کفالت و مشکل کشائی اور حسنہ کے لئے خرچ کرتے ہو اس کا اجر حسنہ بھی تو تمہی کو ملتا ہے اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کیا کرو۔ چنانچہ جو مال و منال بھی [اللہ کی رضا کے حصول کے لئے] خرچ کرو گے، اس کا اجر حسنہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم ہرگز خسارے میں نہیں رہو گے [بلکہ بہت زیادہ فائدے میں رہو گے]“

[البقرہ ۲ آیت ۲۷۲ جزو]

۴۔ ”[سنو!] اگر تم اللہ کو حسین قرض دو [قرض حسنہ یا قرض حسن] یعنی اگر اس کی راہ میں احسن طریقہ سے خرچ کرو گے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینے کے برابر ہوگا۔ تو وہ اسے تمہارے لئے کئی گنا زیادہ کر کے تمہیں دے گا۔ اور تمہاری حفاظت اور مغفرت فرمائے گا اللہ بڑا قدر دان۔ بردبار ہے“

[التغابن ۶۳ آیت ۷]

۵۔ ”کون ہے جو اللہ کو قرض دے، جسے اللہ اس کے لئے کئی گنا زیادہ کر کے لوٹا دے اور اس کی اس احسان کاری کا اس کے لئے [مزید] حسین و سرور انگیز اجر بھی ہے“

[الحمدیہ ۵۷ آیت ۱۱]

۶۔ ”وہ لوگ جو اپنا مال و منال [اللہ کے حکم کے مطابق] شب و روز، مخفی طور یا کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں۔ تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے [ظاہر ہے کہ اجر بھی اتنا ہی عظیم و افزوں ہونا چاہیے، جتنی اس کی ذات عالی و متعال اور موثبت و عطا فراوان ہے] نیز [اس کے صلے میں]

ان [کے دلوں] پر نہ تو [اس دنیا میں] خوف و خطر مسلط ہوتا ہے [نہ آخرت میں ہوگا] اور نہ وہ رہیں غم و اندوہ ہی ہوتے ہیں [اور نہ آخرت ہی میں ہوں گے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۷۴]

۷۔ ”اے لوگو! جو ایمان لائے اور اسلامی معاشرے میں پوری طرح داخل ہو چکے ہو! اپنے احسانات یا مالی اعانت و ایثار [کے ثمرات] کو احسان جتانے اور دکھ پہنچانے سے اس شخص کی طرح اکارت نہ کرو، جو محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے اپنا مال و دولت خرچ کرتا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۴ جزو]

۸۔ ”لیکن اگر تمہیں ان اہل احتیاج سے اس لئے اجتناب کرنا پڑے کہ تمہارے پاس سر دست دینے کو کچھ نہیں اور تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم اور عطا کے طلب گار و امیدوار ہو تو ان سے لطف و کرم کے کلام سے حسن معذرت کر لو“

[الاسراء ۱۷ آیت ۲۸]

۹۔ ”جو اپنے تزکیہ کے لئے اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے ہیں“

”وہ کسی کے مرہون منت نہیں، جس کا بدلہ انہیں دینا ہو“

”انہیں صرف اپنے رب بلند و برتر کی رضا منظور ہوتی ہے“

”لہذا وہ جلد خوش و خرم ہو جائیں گے“

[ایل ۹۲ آیات ۱۸ سے ۲۱]

۱۰۔ ”بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جو اللہ کو قرض دے۔ حسین قرض اور جسے اللہ اس کے لئے کئی گنا زیادہ کر کے لوٹا دے گا۔ اور اس کی اس احسان گاری کا اس کیلئے [مزید] حسین و سرور انگیز اجر بھی ہے“

[الحمدید ۵ آیت ۱۸]

۱۱۔ ”اور جو اللہ کی محبت [اور اس کے قرب و رضوان کی آرزو] میں محتاج  
’ بے سہارا اور بے یار و مددگار [یتیم] اور قیدی کو کھانا کھلاتے یعنی  
ایسے لوگوں کی کفالت کرتے ہیں“

”[اور ان سے کہتے ہیں] ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کی  
خاطر کھلا رہے ہیں اور [کفالت کا] بندوبست کر رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ  
بدلہ چاہتے ہیں اور نہ معاوضہ اور نہ شکریہ“

[الدھر ۶۷ آیات ۸، ۹]

۱۲۔ ”اور جو لوگ اپنا مال و دولت لوگوں کو دکھانے یعنی نام و نمود کی  
خاطر خرچ کرتے ہیں۔ وہ [در اصل] اللہ کے قوانین و احکام اور تعلیمات  
کو تسلیم بالیقین و عمل نہیں کرتے اور نہ روز قیامت نشاۃ ثانیہ اور روز  
حساب و جزا کو۔ [ان کا ہم نفس و ہم نشین شیطان ہوتا ہے] جس نے  
شیطان کو اپنا ہم نفس و ہم نشین بنایا [وہ اس کی طرح ملعون و  
مغضوب ہوا] کیونکہ [وہ بڑا ہی گھناؤنا اور خطرناک ہم نفس و ہم  
نشین ہے“

[النساء ۴ آیت ۳۸]

۱۳۔ ”احسان و مالی تعاون اور قرض حسنہ یا احسان کاری کے مستحق وہ  
محتاج ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں محصور ہوں۔ یعنی علوم قرآن کی  
تعلیم و ترویج یا لوگوں کی فلاح و بہبود اور کفالت یا جہاد کے امور سر  
انجام دینے کے پابند کئے گئے ہوں ملک میں [کسب معاش کے لئے] دوڑ  
دھوپ بھی نہ کر سکتے ہوں۔ لیکن ان کی خود داری کی کیفیت یہ ہو کہ  
ان کے سوال نہ کرنے کے باعث قیافہ شناس ان کو یہ احتیاج و خوشحال  
سمجھیں۔ لیکن تم ان کے چہروں [کے آثار سے ان کی حالت زبوں]  
پہچان لو۔ وہ لوگ اپنا [مساوی حق پیداوار یا حق معلوم] بالاسرار  
نہیں مانگتے۔

اور تم مال و منال میں سے [ان پر] جو بھی خرچ کرو گے اللہ اس کا علم



کلی رکھنے والا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۷۳]

۱۴۔ ”جو لوگ اپنا مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی اس کے بندوں کو مالی امداد دیتے ہیں۔ پھر جو خرچ کرتے ہیں اس کیلئے نہ تو مالی امداد لینے والے پر احسان دھرتے ہیں اور نہ [طعن و تشنیع کے نشتروں سے اسے] دکھ ہی دیتے ہیں تو ان [کے ایثار و قربانی] کا معاوضہ ان کیلئے اللہ کے پاس ہے [اس دنیا اور آخرت دونوں میں] نیز ان کو [دنیا اور آخرت دونوں میں] نہ تو خوف و خطر لاحق ہوتا ہے اور نہ وہ غمزدہ و ملول ہی رہتے ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۲]

۱۵۔ ”[سائل کو کچھ دینا نہ ہو تو] ایک میٹھا بول بولنا اور معافی مانگنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس سے احسان کر کے یا اسے مالی امداد دے کر بعد میں اسے دکھ دیا جائے۔ یا درکھو! اللہ ہر قسم کی احتیاج و ضرورت وغیرہ سے بے نیاز۔ از بس درد مند و بردبار ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۳]

۱۶۔ ”اے لوگو! جو ایمان لائے اور اسلامی معاشرے میں پوری طرح داخل ہو چکے ہو۔ اپنے احسانات یا مالی اعانت و ایثار [کے ثمرات] کو احسان جتانے اور دکھ پہنچانے سے اس شخص کی طرح اکارت نہ کرو جو محض لوگوں کے دکھاوے کیلئے اپنا مال و دولت خرچ کرتا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۲۶۴ جزو]

اللہ تعالیٰ ہمیں زکوٰۃ۔ عشر اور خیرات و صدقات مستحقین اور محرومین کو دینے کی توفیق دے اور ہمیں نفس کے بخل اور حرص سے بچا اور ہمیں نافرمانوں اور شیطانوں میں شامل ہونے سے بچا۔ اور ہمیں اصلی اور حقیقی مسلمان بننے کی توفیق عنایت فرما۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## 8

## حج و عمرہ

دین اسلام میں نماز یا صلوٰۃ ایک بنیادی عبادت ہے۔ یہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اجتماعی طور پر صلوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مسجد ایک مرکز کی حیثیت قرار پا چکی ہے مواخات اور اجتماعیت کے فروغ اور اسے مزید وسعت دینے کی خاطر ہفتہ وار صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کا اہتمام بہت اہمیت رکھتا ہے اور کئی فوائد کا حامل ہے۔ صلوٰۃ عیدین سالانہ تقریبات ہیں اور اپنی انفرادیت میں یکتا ہیں۔

باجاماعت صلوٰۃ کی ادائیگی ثواب و نیکی میں کئی گنا زیادہ بھاری ہے۔ ثواب اور روحانی ترقی کے علاوہ مزید یہ کئی قسم کے فوائد سے مزین ہے مثلاً

- ۱۔ گرد و پیش کے رہائشی اہل محلہ سے ملنا جھلنا۔
- ۲۔ ان سے تعلقات استوار کرنا اور ان کے حال و احوال سے واقفیت حاصل کرنا اور ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہونا۔

۳۔ باہمی روابط سے ارد گرد کے ماحول کو بہتر اور خوشگوار بنانا۔

- ۴- ایک دوسرے کے دکھ اور تکلیف کا ازالہ کرنے کا سبب بننا۔ اور باہمی تعاون کا ذریعہ بننا۔
- ۵- مسجد کے گرد و پیش کے علاقہ کے مسائل سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کے حل کیلئے مناسب تدابیر اختیار کرنا۔
- ۶- دین اسلام کی تقویت اور وسعت کا اہتمام کرنا۔
- ۷- بچوں کے لئے دینی تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی اور دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے عمومی انتظام کرنا۔
- ۸- قرآن و سنہ کی روشنی میں نظام صلوٰۃ۔ نظام زکوٰۃ۔ اور دیگر نظاموں کی تشکیل میں مدد دینا۔
- ۹- کفالت اجتماعیہ کا ادارہ قائم کر نیکی کو شش کرنا۔

مندرجہ بالا فوائد کا اطلاق کعبۃ اللہ کی وساطت سے بین الاقوامی سطح پر کر کے ایک بے مثال اسلامی معاشرہ کی تشکیل ممکن ہے جو باعث رحمت الالٰہیہ ہو سکتی ہے۔

اسلام ایک بین الاقوامی دین ہے۔ جو پوری انسانیت پر محیط اور اس کا دائرہ عمل پورا ارضی کرہ ہے۔ اور روز آخر یعنی قیامت تک قائم و دائم اور قابل عمل وحدت اور اجتماعیت کا شعور پیدا کرنے۔ ہر فرد کے ذہن کو دین اسلام کی روشنی سے منور کرنے۔ اور اس میں وسعت پیدا کرنے وحدت اسلامی سمیت اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور فوائد سے فیض یابی کیلئے اللہ رب العالمین نے ایک بین الاقوامی سالانہ اجتماع کے انعقاد کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ سالانہ اجتماع جو بیت اللہ الحرام بمقام مکہ المکرمہ سعودی عرب میں ذوالحجہ کے مہینہ میں منعقد ہوتا ہے اور حج بیت اللہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اس میں کرہ ارضی کے تمام ممالک سے جہاں جہاں مسلمان مقیم ہیں شریک ہوتے ہیں۔ اور ایک دلکش۔ خوشگوار۔ باہمی ربط۔ ہم آہنگی۔ بھائی چارے۔ کا ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں کہ جس کی کوئی اور مثال نہیں۔ حج بیت اللہ الحرام ایک مربوط اور منظم وسیع و عریض اور اعلیٰ و بلند ترین عبادت ہے کہ جو پانچ یوم پر محیط ہے۔ ثواب اور نیکی کمانے سمیت اسلامی برادری کو یک جاہ کرنے کا ایک عظیم الشان موقع مہیا کرتا ہے۔ اور ان افراد دنیا کو جو شیطان الرجم کے اثر و رسوخ اور دائرہ اختیار میں آچکے ہیں ان کے لیے باعث دلچسپی اور رغبت بنتا ہے ان میں سے ایسے لوگ جو غور و فکر کے عادی۔ غیر متصب۔ غیر جانبدار۔ اور حقیقت پسند ہیں یہ اجتماع بے مثال ان کے لئے دین اسلام سے قربت کا باعث بھی بنتا ہے۔

بیت اللہ جو حج اور عمرہ کی ادائیگی کا مرکز عظیم ہے اسکے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اس طرح

ہیں۔

”بنی نوع انسان [کی فکر و نظر میں وحدت قائم اور ان کا قبلہ اور جہت درست رکھنے کی خاطر] پہلا گھر جو [اللہ کی طرف سے مرکز انسانی] مقرر کیا گیا تھا وہ مکہ میں ہے [اور وہ] ہر زمان و مکان کی کل اقوام کے لئے موجب برکت و ہدایت ہے“

[آل عمران ۳ آیت ۹۶]

دنیا کے نقشے پر غور کرنے سے انکشاف ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ جہاں پہلی عبادت گاہ جو پوری انسانیت کی برکت و ہدایت کے لئے قائم کی گئی ہے ایسی جگہ ہے کہ جس تک رسائی دنیا کی تمام اطراف سے بغیر کسی دقت۔ مشکل اور رکاوٹ کے ممکن ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے سے پہنچنا آسان ہے۔ کعبہ اللہ سے متعلق دیگر آیات قرآنی اس طرح ہیں۔

”اور [اس سنت پیغمبری میں بھی تفکر بالحق کرو کہ] جب [حضرت] ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ [تو کام کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی مانگتے جاتے تھے]۔ اے ہمارے پروردگار آقا! ہم سے جو کام پور ہا ہے، اسے قبول فرما! یقیناً تو سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔ بالفاظ دیگر، تو اپنی مخلوقات کے اقوال و افعال کا احسن و اکمل سمعی و بصری مشائدہ کرنیو والا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۲۷]

کعبۃ اللہ کے بارے میں مندرجہ آیت جلیلہ بھی اہمیت کی حامل اور غور و فکر کی مقفی ہے؟

”اور [یہ تاریخ ساز و عہد آفرین واقعہ بھی یاد کرو کہ] جب ہم نے خانہ کعبہ کو بنی نوع انسان کا مرجع اور مرکز اجتماع اور جائے امن و امان مقرر کیا تھا اور افراد نسل انسانی کو حکم دیا تھا۔ کہ مقام ابراہیم کو [جہاں آپ صلوٰۃ قائم کرتے تھے] تم بھی ہمیشہ کیلئے صلوٰۃ قائم

کرنے کی جگہ یا قبلہ بنالو اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ وہ میرے اس گھر [بیت اللہ] کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف [یعنی قرآن حکیم اور انفس اور آفاق میں تفکر بالحق کرنے کیلئے قیام] کرنے والوں، نیز رکوع و سجود کرنے والوں [مصلین] کے لئے [ہر قسم کی مادی و معنوی نجاستوں سے] پاک و صاف رکھنا [اس حکم کا اطلاق ان کے بعد آنے والے حرم شریف کے متولیوں پر بھی ہوتا ہے]

[البقرہ ۲ آیت ۱۲۵]

مزید فرمایا گیا۔

”یہ واقعہ ہے کہ ہم نے [اپنے قوانین مشیت و حکمت اور تدبیری کے مطابق] ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ متعین کی تھی [نیز انہیں حکم دیا تھا کہ] کسی کو میرا سرہیم و معاون قرار نہ دینا لیکن میرے گھر کو طواف کرنے قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کیلئے پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنا“

”اور تمام افراد نسل انسانی کو حج کی دعوت دو۔ وہ ہر دور دراز مقام سے بیدل اور چست و تیز سواری پر تمہاری طرف چلے آئیں گے“

”اس طرح وہ ان دینوی و اخروی حسنات کا خود مشاہدہ کریں جو وہاں کے لئے موجود ہیں۔ ان مقررہ ایام میں [بالخصوص] ہم نے انہیں جو مویشی عطا کئے ہیں انہیں ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لیں۔ پھر ان کا گوشت خود بھی کھاؤ اور تنگدست محتاجوں کو بھی کھلاؤ“

[الحج ۲۲ آیات ۲۶ سے ۲۸]

ہر صاحب استطاعت کے لیے حج کی ادائیگی کا حکم مندرجہ آیت جلیلہ سے واضح ہے۔

”اس [مرکز انسانی] میں صاف اور واضح رہنما نشانات الوہی ہیں: جن میں ابراہیمؑ کے قیام صلوة کا مقام یا جگہ بھی ہے، دوسرے جو اس

بیت اللہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ وہ اللہ کے حفظ و امان میں آجاتا ہے۔ تیسرے اللہ کا حکم ہے کہ ان افراد نسل انسانی پر [حج یا عمرہ کے لئے] اس مرکز انسانی میں آنے کا قصد رکھنا لازم ہے [یعنی حج و عمرہ فرض ہے] جو یہاں آنے کا زاد راہ اور مقدر رکھتے ہوں۔

لیکن جو [زاد راہ و مقدر رکھنے کے باوجود] اس حکم پر عمل نہیں کریں گے [وہ خود دینوی و اخروی حسنہ اور رشد و ہدایت سے محروم رہیں گے اور اللہ کا کچھ نہ بگڑے گا] اقوام عالم اس کی طاعت و بندگی کریں یا نہ کریں اللہ کو اس کی حاجت ہے نہ پرواہ“

[آل عمران ۳ آیت ۹۷]

مشرکوں اور کافروں کے لئے حکم ربانی

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو مشرکین یعنی شرک کرنے والے [چاہے کوئی ہوں] حسی۔ قلبی۔ نفسی لحاظ سے] ناپاک و پلید ہیں۔

لہذا سال رواں کے بعد وہ متبرک و محترم اور پاک و مقدس بیت اللہ کے قریب جانے نہ پائیں۔ اگر تمہیں [اس طرح تجارتی فوائد سے محروم اور] نادار ہوجانیکا خوف ہو تو [فکر نہ کرو] اللہ تعالیٰ اپنے قانون فضل و مشیت کی رو سے تمہیں مستغنی و مرفہ الحال کر دے گا۔ یا درکھو کہ اللہ تعالیٰ علم کلی رکھنے والا ہے انتہائی دانشمند اور کمال دانشمندی سے اپنے امور سرانجام دینے والا ہے]

[التوبہ ۹ آیت ۲۸]

حج اور عمرہ کی ادائیگی بیت اللہ شریف [خانہ کعبہ] کی وساطت اور زیر سایہ ہوتی ہے۔ تمام مسلمانوں کو صلوة کے دوران قبلہ رخ یعنی کعبہ اللہ کی طرف کرنے کا حکم ہے جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں کہا گیا ہے۔

”اور [میرے نبی ﷺ!] اب آپ کا آنا جانا کہیں بھی ہو [قیام صلوة کے وقت] اپنا رخ مقدس و محترم مسجد [خانہ کعبہ] کی طرف کر لیا کریں۔

اور ایسا کرنا آپ کے پروردگار و آقا کی طرف سے لا حق [یعنی دینوی و اخروی لحاظ سے صداقت و افادیت اور حکمت و مقصد تیت کا حامل ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر و بے پرواہ نہیں [یعنی وہ لوگوں کی ہر بات کا نوٹس لیتا ہے]۔“

”اور جہاں کہیں بھی [اے نبی ﷺ!] آپ آئیں جائیں [قیام صلوة کے وقت] اپنا منہ مسجد حرام [خانہ کعبہ] کی طرف کر لیا کریں اور [مسلمانو!] تم بھی جہاں کہیں موجود ہو، اپنا رخ اس کی طرف کر لیا کرو تا کہ ان لوگوں کے سوا جو ظالم ہیں، کسی کو تم پر الزام دھرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ ان ظالموں سے نہ ڈرو، بلکہ [میری] نافرمانی کرتے اور میرے قانون مجازات سے ڈرو اور [اس سے غرض یہ ہے کہ] میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں یعنی تمہارے لئے اپنے دین اسلام یا نظام حیات کلی کی تکمیل کر دوں، نیز یہ بھی کہ تم حسین و فطری راہ راست پر چل کر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ [جو جنت قرۃ العین ہے] [البقرہ ۲ آیت ۱۴۹، ۱۵۰]

کعبۃ اللہ [خانہ کعبہ] جس کی تعمیر نو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے ہاتھوں پر یہ تکمیل کو پہنچی ایک مکعب نما عمارت ہے جس کی اطراف قریباً 42.2 فٹ [12.86 میٹر] اور 36.2 فٹ [11.03 میٹر] اور بلندی 43 فٹ [13.1 میٹر] ہے جو گرینائٹ [پتھر کی ایک قسم] سے بنی ہوئی ہے اور جو سنگ مرمر کی 98 انچ [250 سنٹی میٹر] موٹی بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ بنیاد کعبۃ اللہ کے چاروں طرف یہ 14 انچ [35 سنٹی میٹر] تک باہر کی طرف بڑھی ہوئی ہے۔

کعبۃ اللہ کا اندرونی فرش ماربل اور لائم سٹون کا بنا ہوا ہے اس کی اندرونی دیواریں نصف بلندی تک ماربل سے ڈھکی ہوئی ہیں جن پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ کعبۃ اللہ کے اندر چھت کو سہارا دینے کیلئے تین تھم [Pillar] لگائے گئے ہیں۔

بیت اللہ کے چاروں کونوں کو مندرجہ نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔





- ۳۔ منیٰ میں صلوٰۃ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی ادائیگی۔
  - ۴۔ رات منیٰ میں قیام
  - ۵۔ ۹ ذی الحجہ کی صلوٰۃ فجر کی منیٰ میں ہی ادائیگی
- حج کا دوسرا دن۔۔۔۔۔ ۹ ذی الحجہ
- ۱۔ صلوٰۃ فجر کی منیٰ میں ادائیگی
  - ۲۔ دھوپ نکلنے کے بعد بجانب عرفات روانگی
  - ۳۔ صلوٰۃ ظہر سے قبل عرفات میں لازماً آمد
  - ۴۔ صلوٰۃ ظہر اور صلوٰۃ عصر کی عرفات میں اکٹھی ادائیگی
  - ۵۔ وقوف عرفات
  - ۶۔ سورج غروب ہونے تک عرفات میں قیام
  - ۷۔ سورج غروب کے بعد صلوٰۃ مغرب ادا کئے بغیر مزدلفہ کو روانگی
  - ۸۔ مزدلفہ یا مسعر الحرام پہنچنے کے بعد صلوٰۃ مغرب اور صلوٰۃ عشاء کی ادائیگی
  - ۹۔ مزدلفہ میں رات کا قیام

میزاب رحمت:

حطیم کی جانب کعبۃ اللہ کی چھت سے منسلک بارش کے پانی کے نکاس کے لئے ایک پرناہ ہے جو میزاب

رحمت کہلاتا ہے۔

مقام ابراہیم:

حضرت ابراہیم نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی مقام ابراہیم کہلاتا ہے اور اس کو کعبۃ اللہ کے

دروازہ کے سامنے کچھ فاصلہ پر محفوظ کیا گیا ہے۔

حج بیت اللہ:

سال کے مخصوص دنوں میں مکہ مکرمہ میں موجود مخصوص مقامات میں عبادات اور زیارات حج کہلاتا ہے۔

عمرہ:

عمرہ بھی بیت اللہ کی مخصوص عبادات کا نام ہے لیکن اس کے لئے دن یا وقت مقرر نہیں۔ اسے سال کے کسی بھی حصہ میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہ حج کے ساتھ یا اس کے بغیر ادا ہو سکتا ہے۔

طواف:

خانہ کعبہ کے گرد الٹی سمت میں سات چکر لگانا طواف کہلاتا ہے۔ وہ جگہ جہاں طواف کیا جاتا ہے مطاف کہلاتا

ہے۔

سعی:

کعبتہ کے بہت قریب دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان سات دفعہ آنا جانا سعی کہلاتا ہے۔

استلام:

حجر اسود کا بوسہ لینا یا ہاتھ لگانا یا رش کی وجہ سے اس تک نہ پہنچ سکنے کی صورت میں دور سے اس کی طرف اشارہ کرنا

استلام کہلاتا ہے۔

رمی:

شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا عمل رمی کہلاتا ہے۔

قصر یا حلق:

احرام اتارنے کے بعد سر منڈوانا یا سر کے بال کتر وانا قصر اور حلق کہلاتا ہے۔

عمرہ ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

مردوں کو مخصوص لباس جو دو آن سلی سفید چادروں پر مشتمل ہوتا ہے لازمی پہننا یا اوڑھنا ہوتا ہے۔

طواف کعبہ کا عمل مکمل کرنا۔

۱۔

- ۲۔ سعی کرنا۔ یعنی صفا اور مروہ کے درمیان سات بار فاصلہ طے کرنا۔
- ۳۔ حلق [سر منڈوانا] یا قصر [سر کے بال کتروانا] کا عمل احرام اتارنے کے بعد کیا جاتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی ہدایات یا راہنمائی بسلسلہ حج اور عمرہ درج ذیل آیت قرآنی سے ظاہر ہے۔
- ”..... پھر جب تم [وقوف کے بعد میدان] عرفات سے اکھٹے اڑدحام کی صورت میں لوٹنے لگو تو مشعر حرام یا مزدلفہ میں قیام کے دوران اللہ کا ذکر اس طرح کرو یعنی اس کے احکام و قوانین، تعلیمات، نیز اس کی صفات حسنہ اور نعمتوں کا ایک دوسرے سے تذکار اس طرح کرو جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے۔ اور [اللہ کا احسان یاد کرو کہ] اس سے پیشتر تم بھی راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے تھے“
- [البقرہ ۲ آیت ۱۹۸ جزو]

### حج کا تیسرا دن۔۔۔۔۔ اذی الحجہ

- ۱۔ مزدلفہ میں صلوٰۃ فجر کی ادائیگی اور وقوف سورج نکلنے سے پہلے اللہ سے دعائیں۔ توبہ۔ گناہوں کی معافی طلب کریں۔
- ۲۔ سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ کو روانگی۔
- یہاں اللہ کا ایک ارشاد ملاحظہ فرمادیں۔
- ”پھر جہاں سے لوگ جوق در جوق پلٹتے ہیں۔ تم بھی وہاں سے لوٹ آؤ اور اللہ سے [اپنی نعرشوں خطائوں اور گناہوں] کی بخشش پردہ داری اور اپنی حفاظت کی استدعا کرتے رہو۔ یقین رکھو! اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور حفاظت کرنے والا۔ غایت درجہ ترس کھانے اور بار بار رحمت کرنے والا ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۹۹]

۳۔ منیٰ پہنچنے کے بعد بڑے شیطان کو کنکریاں مارنا۔

۴۔ قربانی کرنا۔

اس حوالے سے ارشادِ بانی ہے کہ

”اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون اسے کوئی شے پہنچتی ہے تو وہ تمہارا تقویٰ یعنی تمہارا نذرانہ جذبہ محبت و آرزو مندی۔ اس مقصد کے لئے اس نے ان پالتو جانوروں کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ تمہیں بتایا گیا ہے اللہ کی تکبیر [یعنی بسم اللہ اللہ اکبر] پڑھ کر انہیں ذبح کرو۔ سنو! عدل و احسان، خیر و حسنہ، فلاح و بہبود اور اصلاح معاشرہ کے کام کرنے والوں کو [دینوی و اخروی حسنہ] کی نوید ہو!“

[الحج ۲۲ آیت ۳۷]

اس سے پہلے آیت مبارکہ [۲۲-۳۶] میں کہا گیا ہے کہ

”.....تو ان کا گوشت خود بھی کھاؤ اور قانع لوگوں کو بھی کھلاؤ جو سوال نہیں کرتے اور جو مانگنے پر مجبور ہوں انہیں بھی کھلاؤ۔ اس خاطر ہم نے انہیں تمہارے قابو میں کر دیا ہے تاکہ تم [ہماری نعمتوں کا] شکر بجا لاؤ“

۵۔ قربانی کے بعد سر کے بال منڈوانا یا کترانا۔ اس عمل کے بعد احرام کھول دیں اور روزمرہ کا لباس پہن لیں۔

اس حوالے سے ارشادِ بانی ہے کہ

”اس طرح وہ ان دینوی و اخروی حسنات کا خود مشائدہ کریں جو وہاں ان کے لئے موجود ہیں۔ ان مقررہ ایام میں [بالخصوص] ہم نے انہیں جو مویشی عطا کئے ہیں۔ انہیں ذبح کرتے ہوئے ان پر اللہ کا نام لیں۔ پھر ان کا گوشت خود بھی کھالیں اور تنگدست محتاجوں کو بھی

کھلائیں“

”بعد ازاں‘ وہ نہادھو کر میل کچیل دور کریں‘ سنتیں اتاریں اور مقدس

و آزاد گھر کا طواف کریں“

[الحج ۲۲ آیات ۲۸، ۲۹]

۵۔ طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ جانا اور عام کپڑوں میں سعی کرنا۔

۶۔ قیام کے لئے رات کو واپس منیٰ جانا۔

حج کا چوتھا دن۔۔۔۔۔۔۔ اذی الحجہ

۱۔ آج کا دن شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا دن ہے کنکریاں مارنے کا وقت زوال کے بعد شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے۔

۲۔ پہلے چھوٹے شیطان۔ بعد میں درمیانے شیطان اور آخر میں بڑے شیطان کو سات سات کنکریاں ماریں۔

۳۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے حج کے تیسرے دن طواف زیارت نہیں کر سکے وہ آج یعنی چوتھے روز طواف زیارت کر لیں۔

۴۔ آج کی رات بھی منیٰ میں ہی قیام کر لیں۔

حج کا پانچواں دن۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲ اذی الحجہ

۱۔ منیٰ میں رہتے ہوئے حج کے پانچویں دن میں بھی رمی کرنا ہے۔

۲۔ رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

۳۔ رمی کی ترتیب حسب سابق پہلے چھوٹے شیطان۔ پھر درمیانے شیطان اور آخر میں بڑے شیطان کی باری ہے۔

۴۔ اگر اس سے پہلے طواف زیارت نہیں کیا جاتا تو سورج غروب ہونے سے پہلے ضرور کر لیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا۔ توفیق اور مہربانی سے حج پایہ تکمیل کو پہنچا اب واپسی سے طواف وداع کی ادائیگی باقی رہ گئی

ہے۔

روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی تشنگی دلوں کو چین نہیں لینے دیتی۔ اس لئے مدینہ منورہ کی تڑپ اتنی دیر قائم رہتی ہے کہ جتنی دیر روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی کا دیدار نہ کر لیا جائے۔ جو حاجی اس سے قبل وہاں نہیں پہنچ پائے اس کا اب وہاں حاضری دینا لازمی ہوتا ہے۔

مسلمان اس عظیم الشان عبادت کی بدولت عالم اسلام میں یگانگت۔ وحدت۔ ہم آہنگی۔ محبت و پیار کو پروان چڑھا کر معاشی بہتری۔ اقتصادی ترقی۔ باہمی تجارت۔ تعلیمی روابط۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے تجربات اور دفاعی مضبوطی سمیت بے شمار دیگر فوائد حاصل کر کے اپنا کھویا ہوا وقار۔ عزت اور شان و شوکت حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔



## 9

## جہاد (فی سبیل اللہ)

قرآن پاک کے ذریعے بنی نوع انسان کو بار بار باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ رب العالمین کی ملکیت ہے۔ اس سلطنت کا واحد اور مطلق حکمران وہی ہے۔ بنی نوع انسان کو یاد دہانی کرائی گئی ہے۔

”کیا تمہیں اس واقعیت کا علم نہیں۔ کہ ہماری یا افلاکی کروں اور خلاؤں اور کرۂ ارض کی ملکیت و بادشاہت اور حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے۔ [اس لئے کوئی فرد بشر اپنے مال و دولت کا مالک نہیں، محض اس کا امین مستفید ہے، نیز نہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرنے کا مجاز ہے، اسی طرح اس کائنات میں کوئی غیر اللہ بھی بادشاہت کا مالک نہیں اور نہ اسے اپنے یا غیر اللہ کے قوانین و احکام کے ذریعے حکومت و حکمرانی کرنے کا اختیار ہی حاصل ہے] اور یاد رکھو کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور والی و سرپرست ہے نہ مددگار اور نہ سفارش کرنے

والا ہی ہے [اس دنیا اور آخرت دونوں میں]

[البقرہ ۲ آیت ۱۰۷]

”اور آسمانوں اور زمین کی فرماں روائی کا اختیار صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ہے [اور کسی کو نہیں] لہذا حکمران اپنے یا غیر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے ساتھ حکومت کرتے ہیں یا اپنا حکم چلاتے ہیں۔ وہ تلمیح قرآنی میں ”فرعون“ ہوتے ہیں [نیز اللہ ہر شے اور اس کے کرنے پر قدرت کا ملہ رکھنے والا ہے۔

[آل عمران ۳ آیت ۱۸۹]

”آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے [اور اس کے کل جمالیاتی۔ تخلیقی شاہکاروں کے تمتع یا استفادے کیلئے ہے] لیکن کوئی بشر ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں [اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر اور اس کے کرنے پر قدرت کاملہ رکھنے والا ہے“

[المائدہ ۵ آیت ۱۲۰]

مندرجہ بالا آیات کریمہ اور اس مضمون کی دوسری بہت سی آیات قرآنی سے یہ واضح ہے۔ اس کائنات کا مالک و حاکم صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہے اور وہی اس کے انتظام و انصرام کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔ اور اسی کو اس کی حکمرانی کا کامل اختیار ہے۔

اس حقیقت کا سب کو علم ہو چکا ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات میں جتنی بھی مخلوق ہے اس کی روزی و رزق کا بندوبست اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اور وہی شروع سے مہیا کرتا آ رہا ہے اور آخر تک مہیا کرتا رہے گا۔

”اور اس زمین میں کوئی چلنے والا جاندار ایسا نہیں ہے جس کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر نہ ہو۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا جائے قیام کہاں اور کہاں اس کا مدفن ہے یہ سب کچھ ایک واضح و ناطق دفتر [یا لوح محفوظ] میں [محفوظ] ہے۔

[ہود ۱۱ آیت ۶]



”یہ اللہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی؛ پھر تمہیں رزق دیا؛ پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے بعد ازاں وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔۔۔“

[الروم ۳۰ آیت ۴۰]

اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد کہ اللہ ہی اس کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور ہر انسان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے اور ہر ایک کو رزق دیتا ہے تو پھر اس کے قوانین و احکام سے انحراف کرنا۔ اس کی تعلیمات و ہدایات کی پابندی نہ کرنا۔ اس کی نافرمانی کا مرتکب ہونا کیا یہ اس سے بغاوت نہیں؟ اور بغاوت کی سزا ہر کوئی جانتا ہے۔ لیکن وہ کریم و رحیم اور غفور و رحیم ہے وہ انسانوں کی کوتاہیوں اور غفلتوں کو اکثر نظر انداز کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں اور دوستوں کو اس بات کی تلقین کرتا رہتا ہے کہ اس کے ان بندوں کو جو اپنی راہ گم کر بیٹھے ہیں یا شیطان رجیم کے شکنجے میں پھنس چکے ہیں ان کو راہ راست پر لگانے کی کوشش کریں۔ اور دوزخ کی آگ کی ہولناک اور کربناک اذیتوں سے ڈرائیں تاکہ وہ راہ راست کی طرف لوٹ آئیں۔

راہ راست پر گامزن ہونے کی ایک اہم شرط اعمال صالحہ کی پابندی ہے جس پر عمل درآمد کرانے کے لئے اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو نیکی کی راہ پر لگانے اور برائی سے روکنے کے لئے لاکھوں پیغمبروں خدا کو مبعوث کیا گیا اور آسمانی کتب نازل کی گئیں۔ لیکن انسانوں کی کثرت نے شیطان (خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے) کے دلکش وعدوں، دلفریب و سوسوں، خوبصورت خیالوں اور بلند و بالا کامیابیوں کی اُمید پر اس کے ہمنوا بن کر دنیاوی نظم و نسق، معاشرتی امن و امان۔ معاشی بد حالی۔ عدل و انصاف کی تباہی۔ ظلم و ستم۔ دنگا فساد۔ قتل و غارت۔ کفر و شرک۔ جنگ و جدل۔ جنسی بے راہ روی۔ مالی ناہمواری اور دیگر سینکڑوں جرائم کو فروغ دیا اور بدستور اس پر تیز رفتاری سے دوڑ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال اللہ رب کائنات اور اللہ کے دوستوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان کے تدارک اور حیاتِ طیبہ کے فروغ کیلئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دے رکھا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لا کر اسلام میں داخل ہوئے ہو! اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی آرزو و جستجو کرتے اور ضلالت یا گمراہی سے ڈرتے رہو؟ اور اس کے قرب کی طلب و سعی کرتے رہو: نیز اس کی راہ میں یعنی اس کے

نظام حیات کلی کے استحکام و تحفظ کے لئے سعی و جہد [جہاد] کرتے رہو تاکہ تم دینوی و اخروی حسنہ پاؤ“

[المائدہ ۵ آیت ۳۵]

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

”اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے.....“

[الحج ۲۲ آیت ۷۸ جزو]

حیات طیبہ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعلیمات و ہدایات اور قوانین و حکامات کے عین مطابق زندگی بسر کرنا اور دوسروں کو اس راہ پر لگانا اور ایسی زندگی بسر کرنیکی ترغیب اور تلقین کرنا ہی جہاد کا مقصد اولیٰ ہے۔ لوگوں کے رویوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اصلاح احوال کے مقصد کے حصول کیلئے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال ناگزیر ہے۔

- ۱۔ جہاد بذریعہ نطق یعنی زبان
- ۲۔ جہاد بذریعہ قلم
- ۳۔ جہاد بذریعہ ذرائع ابلاغ جدید
- ۴۔ جہاد بذریعہ مال و منال
- ۵۔ جہاد بذریعہ قرآن
- ۶۔ جہاد بذریعہ قوت

جہاد بذریعہ نطق یا زبان

کسی انسان کا دوسرے انسانوں سے رابطہ زبان کی مدد سے ہوتا ہے یہ ذریعہ آسان۔ تیز۔ موثر اور بالمشافہ ہوتا ہے۔ الفاظ کے مناسب انتخاب۔ آواز کے اتار چڑھاؤ۔ چہرہ کے تاثرات۔ نرم اور ملائم لہجہ اور خوشگوار انداز گفتگو سے اس رابطہ کو مفید اور سودمند بنایا جاسکتا ہے۔

جہاد یا سعی و جہد کا آغاز اپنے گھریا اہل خانہ سے کرنا زیادہ سودمند ہو سکتا ہے۔ یہاں اس بات سے آگاہ کرنا

یاد دہانی کرانا مناسب ہے کہ جہاد یا سعی و جہد والا سب سے پہلے اپنے آپ کو اس نیک عمل کے لئے تیار کرے یا اس معیار کو حاصل کر لے۔ کہ اس کی شخصیت دوسروں کے لئے قابل کشش ہو سکے اس کا طرز اور عمل دوسروں پر حاوی ہو وہ دوسرے کو اس انداز سے نصیحت کرے کہ نتیجہ خیز ثابت ہو۔ لیکن

”اصل یہ ہے کہ نصیحت وہی حاصل کرے گا جو [اللہ کے قوانین سے] ڈرتا ہے“

[الاعلیٰ ۷۸ آیت ۱۰]

بہتر ہے کہ گھر کا سربراہ حسن تدبیر سے اپنے گھر کا ماحول اسلامی بنیادوں پر استوار کرے اور ایسی تربیت کا بندوبست کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات و تعلیمات کا عکس اجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہو گھر اسلامی معاشرہ کی اصلاح کی اہم بنیاد ہے اسی لئے مندرجہ آیات قرآنی اس کی تصدیق کیلئے کافی ہیں۔ جن پر غور و خاص اور عمل کرنا گھر کے ہر فرد پر لازم ہے۔

۱۔ ”دیکھو اپنے اہل و عیال کو صلوة قائم کرنے کا حکم دیتے رہو۔ اور خود بھی اس پر قائم و دائم رہنا۔۔۔۔۔“

[طہ ۲۰ آیت ۱۳۲ جزو]

۲۔ ”اور جب لقمٰن اپنے بیٹے کو وعظ کر رہا تھا۔ تو اس نے کہا۔ اے میرے [پیارے] بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک یعنی معاون سہیم نہ کرنا۔ اصل یہ ہے کہ شرک [ایسا] بڑا جرم ہے [جو ناقابل معافی ہے]

[لقمن ۳۱ آیت ۱۳]

۳۔ ”اور وہ [حضرت اسماعیلؑ] اپنے اعزہ و اقارب کو صلوة قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کیا کرتا۔ اور اپنے پروردگار کا منظور نظر تھا“

[مریم ۱۹ آیت ۵۵]

۴۔ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو [جہنم کی] آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن [ایک تو مشرک و کافر ظالم و مجرم اور غاصب و گمراہ] انسان اور [دوسرے بخیل و سرمایہ دار] سود خود و

سود کار اور حرام کار و ذخیرہ اندوز لوگوں کے جمع کئے ہوئے سیم و زر اور قیمتی [پتھر ہوں گے۔

[التحریم ۶۶ آیت ۶ جزو]

لوگوں کی اصلاح کرنے ان کو راہ راست سے آشنا کرنے اور اس کی مطابق عمل کرنے اور کرانے کیلئے زبان کا بہترین استعمال ذریعہ تعلیم ہے۔ روزمرہ کے تعلیمی اسباق کے دوران طلباء کے کسی غیر مناسب رویہ کو بنیاد بنا کر استاد ان کی اصلاح کرتا رہے۔ تو اس طرح سکول اور کالج کا ماحول بھی بہتر کرنے میں مدد ملے گی اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ طلباء معاشرہ کو پاکیزہ بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔

اگر اس انداز اصلاح کو حکومت وقت کی سرپرستی بھی حاصل ہو جائے تو جہاد با نطق بہت تیز رفتار اور موثر ثابت ہو سکتا ہے۔ مندرجہ آیت جلیلہ جہاد بذریعہ زبان کی طرف اشارہ کرتی نظر آتی ہے۔

”یہ بات اہل ایمان [کے بہترین مفاد] میں نہیں کہ وہ سارے کے سارے [اسلام کے قوانین و احکام اور تعلیمات کو سمجھنے کی خاطر مرکز تعلیم و تربیت کیلئے] نکل پڑیں۔ بلکہ ایسا کرنا چاہیے کہ ہر خیبل میں سے ایک گروہ نکلے اور دین [کے احکام و تعلیمات] کو سمجھے۔ پھر واپس جا کر اپنے لوگوں کو [ان احکام کی خلاف ورزی کرنے کے بھیانک نتائج سے] ڈرائیں تاکہ وہ ایسا کرنے سے احتراز کریں“

[التوبة ۹ آیت ۱۲۲]

ایسے بہت سے لوگ جو بظاہر ایمان لاکھتے ہیں لیکن شیطانی وسوسہ انگیزی کی وجہ سے ان کے عقیدہ۔ ایمان اور عمل میں پاکیزگی قائم نہیں رہتی۔ یا ملاوٹ شامل ہو جاتی ہے۔ یا اسلامی طہارت باقی نہیں رہتی۔ اور وہ اپنی خیال آرائی سے بعض احکام پر بددلی سے عمل کرتے ہیں اور بعض کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو راہ راست پر تصور کرتے رہتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے صلوة جمعہ میں خطیب کا وعظ موثر ہو سکتا ہے جو جہاد ناطق کا ایک کارگر ذریعہ ہے۔

”اور قول و سخن‘ کلام و بیان یا وعظ و تبلیغ کے لحاظ سے اس [اہل

آرزو سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو اسکی طرف بلائے [یعنی دعوت توحید دے] اور حسین و موزوں عمل کرے۔ اور کہے کہ یہ شک میں مسلمان ہوں“

[حم السجدۃ ۴۱ آیت ۳۳]

بین المسالک اور بین المذائب رابطوں کی مقدار۔ تعداد آج کل کافی بڑھ چکی ہے اور اس کے انداز میں بھی بہت تبدیلی آچکی ہے ہر سطح پر بحث و مباحث کے مواقع اکثر ملتے رہتے ہیں ان میں زیادہ تر مذہبی اور دینی موضوع زیر بحث آتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات ہوتا رہتا ہے۔ یہ رابطے اور تبادلے کبھی خوشگوار انداز میں اختتام پذیر ہوتے ہیں اور کبھی ناخوشگوار انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ دین اسلام فطرت سے ہر وقت منطبق ہوتا ہے اور اپنے پیروں کاروں کی رہنمائی کرتا ہے اور طریقہ کار اور اعمال کو اسلامی دائرہ کار میں محدود اور محفوظ رکھنا، لوگوں کو دینی حقیقتوں سے آگاہ کرنا۔ مذہبی غلط فہمیوں کو دور کرنا۔ دین اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کرنا۔ جہالت۔ ظلمت۔ بین المذاہب نفرت۔ باہمی عداوت کا تدارک کرنا۔ غلط اور غیر پسندیدہ رویوں کی اصلاح کرنا جہاد بذریعہ زبان کی حدود میں شامل ہے اسے سنوارنے نکھارنے اور موثر بنانے کے لئے بہت سی قرآنی آیات راہ نمائی کرتی ہیں صرف چند کا حوالہ درج ذیل ہے۔

”ہم آپ کی راہ زیست‘ یعنی راہ دعوت و جہاد کو آسان بنا دیں گے“  
 ”لہذا آپ [لوگوں کو احکام الہی کی] یاد دہانی کراتے رہیں‘ چاہے جن کو یاد دہانی کرائی جائے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں“

[الاعلیٰ ۸۷ آیت ۸-۹]

”پیارے نبی ﷺ تبلیغ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اپنے پروردگار کی حسین و پائیدار راہ راست کی طرف آنے کی دانش مندی اور حسین پسند و نصیحت کے ساتھ دعوت دیں۔ اور ان سے خوبصورت و پسندیدہ انداز سے استدلال و بحث کریں۔ اصل میں آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور اپنی منزل

مقصود اور اس کی راہ راست پانے والوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے“

[النحل ۱۶ آیت ۱۲۵]

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی ہر مسلمان کو پیروی کرنا لازمی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کر

رکھی تھی اور کہا۔

”لیکن تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات چیت کرنا“ شاید وہ غور

کرے یا اس میں [عاقبت کی] خشیت یا ڈر پیدا ہو جائے“

[طہ ۲۰ آیت ۴۴]

”آپ برائی [یا بُری بات] کو خوب تر یا حسنہ سے دور کریں۔ ہم ان

باتوں کو خوب جانتے ہیں۔ جو وہ [ہمارے اور آپ کے متعلق] کہتے ہیں“

[المومنون ۲۳ آیت ۹۶]

اس حوالے سے مزید فرمایا گیا۔ کہ

”مومنو! اہل کتاب سے [اگر بحث کرنا پڑے تو] بڑے حسین انداز سے

مباحثہ کیا کرو۔ اور انہیں بتاؤ کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں

جو ہم پر نازل ہوئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوئی۔ دیکھو!

ہمارا اور تمہارا معبود و حاکم ایک ہے اور ہم اس کے بندگان تسلیم و

رضا ہیں [لہذا تم بھی اس کے احکام پر عمل کرو جو قرآن، تورات اور

انجیل میں مرقوم ہیں۔“

[العنکبوت ۲۹ آیت ۴۶]

جہاد بذریعہ قلم

بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات و تعلیمات اور احکام و قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا پابند بنانا اور کرہ

ارضی پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرانے کے لئے تگ و دو اور سعی و جہد کرنا ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

گمراہی کی شدت اور وسعت کو مد نظر رکھتے ہوئے مرض کا علاج تجویز کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل جہاد بذریعہ زبان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جہاد بذریعہ زبان میں بالمشانہ گفتگو و دلائل و برہان کا تبادلہ۔ اعتراضات کا جواب وغیرہ سمیت بہت سے دیگر فوائد موجود ہیں۔ لیکن یہ انداز لگاتی اور وقتی ہوتا ہے اور اس میں بھولنے کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے اور وقت کے ساتھ بہت سی چیزیں نظر انداز ہونے سے دیر پا ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے دوسرے طریقوں کا سہارا لینا کارگر اور موثر رہتا ہے جہاد بذریعہ قلم کی مدد سے جہاد بذریعہ زبان کو وسعت دی جاسکتی ہے اور اسے مزید موثر بنایا جاسکتا ہے۔

علم کا اصلاح انسانی سے بہت گہرا اور مضبوط رشتہ ہے۔ اللہ رب العالمین نے بنی نوع انسان کی اصلاح اور ہدایت و رہنمائی کے لئے کثیر تعداد میں اپنے محبوب بندوں کو مبعوث فرمایا اور ان کو علم کی قوت سے نوازا تا کہ وہ اپنے فرائض منصبی کو مکمل طور پر انجام دے سکیں۔ اس مقصد کے لئے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو علم عطا کیا جس کی وجہ سے وہ تمام مخلوقات ربانی میں معزز اور برگزیدہ قرار پائے۔

”اور اللہ نے آدم کو کل اشیاء [موجودات یا مخلوقات] کی مسمیات یعنی خواص و اوصاف اور جمالیاتی۔ افادی۔ اقدار کا اور ان کی مسمیات کے مطابق موسوم کرنے یعنی نام رکھنے کا علم ودیت کر دیا۔

[البقرہ ۲ آیت ۳۱ جزو]

علم کی فضیلت کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول ﷺ اعظم و اکبر کو وحی کی ابتدا پڑھنے کے حکم سے ہوئی۔

”[اے نبی ﷺ] اپنے رب کے نام یعنی صفات حسنہ کے فیوض و برکات کے ساتھ [آیات قرآن] پڑھو۔ جس نے [کل موجودات] تخلیق کی ہیں۔ [اور اس کی تخلیقی فیعلیت کا سلسلہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا]“

[العلق ۹۶ آیت ۱]

علم حق یا راسخ کے بغیر عوام الناس کو حقیقت سے آگاہ کرنا۔ سچائی اور سچے اصولوں پر قائل کرنا اور انہیں صراط مستقیم پر چلانا آسان نہیں۔ بے علم فائدے کی بجائے اکثر باعث نقصان ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ جہاد ایک ایسا نیکی اور

فلاحی عمل ہے کہ جو انسانیت کیلئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں کہ یہ اسے تاریکی سے نکال کر روشنی سے آشنا کراتا ہے۔ شیطانی حدود سے رحمانی حدود میں داخل کرتا ہے گمراہی سے راستی کی جانب لگاتا ہے اور حیوانی طرز عمل کو انسانی اور مسلمانی طرز عمل میں تبدیل کرتا ہے لیکن ایسے لوگ جو جہاد کی بے شمار صفات اور فوائد سے آگاہ نہیں اپنی کم علمی اور بے عملی کے باعث عام مسلمانوں سمیت تمام غیر مسلموں کی نظر میں اسے قابل نفرت بنا رکھا ہے۔ اس حقیقت پر درج ذیل آیت قرآنی صادق آتی ہے۔

”دیکھو بنی نوح انسان میں سے ایسے [مائل اور ضدی] لوگ بھی ہیں۔ جو بغیر علم، بغیر ہدایت یا سماوی سند اور بغیر روشنی دینے والی کتاب [اللہ] کے اللہ تعالیٰ [کی ذات و صفات، قوانین و احکام اور تخلیقی فیعلیت] کے بارے میں حجتیں کرنے لگتے ہیں“

[الحج ۲۲ آیت ۸]

علم کی منتقلی کے بغیر خالق کائنات و رب العالمین کی صفات حسنہ اور اس کی ہدایات۔ تعلیمات۔ احکامات اور قوانین کو بنی نوع انسان تک پہنچانا اور ان پر عمل درآمد کرنا ممکن نہیں واضح رہے کہ زبان کے علاوہ علم کی منتقلی کا بہترین ذریعہ قلم ہے جس کی اہمیت مندرجہ ذیل قرآنی آیات مقدسہ سے عیاں ہے۔

”نون قسم ہے قلم کی۔ اور اس چیز کی جسے لکھنے والے [قلم سے] لکھتے ہیں۔“

[القلم ۶۸ آیت ۱]

”پڑھو کہ آپ کا رب نہایت جود و سخا کرنے والا ہے“

”جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا [اور سکھاتا ہے]“

”وہ انسان کو وہ علوم و فنون سکھائے جن سے وہ بہرہ مند نہ تھا“

[العلق ۹۶ آیات ۳ سے ۵]

ایسے ملک یا معاشرے کہ جہاں لوگ اللہ وحدہ لا شریک کے احکامات کے برعکس اپنی زندگی بسر کر رہے ہوں یا



اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے تخلیق کردہ اداروں کے وضع کئے گئے قوانین۔ رواج اور روایات کے تحت زندگی گزار رہے ہوں ان کی اصلاح کے لئے ان تک کتابچوں۔ کتابوں۔ رسائل۔ اخبارات کے ذریعے صحیح العقیدہ اور نافع علم جو قرآن و سنت کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہو پہنچانا بھی جہاد ہے چونکہ یہ نیک عمل بذریعہ قلم سرانجام پاتا ہے اور تحریر کی صورت دستیاب اور ایک طویل عرصہ تک محفوظ رہتا ہے اس لئے یہ جہاد بذریعہ زبان کی نسبت زیادہ مفید۔ کارآمد اور موثر ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

۱۔ کتاب کا انہماک سے مطالعہ ذہن کو مستعد۔ سرگرم اور پھرتیلا بنا کر حقیقت سے قربت بخشتا ہے اور سوچ میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ جس سے گم راہ کردہ افراد معاشرہ کی اصلاح کے امکانات میں اضافہ ہونے میں مدد دیتی ہے۔

۲۔ اچھی کتاب کا گہرا مطالعہ مشکل عنوانات کو آسان صاف و شفاف۔ واضح۔ نمایاں۔ اور قابل عمل بنا کر اپنے نقطہ نظر کو دوسروں تک پہنچانے اور ان کو حق سے آگاہ کرنے اور قائل کرنے میں مدد دیتا ہے اور یہی جہاد بذریعہ قلم کا مقصد ہے۔

۳۔ کتابیں علم میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں جس سے علم میں گہرائی آتی ہے اور نظریاتی علم کو عمل میں ڈھالنے اور اسے مقوی کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جو آخر کار دوسروں پر اثر انداز ہونے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ کتاب کسی بھی عنوان کا مکمل احاطہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کا سیر حاصل مطالعہ کرنے میں مدد دیتی ہے جس کے نتیجہ میں عنوان کے تمام پہلوؤں اور جہتوں کو مرکوز کرنے میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے اور دلائل و برہان کے اجتماع سے اپنا نکتہ نظر واضح کرنے اور پیش کرنے میں تخیلی قوت مہیا کرتی ہے۔

۵۔ کتابوں کا وسیع مطالعہ یا دداشت میں وسعت پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جو مطلوبہ عنوان کی حقیقت۔ اصلیت اور صداقت کو اجاگر کرتا ہے اور اس کی نیت اور تصور کو نمایاں کر کے مد مقابل کو بہتر اور موثر انداز میں قائل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۶۔ کتابوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا انتہائی آسان ہے جس کی وجہ سے کسی بھی وقت۔ کسی بھی جگہ اور کسی

بھی حالت میں مطالعہ کرنے کی سہولت بہم ہو سکتی ہے جس سے اپنے مقصد کی تکمیل بروقت ہو سکتی ہے۔

۷۔ کتابوں کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ قدیم و جدید معلومات فراہم کرتا ہے جو تحقیق و تخلیق میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور مطلوبہ مقاصد کا حصول ممکن بناتا ہے اور جہاد بذریعہ قلم کو موثر اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

۸۔ مطالعہ معلومات میں افتی اور عمودی وسعت اور گہرائی کا باعث بن کر بحث و مباحثہ اور دلائل و برہان کو تقویت بخشتا ہے اور کامیابی کی راہ ہموار کرتا ہے۔

۹۔ کتابیں ایک اہم اثاثہ ہے جن سے کسی بھی وقت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

گھریلو تربیت۔ ماحولیاتی پرورش اور ذہنی پختگی جو کسی فرد کو سالہا سال تک میسر آتی رہتی ہے اور جس کے نتیجے میں راہ راست سے بھٹکتے حقیقت حق سے دور کرتے رہنے اور غلط اور گمراہ کن عقائد۔ مسلک۔ مذہب وغیرہ کو اپنانے کا باعث بنتی رہی ہو اس کی اصلاح کرنا اور حق سے آشنا کرنا بہت ہی مشکل۔ تکلیف دہ اور جان جوکھوں کا کام ہے لیکن یہ قطعاً ناممکن نہیں۔ نیک نیتی۔ خلوص۔ محنت شاقہ۔ مسلسل عمل۔ آزادہ میں پختگی۔ ہمت و استقامت۔ اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ اور توکل اس مشکل اور ناممکن کام کو ممکن اور آسان بنا سکتا ہے اور بے شمار اور لاتعداد گمراہ افراد کو دوزخ کی مہیب آگ سے نجات دلا سکتا ہے یہ عمل ہر مسلمان پر لازم اور فرض ہے قرآن پاک اس عمل کی اس طرح نشان دہی کرتا ہے۔

”اے میرے [پیارے] بیٹے! صلوٰۃ کو [اس کے تمام فرائض اور تقاضوں کے ساتھ] قائم رکھنا اور فطری و حسین باتوں کی تلقین کرتے رہنا“ لیکن غیر فطری اور غیر قرآنی باتوں سے منع کرتے رہنا“ اور اس سلسلے میں جو مصائب تم پر ٹوٹیں، انہیں احسن طریقہ سے برداشت کرنا۔ یہ بلاشبہ بڑی ہمت و عزیمت کے کام ہیں“

[تہمّن ۳۱ آیت ۱۷]

### جہاد بذریعہ ذرائع ابلاغ جدید

جہاد کیا ہے؟ صرف اور صرف بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا۔ برائی کے رستہ کو مسدود و محدود کرنا اور اچھائی کے رستہ کو فراخ و وسعت دینا۔ یہ عمل عرصہ دراز سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور اتنی دیر تک جاری رہے گا کہ جتنی دیر تک کرہ

ارضی پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم نہ ہو جائے اور اس کے احکام و قوانین نافذ نہ ہو جائیں۔ اب یہ ذمہ داری ان لوگوں کی ہے جو صدق دل اور بغیر ریاکاری اور نیک نیتی سے قرآن و سنت کی پیروی بھی کرتے ہیں اور پابندی بھی کرتے ہیں۔ اور کراتے بھی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے کہ:

”[نظام اسلام قائم کرنیوالے مسلمانو! تم احسن امت ہو اور تمہیں بنی نوع انسان کے لئے [رحمت بنا کر] میدان عمل میں لایا گیا ہے تم ان کو معروف یعنی فطری و حسین اور پسندیدہ امور سرانجام دینے یا کام کرنے کی ناصحانہ دعوت بھی دیتے ہو اور حکم بھی، نیز ان کو منکر یعنی غیر فطری و قبیح اور ناپسندیدہ کام کرنے کی ممانعت کرتے ہو، حکیمانہ انداز میں بھی اور حکماً بھی۔ اور اللہ کے احکام و قوانین اور تعلیمات کو عملاً مانتے بھی ہو“

[آل عمران ۳ آیت ۱۱۰ جزو]

برائی کا قلع قمع کرنے کے جتنے بھی طریقے اور راستے دستیاب ہوں انہوں موقع محل کے مطابق استعمال کرنا ہی کامیابی کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ آجکل جدید ذرائع ابلاغ یعنی الیکٹرانک میڈیا بہت زیادہ ہر دلعزیز۔ مقبول اور پسندیدہ ہو چکا ہے اور اس کی مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے یہ ان اجزاء پر مشتمل ہے۔

۱۔ ٹیلی ویژن

۲۔ انٹرنیٹ

۳۔ موبائل فون

چھوٹے ہوں یا بڑے۔ بچے ہوں یا بوڑھے۔ عورت ہو یا مرد۔ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ۔ غریب ہو یا امیر۔ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ معاشرے کا ہر فرد اس کا گرویدہ اور دلدادہ ہو چکا ہے۔ ٹیلی ویژن چونکہ ہر کان اور ہر آنکھ تک با آسانی رسائی رکھتا ہے اور پختہ اور ناپختہ ذہنوں کو براہ راست متاثر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے پروگراموں کو

احتیاط اور تدبیر سے ترتیب دے کر غیر اسلامی معاشرہ کو اسلامی معاشرہ کے فوائد اور خوبیوں سے آگاہ کرنا اور اس کے عملی پہلوؤں کو تمثیلی انداز میں اجاگر کرنا نسبتاً بہت آسان ہے۔ جس سے آہستگی اور درستگی سے معاشرتی۔ معاشی اور اخلاقی۔ برائیوں سے نجات حاصل کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ ٹیلی ویژن کو اصلاحی ادارے میں تبدیل کر کے نہایت سرعت سے بے ہنگم انسانی گروہ کو باسلیقہ اور منظم قوم کی شکل دینا مشکل نہیں رہتا۔

جدید ذرائع ابلاغ خاص طور پر انٹرنیٹ۔ فیس بک اور موبائل فون نے باہمی رابطوں کو بہت زیادہ قوت اور تیز رفتاری عنایت کی ہے۔ معلومات کا تبادلہ۔ واقعات سے آگاہی۔ حالات حاضرہ سے باخبری۔ بحث و مباحثہ میں سہولت۔ اور دیگر معاملات پر گہری نظر دنیا کے ہر کونے سے صرف ایک لمحہ کی دوری پر رہ گئے ہیں۔ جن کو استعمال میں لا کر عمل جہاد کو تقویت۔ سرعت۔ وسعت اور اعتماد سے مزین کیا جاسکتا ہے۔ ان سہولتوں سے کما حقہ فائدہ اٹھا کر اسلامی معاشرہ کی تجدید۔ تعمیر اور تشکیل نو کی جاسکتی ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل صرف ان افراد معاشرہ کے ہاتھوں ہوتی ہے کہ جو اللہ کی رضا و خوشنودی کے طلب گار ہوتے

ہیں۔

”بنی نوع انسان میں سے ایسے [اہل آرزو و خشیت] لوگ بھی ہیں۔ جو اللہ کی رضا و خوشنودی کی طلب و آرزو میں اپنے نفس [یعنی قلب و حواس اور جان و جسم] اس کے پاس بیچ ڈالتے ہیں۔ اور اللہ تو پے ہی اپنے بندوں پر غایت درجہ شفقت و کرم کرنے والا۔

[البقرہ ۲ آیت ۲۰۷]

جہاد کرنے والوں کی فضیلت مندرجہ آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہے۔

”[یاد رکھو!] مومنوں میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر [جہاد پر جانے کی بجائے] بیٹھے رہتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال و منال اور جسم و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال و منال اور جسم و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں

کو اللہ تعالیٰ نے [جہاد سے گریزاں و ترساں گھروں میں] بیٹھے رہنے والوں پر درجات میں فضیلت دی ہے۔ بہر حال 'اللہ تعالیٰ سارے کے سارے مومنوں کو خیر و حسنہ عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جہاد سے گریزاں و ترساں رہنے والوں کی بہ نسبت مجاہدین کو اپنے فضل سے جلیل القدر صلہ دے گا۔"

[النساء آیت ۹۵]

وقت کے گزرنے کے ساتھ معاشرہ کے طور طریقے۔ حال و احوال اور انداز کی تبدیلی عیاں ہے۔ بہتری اور اصلاح کی خاطر ان تبدیلیوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا اور اللہ کے قوانین کو نافذ کرنے کے جدید ذرائع کی مدد سے تگ و دو کرنا عین عبادت ہے۔ کیونکہ یہ زیادہ تیز رفتار۔ موثر اور ہر فرد تک آسان رسائی رکھتا ہے۔ کفر و الحاد کے اس پر زور اور مضبوط و طاقتور دور میں جہاں مسلمانوں کو اپنا وجود قائم رکھنا بھی مشکل اور دشوار ہو رہا ہے۔ وہاں اہل نظر و دل کو جدید ذرائع ابلاغ سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اپنی کھوئی ہوئی نظریاتی اور عملی زندگی کو مستعد اور بحال کر سکتے ہیں اس طرح اپنی ذلت و خواری اور کمزوری و بد حالی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور جہاد بذریعہ ذرائع ابلاغ جدید سے کامیابی حاصل کر کے اپنا عزت و وقار بحال کر سکتے ہیں۔

اللہ کی راہ جدوجہد اور تگ و دو کرنے والوں کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے۔

"[ایمان کا یہ اصل الاصول ہمیشہ یاد رکھو کہ] جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ کی راہ میں 'اللہ کے مظلوم و محروم حقوق بندوں اور نظام اسلام کے قیام و تحفظ کی خاطر جہاد یا لڑائی کرتے ہیں، لیکن جو نظام اسلام کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، وہ طاغوت 'یعنی اللہ تعالیٰ کے نظام اسلام اور اس کے بندوں کے دشمن کی خاطر لڑتے ہیں' لہذا شیطان یا دشمن نظام اسلام و مومنین کے خلاف جہاد بالسیف کرو، یقین رکھو! شیطان کی عیارانہ چال بودی ہوتی ہے"

[النساء آیت ۷۶]

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کو تقویت پہنچانے۔ عوام الناس کو اس کے مطابق زندگی کرنے۔ اسلامی تعلیمات و ہدایات کے مطابق معاشرہ کو استوار کرنے اور اصلاح احوال کی خاطر جدوجہد۔ تگ و دو اور محنت و کوشش یعنی جہاد کرنے کے دوران مجاہدان اسلام کو مضائب و تکالیف کا سامنا کرنا لازمی ہے اور جوان کا ہمت و جرات سے مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے مقصد کے لئے ثابت قدم اور باحوصلہ اور صابر رہتے ہیں تو اللہ ان سے خوش ہوتا ہے۔ اور ایسی خوشی صرف اعلیٰ مقدر والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں قرآن پاک میں ارشاد بانی اس طرح ہے

”[غور کے کانوں سے سنو!] بہت سے نبی گزرے ہیں جن کی معیت میں اللہ والوں یا اللہ کے عاشقوں نے [دشمنان حق سے] جہاد بالسیف کیا، یعنی جنگ کی۔ اور اللہ کی راہ میں ان پر مصیبتیں بھی پڑیں تو انہوں نے نہ ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہار ہی مانی۔ [یاد رکھو!] اللہ قوت برداشت رکھنے اور حوصلہ مندی و جرات سے ثابت قدم رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے [اور ان کو نصرت و فتح سے نوازتا ہے]“

[آل عمران ۳ آیت ۱۴۶]

### جہاد بذریعہ مال و منال

جس طرح دنیاوی زندگی کو رواں دواں رکھنے کی خاطر مال و دولت ایک اہم اور لازمی ذریعہ ہے۔ اسی طرح

دین اسلام کے تحفظ

اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بچاؤ

مسلمانوں کو سرطانی اداروں کی محکومی و غلامی سے نجات

فتنہ و فساد اور بد نظمی کے خاتمے

غریب، مظلوم و مقہور لوگوں کو معاشرتی و معاشی استحصال سے بچانے

اور دین اسلام کے پیروکاروں کی ترقی۔ فلاح و بہبود اور حفاظت۔ امن و امان اور پرسکون زندگی کے لئے جہاد

بذریعہ مال و منال بھی مسلمانوں کے ایمان کا ضروری جزو ہے۔

اسی لئے اہل ایمان کو اللہ رب العزت نے اس طرح آگاہ کر رکھا ہے کہ

”اے اہل ایمان! کیا میں تمہارے لئے اس سچی تجارت کی نشاندہی کر دوں۔ جو تمہیں اذیت ناک عذاب [دکھوں] سے نجات دلا دے؟ [اور وہ یہ ہے کہ]“

”تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و منال اور جسم و جان سے جہاد کرو۔ اگر تم جانو تو یہ تمہارے لئے بہتر اور موجب خیر و حسنہ ہے [بہت معمولی سی چیز دے کر آخرت کی ابدی راحتیں خرید رہے ہو، اس سے بڑی کامیابی کیا ہوگی!]

[الصف ۶۱ آیات ۱۰-۱۱]

اس حقیقت سے سب کو آگاہی ہے۔ کہ دنیاوی زندگی گزارتے ہوئے انسان کو اولاد، مال و دولت، خوبصورت عمارتیں، مویشی اور دوسرا سامان عیش عشرت بہت زیادہ پسند ہے اور اس کی حرص اور لالچ میں بہتر توجہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور بخل بڑھتا رہتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ مال و دولت خرچ کرنے سے گھبراتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے انکار کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جو اس کیلئے باعث ندامت اور عذاب بن جاتا ہے۔

”[میرے نبی ﷺ] اعلان کر دیں کہ [اے مومنو!] اگر تمہارے باپ، دادا، تمہارے بیٹے، پوتے تمہارے بھائی، بہن، تمہاری بیویاں اور تمہارے اعزہ و اقارب اور مال و منال جو تم کماتے ہو۔ اور کاروبار جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں خوف رہتا ہے، نیز تمہارے وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اور اس کی راہ میں جہاد کرنیکی بہ نسبت تمہیں زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ [کے قانون مجازات] کا فیصلہ ظہور میں آجائے اور [یاد رکھو کہ] اللہ تعالیٰ [کا قانون احترام آرزو] عہد شکنی کرنے والوں کو راہ راست پر

نہیں لگاتا] کیونکہ انہیں اس کی طلب و آرزو نہیں ہوتی۔

[التوبہ ۹ آیت ۲۴]

مال و منال سے جہاد کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان اس طرح ہے۔

”حقیقت میں مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ [اعظم و آخر] پر ایمان لائے، پھر انہوں نے [ایمانیات یا قرآن کے معتقدات جلیلہ و محرکہ میں] قطعاً کوئی شک و شبہ نہ کیا، اور اپنے مال و منال اور جسم و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ [واقعہ یہ ہے کہ] یہی لوگ سچے [اہل صدق] ہیں۔

[الحجرات ۳۹ آیت ۱۵]

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی اس کے قانون مکافات عمل اور قانون فضل و انعام کی رو سے ان کے مدارج ارفع و اعلیٰ ہیں، نیز وہی کامیاب و فائز المرام ہیں“

[التوبہ ۹ آیت ۲۰]

”اے لوگو جو ایمان لا کر اسلام میں داخل ہوئے ہو! اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی آرزو و جستجو کرتے اور ضلالت یا گمراہی سے ڈرتے رہو؛ اور اس کے قرب کی طلب و سعی کرتے رہو، نیز اس کی راہ میں یعنی اس کے نظام حیات کلی کے استحکام و تحفظ کے لئے سعی و جہد [جہاد] کرتے رہو تا کہ تم دینوی و اخروی حسنہ پاؤ“

[المائدہ ۵ آیت ۳۵]

بے شک جدوجہد یہ حق دین اسلام میں وجود انسانی اور اس کی منصوبہ بندی۔ تدابیر اور ذہنی و جسمانی کاوشوں کو اولین حیثیت حاصل ہے لیکن دور جدید میں جہاد یا جنگ میں کامیابی کا انحصار متعدد جہدوں کا مرہون منت ہے مثلاً



- ۱۔ جدید ترین اور وافر مقدار میں سامان حرب کی دستیابی
  - ۲۔ تربیت یافتہ افرادی قوت کی موجودگی
  - ۳۔ ذرائع آمد و رفت کا جدید اور تیز رفتار نظام
  - ۴۔ خبر رسانی اور سراغ رسانی کا قابل اعتماد جدید ترین اور تیز رفتار نظام
  - ۵۔ قوم کی مکمل اور بے لوث تائید و حمایت
  - ۶۔ ذرائع ابلاغ کی مکمل اور بامقصد تائید و حمایت
  - ۷۔ تربیت یافتہ اور منظم شہری دفاع
  - ۸۔ ایمنیشن۔ پی۔ او۔ ایل اور خوراک کی بروقت۔ قابل اعتماد اور تیزی سے بہم رسانی۔
- تربیت یافتہ افرادی قوت جہاد یا گرم جنگ کا مستعد۔ اور سرگرم رکن ہوتی ہے لیکن مندرجہ بالا شعبہ ہائے حرب و ضرب کے بغیر یہ نامکمل اور ادھورا رہتا ہے۔ اور جن اہم جنگی یا جہادی شعبوں کا ذکر ہوا ہے ان کی منصوبہ بندی۔ کرنے۔ تربیت دینے اور عملی تجربہ سے گزارنے کیلئے ایک طویل مدت اور کٹھن۔ مشکل اور انتھک محنت کے علاوہ کثیر مال و دولت درکار ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے بار بار اہل ایمان کو تلقین کر رکھی ہے کہ اس نیک مقصد کے لئے ہر وقت اور کھڑی تیار رہیں تاکہ دشمن بے خبری میں اچانک وار کر کے نقصان نہ پہنچا سکیں۔

اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ

”اور [مسلمانو!] دشمنوں کے مقابلے کیلئے جہاں تک تمہارے بس میں ہو‘ تم قوت یعنی ہتھیار خصوصاً دور مار ہتھیار‘ اور سرحدوں کی حفاظت کیلئے مضبوط گھوڑے [لیکن اب بہترین ذرائع نقل و حرکت] تیار رکھو اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ [کے نظام حیات کلی] کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو! نیز ان کے علاوہ دشمنوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

یاد رکھو! اللہ کی راہ میں جو بھی [مال و منال وغیرہ وغیرہ] خرچ کرو

گے، اس کا صلہ تمہیں پورا پورا ادا کر دیا جائے گا۔ اور تم کسی طرح بھی گھاٹے میں نہیں رہو گے“

[الانفعال ۸ آیت ۶۰]

مزید فرمایا گیا کہ

”اے [میرے] نبی ﷺ! مومنین کو [جرحیت پسند دشمنوں کے خلاف] جہاد بالسیف کا شوق دلاؤ“

[الانفعال ۸ آیت ۶۵ جزو]

جن شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کو ساز و سامان سے لیس کرنا ضروری اشیاء مہیا کرنا۔ آراستہ کرنا۔ رخت سفر کا بندوبست کرنا۔ مال و دولت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسے ممکن بنانے کے لئے تمام مسلمانوں خصوصاً ایل ثروت کو بار بار جہاد بذریعہ مال و منال میں شامل ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

”مومنو! جہاد کے لئے نکلو؛ سبک بار ہو یا گراں بار، یعنی خواہ سامان حرب سے کم لیس ہو یا پوری طرح۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ کی راہ میں، یعنی اس کے نظام حیات کلی کی بقاء و استحکام کے لئے اپنے مال و منال اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اگر تمہیں [جہاد کی افادی اقدار کا] علم الیقین ہو تو تمہارے لئے احسن و افضل ہے“

[التوبہ ۹ آیت ۴۱]

جہاد بذریعہ قرآن۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

”یاد رکھنا! کبھی کافروں کی باتوں میں آکر ان کا کہا نہ ماننا۔ بلکہ ان کے ساتھ قرآن کے احکام کے مطابق جہاد کرنا، اور اپنے پورے وسائل اور قوت و توانائی کے ساتھ شدید جنگ کرنا۔“

[الفرقان ۲۵ آیت ۵۲]

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کافروں کے ورغلانے۔ بہکانے۔ پھسلانے اور دھوکہ دہی اور فریب کاری سے تمہیں اپنے مقصد اولیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے جدوجہد یعنی جہاد کو ترک نہ کر دینا بلکہ قرآن حکیم و مجید کی راہنمائی میں اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کے خلاف سر توڑ کوشش جاری رکھنا۔ اور اس عمل میں قطعاً کمزوری اور بزدلی نہ دکھانا۔ اس آیت و کریمہ کو مندرجہ ذیل آیت جلیلہ سے ملا کر اس اہم اور انتہائی لازمی عمل کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنا لینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

”[مسلمانو!] اللہ کی راہ میں ایسی سعی و جہد یعنی جہاد کرو جیسا سعی و جہد جہاد کرنے کا حق ہے یعنی نظام اسلام کے قیام و بقا کے لئے تن، من، دھن کے ساتھ حتی المقدور مساحی جمیلہ کرنا تم پر لازم ہے۔ [اس لئے کہ] اس کام کیلئے اس نے تمہیں منتخب کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ دین یا اپنے نظام حیات کلی کے معاملے میں تم پر بارگراں نہیں ڈالتا یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے۔ اس [اللہ] نے پہلی کتابوں میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ پیغمبر آخر صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے معلم بنیں اور تم بنی نوع انسان کے معلم بنو۔ چنانچہ تم نظام صلوة قائم کرو اور زکوٰۃ کا نظام بھی قائم کرو؛ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ [قرآن مجید کے وسیلے سے] اپنا رابطہ استوار رکھو! وہی تمہارا مولیٰ یعنی دوست و سرپرست ہے۔ دیکھو! وہ کتنا حسین سرپرست اور کتنا حسین مددگار ہے“

[حج ۲۲ آیت ۷۸]

اس روایت سے سب لوگ پوری طرح آگاہ ہیں کہ کرہ ارضی پر تمام ممالک کا نظام حکومت۔ حکومتی ادارے یعنی مقتنہ۔ انتظامیہ۔ عدلیہ وغیرہ ملکی آئین کے مطابق عمل پیرا رہتے ہیں۔ کوئی فرد۔ یا ادارہ اگر ملکی آئین سے انحراف کرے۔ یا اس کے مطابق کام نہ کرے۔ یا اس کی دانستہ یا نادانستہ خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو وہ ملکی قوانین کے مطابق سزا کا مستحق

ٹھہرتا ہے۔ یہ کائنات رب عظیم و کبیر کی ملکیت ہے۔ اس ملکیت میں اس کا کوئی قطعاً حصہ دار یا شریک نہیں ہے۔ اور وہ واحد اس مملکت کا حکمران ہے۔ عام ملکوں کی طرح اس مملکت کا انتظام و انصرام بھی ایک آئین کے تحت کیا جاتا رہا ہے یہ آئین قرآن پاک کی صورت اب موجود ہے جس کی پابندی یا زندگی کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا قابل سزا قرار پاتا ہے۔

مملکت ربانی کا آئین تحریری طور پر قرآن پاک کی صورت دستیاب ہے لہذا اس سلطنت کے ہر رہائشی پر فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی اس آئین کے مطابق بسر کرے ورنہ اس کے خلاف جہاد لازم ہو جاتا ہے۔

اس آئین کے بارے فرمان الہی ہے کہ یہ

”یہ بلاشبہ نہایت معزز و کرم نواز اور حسین و عالی مرتبت قرآن [بار بار اور کثرت سے پڑھنے کی شے] ہے [اور باطنی علوم کا آئینہ دار ہے]“

[الواقعة ۵۶ آیت ۷۷]

”اور یہ ہمارے پاس أم الكتاب [لوح محفوظ] میں محفوظ ہے جو عالی مرتبت مخزن حکمت ہے“

[الزخرف ۴۳ آیت ۴]

”بلکہ قرآن عظیم و ستودہ صفات ہے“

[البروج ۸۵ آیت ۲۱]

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو ذکر یعنی [اس کی سورتوں، آیتوں اور احکام و تعلیمات کو یاد کرنے اور رکھنے، اور سمجھنے، نیز ان سے پسند و نصائح حاصل کرنے] کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ تو پھر بے کوئی جو اسے یاد کرے، رکھے، سوچے، سمجھے اور نصیحت قبول کرے؟

[القمر ۵۴ آیت ۱۷]

الف۔ لم۔ را [ہمارے نبی ﷺ] ہم نے آپ پر یہ قرآن جو ایک کتاب ہے [بذریعہ وحی] نازل کیا ہے، تاکہ آپ بنی نوع انسان کو ان کے پروردگار

و آقا کے احکام کے مطابق [کفر و شرک اور فتنہ و فساد کے] اندھیروں سے نکال کر [ایمان و توحید اور امن و سلامتی کے نظام اسلام کی] روشنی میں لائیں، غلبہ و قوت کے مالک بالذات۔ جمیل و جلیل اور ستودہ بالذات کے راستے کی طرف [جو جنت کی راہ راست یا راہ مستقیم ہے]

[ابراہیم ۱۲ آیت ۱]

ان آیات مقدسہ میں دنیاوی زندگی کے خدوخال کی نشاندہی کر دی گئی ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے لئے جدو

جہد۔ تگ و دو یا جہاد کا راستہ اپنانا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اگر گرد و پیش پر نظر دوڑائی جائے یا ماحول کا بہ غور اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتے دیر نہیں لگتی کہ انسان۔ انسانیت اور دین اسلام کی ترقی۔ فلاح و بہبود اور خالق کائنات کے احکامات کی پیروی کرنے میں درج ذیل قوتیں حائل و رکاوٹ ہیں جن کو دور کئے بغیر کرہ ارضی پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کا نفاذ اور بنی نوع انسانوں کو صراط مستقیم پر چلانا ممکن نہیں۔

۱۔ نفس امارہ کا غلبہ اور شیطانی وسوسہ انگیزی

۲۔ اندرونی سرطانی اداروں کی حکمرانی اور غیر اسلامی قوانین کا نفاذ

۳۔ بیرونی دشمنوں کا خطرہ جارحیت اور غیر اسلامی یلغار

مندرجہ بالا محاذوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے تمام دنیاوی ذرائع سمیت قومی حمیت۔ جذبہ ایمانی۔ ملی وحدت۔ تقویٰ ربانی۔ جرات و ہمت۔ صبر و استقامت۔ یقین محکم۔ مستقل مزاجی۔ قوت برداشت۔ اور دوسری صفات حمیدہ کو مجتمع کرنے سے سعی و جہد یا جہاد کو تقویت ملتی ہے اور کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

یہاں اس وضاحت کی اشد ضرورت ہے کہ یہ سارا عمل کسی ذاتی یا دنیاوی غرض کی بنیاد یا لالچ پر نہ ہو بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کی خاطر ہو۔ دین اسلام کی سربلندی۔ امت مسلمہ کے وقار اور اسلامی معاشرہ کے قیام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا سبب بنے۔

قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ:

”یاد رکھو! جو شخص [اللہ کے قرب و رضوان کے لئے] جدوجہد یا جہاد [یعنی مجاہدہ] کرتا ہے۔ وہ دراصل اپنے ہی نفس [یا ذاتی فائدے] کے لئے کرتا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے وہ تمام اقوام عالم کی عبادت و ریاضت سے بے نیاز ہے“

[العنکبوت ۲۰ آیت ۶]

یہ آیت مقدسہ اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی میں دین اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد کرنا ہر مجاہد کے اپنے ذاتی فائدہ میں ہے کیونکہ:

۱۔ جس معاشرہ میں وہ زندگی کر رہا ہے۔ اگر وہ غیر اسلامی یا وہاں فاسقوں کی حکمرانی ہے۔ یا وہاں فتنہ و فساد برپا رہتا ہے اور امن و امان مفقود ہے تو اس کی اپنی زندگی۔ اہل خانہ اور عزیز واقارب کی زندگی نہ محفوظ رہے گی اور نہ پرامن۔

۲۔ اگر ملک پر غیر مسلم یا کافر حکمرانی کر رہے ہیں تو وہاں وہ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور رہیں گے وہ آزادی سے نہ تو اپنی روایات کے مطابق بسر اوقات کر سکیں گے۔ اور نہ ہی اپنی عبادات اور نہ اسلامی طرز زندگی کے مطابق رہ سکیں گے۔

۳۔ اگر ریاست میں فرعونی طرز حکومت کا اقتدار ہوگا تو عزت نفس کا محفوظ رہنا مشکل ہوگا۔ اہل ایمان کو بے غیرتی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اصناف جمیلہ کی عزت و ناموس غیر محفوظ ہو جائے گی۔ تعلیم و تربیت کافرانہ ہو جائے گی۔ اہل اسلام و حمیت گھٹیا درجے کے شہری قرار پائیں گے۔ کاروبار اور مالی و دولت حکمرانوں کے پسندیدہ لوگوں کے قبضہ میں چلا جائے گا اور دین کے دلدادہ غربت و مفلسی میں وقت گزاریں گے۔

لہذا جہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں بلکہ مجاہد کے ہر طرح کے فائدہ میں ہے۔ اور اس پر قوت ایمانی سے قائم رہنا ضروری ہے اور قرآن پاک میں دیئے گئے قوانین و احکام اور تعلیمات و ہدایات کو پیش نظر رکھ کر تمام ذرائع کو مجتمع کر کے دشمنان اسلام سے معاشرہ کی صفائی و طہارت کرنا فریضہ اولیٰ بن جاتا ہے جس پر کاربند رہنا ہر مسلمان پر فرض

ہے۔

”بے شک اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں“

[الصّف ۶۱ آیت ۴]

### جہاد بذریعہ قوت

تمام منفی رویوں۔ اعمال اور سوچوں کے تدارک کے لئے تمام ممکن ذرائع یعنی جہاد بذریعہ نطق۔ قلم۔ جدید ذرائع ابلاغ۔ مال و دولت وغیرہ کے استعمال کے باوجود جب امن و امان مفقود رہے۔ ونگا فساد ملک بھر میں برپا رہے۔ ظلم و تشدد جاری رہے۔ قتل و غارت موجود رہے۔ بددیانتی۔ دروغ گوئی۔ منافقت و ریاکاری عروج پر رہے۔ جرم و گناہ۔ شرک و اکابر پرستی۔ سود خوری اور استحصال پوری قوت سے بڑھتا رہے جنس فروش۔ ضمیر فروش۔ نطق اور قلم فروش قائم رہے معاشی ناہمواری شدید سے شدید تر ہوتی رہے۔ کافرانہ جارحیت اور مسلم علاقوں پر ناجائز قبضہ قائم رہے تو ان اور ان جیسے دوسرے جرائم کا قلع قمع کرنے اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے اللہ رحمن رحیم نے جہاد بذریعہ قوت کی اجازت دے رکھی ہے کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے لہذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور حکم اس طرح ہے کہ۔

”[مسلمانو! ب] تم پر [اللہ کی راہ میں لڑنا] فرض کر دیا گیا ہے اور یہ [اس وقت افرادی قوت اور سامان حرب و ضرب کی قلت کی بنا پر] تم پر بارگراں ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم مضرت و ساء سمجھ کر نفرت کرو اور وہ تمہارے لئے سود مند ہو۔ اور ایک شے کو تم سود مند اور محبوب سمجھو لیکن وہ تمہارے حق میں ضرر رساں ہو۔ یہ راز اللہ تو جانتا ہے۔ لیکن تم نہیں جانتے [اس لئے کہ تم غیب کی باتیں نہیں جانتے]

[البقرہ ۲ آیت ۲۵۶]

مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں جہاد کیلئے مزید تلقین کی جا رہی ہے۔

”اور اس واقفیت سے عبرت پکڑو اور وقت آپڑے تو بلا خوف و خطر اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو اور اس حقیقت کو سمجھ کر تسلیم بالیقین کر لو کہ اللہ سب کچھ سننے والا۔ کل احوال و ظروف اور موجودات کا علم رکھنے والا ہے“

[البقرہ ۲۰ آیت ۲۲۲]

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں تذبذب اور شک و شبہ کو ترک کر کے وقت آنے پر یا ضرورت پڑنے پر فوراً اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے جہاد پر نکلنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں ظلم و فساد کے سدباب اور مظلوم اور بے کس افراد ملت کو نجات دلانے کے لئے بھی جہاد کی تلقین کی جا رہی ہے۔

”جن مسلمانوں پر زبردستی جنگ ٹھونسی جا رہی ہے انہیں بھی دفاعی جنگ کرنیکی اس لئے رخصت دی جاتی ہے۔ کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ دیکھو! اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے“

[الحج ۲۲ آیت ۳۹]

”تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے [خاص کر ان بے یار و مددگار مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو فریاد کرتے رہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار و آقا! ہمیں اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم، یعنی ستمگر اور غاصب حقوق انسانی ہیں۔ نکال کر لے جا اور اپنی رحمت سے ہمارا کوئی حامی و معاون بنا دے؛ اور اپنی رحمت سے ہمارا کوئی مددگار بھیج دے“

[النساء ۴ آیت ۷۵]

مزید فرمایا گیا کہ

”.....جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کر سکتے



ہو، لیکن اسی قدر جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی ہو اللہ کی رحمت و مغفرت اور نصرت و ہدایت کی طلب و جستجو کرتے رہو۔ اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ آرزو و خشیت [متقیوں] کا حامی و ناصر ہے“

[البقرہ ۲۰ آیت ۱۹۲]

جہاد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی اس طرح راہنمائی فرما رہا ہے۔

”..... اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے۔ اور لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں یہ اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ اللہ جان لے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ انتہائی قوت والا سب پر غلبہ رکھنے والا ہے“

[الحمدید ۵۷ آیت ۲۵ جزو]

”..... نیز تمہارے لئے ایسی پوشاکیں بنائیں جو تمہیں گرمی یا لو کی شدت سے بچاتی ہیں۔ اور ایسی زرئیں بھی جو جنگ میں تمہیں [ہتھیاروں کی ضرب سے] محفوظ رکھتی ہیں۔ اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ تاکہ تم اس کے بندگان تسلیم و رضا بن جاؤ۔

[النحل ۱۶ آیت ۸۱ جزو]

یہاں لوہے کا ذکر حفاظت ترغیب اور جنگی قوت کے طور پر کیا گیا ہے تاکہ مجاہد اس کے استعمال سے بھرپور فائدہ

اٹھا سکیں۔

”مومنو! جہاد کیلئے نکلنے سے پہلے [حفظ ماتقدم کا سامان] یعنی ہتھیار وغیرہ [کر لیا کرو۔ پھر] صورت حال کے مطابق [دستوں کی شکل میں پیش قدمی کرو یا جمعیت کی صورت میں [کوئی حرج نہیں]

[النساء آیت ۷۱]

جہاد کے حوالے سے مزید ہدایات درج ذیل آیت جلیلہ میں دی گئی ہیں۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ یعنی نظام اسلام میں داخل ہوئے ہو! [مشکلات اور نامساعد احوال و ظروف میں] صبر یعنی ثابت قدمی و استقامت اور استقلال و قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے رہنا اور دوسروں کو بھی ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کرنے کی زبانی و عملی تلقین کرتے رہنا؛ نیز اپنے دفاع کے لئے باہم ربط و ضبط رکھنا اور اللہ کے قرب و رضوان کی طلب و جستجو کرتے اور اس کے قانون مکافات عمل سے ڈرتے رہنا۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ تم مشکلات پر قابو پا کر ترقی و کامیابی حاصل کرو“

[آل عمران ۳ آیت ۲۰۰]

اس سلسلے میں مزید تاکید درج ذیل آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب [دشمن کے] کسی فوجی دستے سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو [ہر حال میں] ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ [کے] قوانین صبر و نصرت [کو مسلسل یاد کرتے رہو۔ تاکہ] تمہارے دلوں میں شمع امید روشن رہے اور [تم کامیاب ہو جاؤ“

[الانفال ۸ آیت ۲۵]

مسلمانوں کو لڑائی یعنی جہاد کے طور طریقوں سے آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ دین اسلام کے فطرتی خدو خال کو اجاگر

کیا جاسکے خواہ امن کا زمانہ ہو یا جنگ و جدل کا۔

”[مسلمانو!] جو لوگ تم سے لڑیں [تمہیں اجازت ہے کہ] تم بھی ان سے لڑو، مگر اللہ کی راہ میں یعنی اپنے یا مظلوموں کے انسانی حقوق کی خاطر اللہ کے قوانین و احکام کے مطابق لڑائی کرنا“ اور ان سے تجاوز نہ

کرنا اور نہ دشمنوں سے زیادتی کرنا“ کیونکہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے یا زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا“

[البقرہ ۲ آیت ۱۹۰]

”اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ و فساد کا قلع قمع ہو جائے اور اللہ کا نظام حیات کلی کامل طور پر قائم ہو جائے۔ اگر وہ اس فطری نظام زندگی میں برہمی و انتشار پھیلانے سے باز آجائیں [تو ان سے تعرض نہ کرو] چڑھائی صرف ظلم کرنے، یعنی فتنہ و فساد اور جارحیت کرنے والوں پر کرنی چاہیے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۹۳]

مزید ہدایت اس طرح ہے کہ

”اور ان [ جارحیت کرنے والوں] کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ اور ان کو وہاں سے نکال باہر کرو، جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال باہر کیا تھا [جنگ و جلاوطنی بلاشبہ بُری چیز ہے] لیکن فطری نظام زندگی میں انتشار پھیلانا قتل و خونریزی کی بہ نسبت حد درجہ بڑھ کر ظلم ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۹۱ جزو]

”پس [اے مسلمانو!] جب ان کافروں سے تمہاری مڈ بھیڑ ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں تک کہ جب ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو ان کو مضبوطی سے باندھ لو۔ پھر اس کے بعد [جنگی قیدیوں کو] احسان کر کے رہا کر دینا چاہیے یا کچھ فدیہ یا معاوضہ لے کر [اور یہ قید و بند کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جائے] تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے، یعنی جنگ موقوف ہو جائے۔ یہ [حکم] اس طرح ہے۔ [اسے ذہن نشین کر لو اور بجا لاؤ] اگر اللہ [اپنے قانون مشیت و تدبیری کے مطابق] چاہتا تو

خود ہی ان سے نمٹ لیتا۔ [یہ طریقہ اس نے اس لئے اختیار کیا ہے] تاکہ تم لوگوں کو [اپنے قانون ابتلاء کی رو سے] ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے، اللہ ان کے [حسین] اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا [بلکہ انہیں اپنے قانون انعام و فضل سے خوب نوازے گا]۔“

[محمد ﷺ ۲۷ آیت ۴]

”پس تم ہمت نہ ہارو [اور کافروں سے مرعوب نہ ہو جاؤ] اور [دب کر خود] صلح کی درخواست نہ کرو، [بالآخر] تم ہی غالب آؤ گے اور [یقیناً] اللہ تمہارے ساتھ ہے [وہ تمہارا رفیق و کارساز اور حامی و ناصر ہے] وہ ہرگز تمہارے اعمال [کا اجر] کم نہ کرے گا [تم کو تمہارے حصہ سے زیادہ دنیا میں اور تصور سے زیادہ آخرت میں دے گا]

[محمد ﷺ ۲۷ آیت ۳۵]

جہاد کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں بے شمار انعام و کرام اور نعمتوں کا بندوبست کر رکھا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی اس کے قانون مکافات عمل اور قانون فضل و انعام کی رو سے ان کے مدارج ارفع و اعلیٰ ہیں۔ نیز وہی کامیاب و فائز المرام ہیں“

”ان کا پروردگار و آقا خود ان کو اپنی رحمت و رضا اور باغات بہشت کی خوشخبری دیتا ہے، جہاں ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی“

”وہ ان جنتوں میں ابدالاد تک رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس [ان کے حسین اعمال کا] عظیم الشان صلہ ہے“

[التوبة ۹ آیات ۲۰ سے ۲۲]

”اور ان [مسلمانوں] کو جو اللہ کی راہ میں قتل یا شہید کئے گئے مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم ان کی مائیت و حقیقت کو نہیں سمجھتے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۵۴]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں۔ انہیں مردہ خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنے پروردگار و مالک سے نعمتیں ملتی رہتی ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۶۹]

اللہ رب العزت کے احکامات کی تعمیل اور پابندی۔ اس کی فرماں برداری اور اس کے حضور ہر قسم کی قربانی کی اعلیٰ ترین اور بے لوث ادائیگی کی بہترین مثال جہاد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ کے حضور قربان ہونے پر رضامندی فرماں داری کی معراج اور میدان کربلا میں برائی کے خلاف جہاد انسانیت کی زندگی میں اکیلی اور یکتا مثالیں ہیں جن کا کوئی نعم البدل موجود نہیں ہے۔



## 10

## حقوق

## حقوق والدین:

مٹی کو مختلف مراحل سے گزار کر اللہ خالق کائنات نے انسان کو تخلیق کیا اور اس میں اپنی روح داخل کر کے اس کی تکمیل کر دی۔ تخلیق اتنی معیاری اور مکمل تھی کہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس میں رد و بدل یا تبدیلی کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

بعد ازاں یہ تخلیقی عمل ماں باپ کی وساطت سے جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے تک تسلسل سے جاری رہے گا۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ کسی انسان کے لئے اس کے ماں باپ مجازی خالق کا درجہ رکھتے ہیں ظاہر ہے خالق کوئی بھی ہو اس کی پیدا کی ہوئی چیز کا فرض ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرے۔ اس کی تابعداری کرے اور اپنی ہمت کے مطابق اس کی خدمت کرے اور اس کے ہر حکم کو خلوص نیت سے بجالائے۔

ماں باپ اولاد کی پیدائش کے حوالے سے جو تکالیف اور مصائب برداشت کرتے ہیں اور اس کی پرورش پر جو محنت و مشقت اور تنگ و دو کرتے ہیں اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اولاد کو بہت سے احکام و ہدایات کا پابند کر رکھا ہے تاکہ اپنے والدین کا کسی حد تک ہی بدلہ چکا سکے کیونکہ ماں باپ کے احسانات کا بدلہ چکانا عملی طور پر اولاد کے بس میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے حق کی ادائیگی اور اولاد کو نصیحت اور ہدایت کے لئے قرآن مجید و حکیم میں بہت سی آیات نازل کی ہیں تاکہ انسان ان کی پیروی کر کے اپنے مستقبل کو روشن کر سکے اور ساتھ ہی اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے سکون قلب کا باعث بن سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی پاسکے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ:

”ان سے کہیے: آؤ میں تمہیں [قرآن حکیم سے پڑھ کر] بتاؤں کہ تمہارے پروردگار و آقا نے تم پر کیا پابندیاں لگائی ہیں؛ یہ کہ اسکی ذات و صفات! احکام و قوانین اور امور حکمرانی میں کسی اور کو اس کا شرک و سہیم اور معاون سمجھنا، نہ بنانا۔ لیکن اپنے ماں باپ سے احسن طریقے سے مالی تعاون کرنا کہ وہ خوش رہیں۔

[الانعام ۶ آیت ۱۵۱ جزو]

والدین سے حسن سلوک کے حکم کو درج ذیل آیت کریمہ میں سے اس طرح دہرایا گیا ہے۔

”دیکھو! ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ (مالی تعاون و حُسن سلوک کرنے کا) تاکید حکم دیا ہے۔ اُس کی ماں اُسے اپنے شکم میں تکلیف و نقاہت کے ساتھ اُٹھائے رکھتی ہے (پھر وہ اُس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار) دو برس میں اُس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔ (اے انسان!) ہم نے تجھے اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا اس لئے حکم دیا ہے کہ تاکہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر بجا لائے۔ بالآخر تم نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

[لقمن ۳۱ آیت ۱۴]

مندرجہ بالا آیات سے والدین کی فرماں برداری اور حسن سلوک کرنے کی اہمیت کا احساس اس حقیقت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی فرماں برداری کرنے کے فوراً بعد حکم دیا ہے کہ والدین کی تابعداری کرو۔ اس سلسلے میں مزید حکم ہے کہ:

”دیکھو! ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اُسے تکلیف سے [اپنے پیٹ میں] اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ تک ہے۔۔۔۔“

[الاحقاف ۴۶ آیت ۱۵ جزو]

ایک عام مشاہدہ اس طرح ہے کہ جتنی دیر تک کوئی فرد کم عمر کا ہوتا ہے یا اپنی بھرپور جوانی کو نہیں پہنچ جاتا اور برسر روزگار نہیں ہوتا یعنی وہ کلی طور پر اپنی بسراوقات اور ضروریات کے لئے اپنے والدین کا محتاج رہتا ہے تو عموماً اس کا رویہ بہتر اور قابل قبول رہتا ہے سوائے ان چند بد بختوں کے کہ جن کی تربیت چند ناموافق حالات کی بنا پر درست انداز میں نہیں ہو پاتی۔ درحقیقت نوجوانوں کی آزمائش اس وقت سے شروع ہوتی ہے کہ جب وہ برسر روزگار ہو جاتے ہیں اور ازدواجی بندھن میں جکڑے جاتے ہیں تو انکی توجہ۔ ان کی مصروفیات۔ ان کے اخراجات و لوازمات تقسیم ہو جاتے ہیں تو والدین کی جانب ان کے رویہ میں تبدیلی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں بچوں کی آمد۔ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی وجہ سے اس کا مالی بوجھ بہت زیادہ بڑھ جانے سے والدین کی طرف توجہ میں بہت زیادہ کمی واقع ہو جانا ایک روایتی عمل ہے اور اگر والدین اپنے بڑھاپے اور عمر رسیدگی کی بنا پر کمانے کے قابل نہ رہے ہوں تو اولاد کو مزید بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے جس سے اولاد کے رویہ میں منفی تبدیلی آ جاتی ہے اور یہی وہ موقعہ ہے کہ جب اولاد کی حقیقی آزمائش شروع ہوتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرنے اور اولاد کو اپنے فرائض بجانب والدین کی پرزور اور موثر انداز میں مندرجہ آیات کے ذریعے یاد دہانی کرائی ہے۔

”[اے انسان! گوش ہوش سے سن لے کہ] تیرے پروردگار نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کے



سوا کسی اور ہستی کے قوانین و احکام کو ماننا نہ کسی کی حمد و پرستش اور اطاعت و بندگی ہی کرنا، نیز اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور احسن طریقے سے مالی تعاون کرنا؛ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کی بات پر اف تک نہ کہنا اور نہ جھڑکی دینا [چاہے ان کی بات تمہیں ناگوار ہی کیوں نہ گزرے] بلکہ ان سے خوش خلقی و ادب سے کلام کرنا۔

”اور ان کے سامنے محبت و خدمت کے جذبات کے ساتھ سرنگوں رہنا؛ اور یہ دعا مانگتے رہنا، پروردگار! جس طرح انہوں نے چھوٹی عمر میں [محبت و شفقت سے] میری پرورش و تربیت کی، تو بھی ان پر رحمت ارزانی فرما“

[الاسراء ۱۷ آیات ۲۳، ۲۴]

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو والدین کی خدمت کرنے کے دوران یہ بھی نصیحت کی ہے کہ

”یاد رکھو! ہم نے انسان کو وصیت کی ہے یعنی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے والدین سے احسان کرے، یعنی ان کی مالی امداد کرے اور ان سے حسن سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ تجھے مجبور کریں بلکہ ان لوگوں کو میرا شریک ٹھہرا جن کے متعلق تو کچھ نہیں جانتا تو ان کا کہا نہ مانو۔ اے بنی نوع انسان! تمہیں آخر میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت میں تمہیں جتلاؤں گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہو“

[العنکبوت ۲۹ آیت ۸]

اولاد کی زبان سے مزید اس طرح کہلوا یا گیا۔

”پروردگار! اس روز جب حساب بیباق کیا جائے گا میری اور میرے والدین کی، نیز ان سب کی جنہوں نے تیرے نظام اسلام کو تسلیم بالیقین کیا ہے، مغفرت فرمانا، یعنی ہم سب کی سیئات محو کر کے ہمیں

بخش دینا“

[ابراہیم ۱۴ آیت ۴۱]

والدین کی اطاعت کرنے اور ان سے حسن سلوک کرنے کے عوض اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے۔  
”ایسے ہی لوگوں سے ہم ان کے حسین ترین اعمال قبول کرتے ہیں اور  
ان کی برائیوں سے درگزر کر جاتے ہیں، یہ اہل جنت میں شامل ہوں گے۔  
اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا ہے“

[الاحقاف ۴۶ آیت ۱۶]

## حقوقِ اولاد

ازدواجی زندگی کے آغاز سے ہی ہر جوڑا اولاد کی تمنا رکھتا ہے تندرست و توانا۔ صحت مند۔ خوبصورت اور نیک و  
فرماں بردار اولاد کی خواہش ہر ایک کی ہے۔ بچے کے دنیا میں وارد ہونے کے ساتھ ہی والدین کی ذمہ داریاں شروع  
ہو جاتی ہیں۔ بچے کی خوراک۔ اس کی مناسب اور آرام دہ رہائش۔ اس کا علاج معالجہ۔ اور دوسرے لوازمات کا بروقت  
انتظام اور بعد ازاں تعلیم و تربیت کا مناسب بندوبست۔

بچے کی ابتدائی خوراک ماں کا دودھ ہے جو بچے کی دو سال کی عمر تک جاری رہتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔  
”اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال اپنا دودھ پلائیں۔ وہ باپ جو  
رضاعت یا دودھ پلوانے کی کامل مدت مکمل کرانا چاہئے اس پر لازم ہے  
کہ وہ بچے کی ماں کے کھانے، کپڑے کا معقول بندوبست کرے، لیکن کفالت  
کا بار اس شخص کی مالی حیثیت کے مطابق ڈالنا چاہئے، اس سے زیادہ  
اسے زیر بار نہیں کرنا چاہیے [کہ یہ اللہ کے قانون عدل کا تقاضا ہے]

[البقرہ ۲ آیت ۲۳۳ جزو]

مندرجہ آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ بچے اور اس کی ماں کے اخراجات زندگی بچے کے والد کی ذمہ داری ہے۔

جو اسے اپنی استطاعت کے مطابق کرنے کا پابند ہے۔

اگر غور کیا جائے تو حقیقت عیاں ہوتے دیر نہیں لگتی کہ بچہ ابھی گود میں ہی ہوتا ہے کہ اس کی تربیت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ وہ گرمی۔ سردی کا احساس کرتا۔ غصہ اور پیار و محبت کو محسوس کرتا ہے۔ جو کچھ دیکھتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے اسے اپنے ذہن میں ذخیرہ کرتا جاتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح وہ غیر مرئی انداز میں گھریلو ماحول کے عین مطابق تربیت حاصل کرتا جاتا ہے اگر گھریلو ماحول اچھا اور خوشگوار ہوگا تو اس کے مطابق تربیت حاصل کرے گا اور اگر گھریلو ماحول پراگندہ ہوگا تو اس کی شخصیت اسی کے مطابق پروان چڑھے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچے کی پرورش اچھی اور نشوونما بہتر کرنے کی تمنا ہو تو اہل خانہ کو اپنی برائیوں کو تباہیوں اور خرابیوں کو فوراً دور کرنے کی سعی کرنا چاہئے تاکہ نومولود کی پرورش اسلامی انداز میں کر کے اپنے فرائض کو پورا کریں اسی حوالے سے درج ذیل آیت میں اچھی تربیت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو [جہنم

کی] آگ سے بچاؤ۔۔۔۔۔“

[التحریم ۶۶ آیت ۶ جزو]

بچے کو اچھی باتوں سے آگاہ کرنا۔ بُری چیزوں سے نفرت دلانا۔ الہی احکام کی پابندی کرنا۔ شرک کے ہر پہلو سے اجتناب کرنا اوصاف حمیدہ کو اختیار کرنے کی تلقین کرنا والد کے فرائض میں شامل ہے مندرجہ قرآنی آیات یہی سبق دے رہی ہیں۔

”اور جب لقمن اپنے بیٹے کو وعظ کر رہا تھا“ تو اس نے کہا: اے میرے

[پیارے] بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک یعنی معاون و سرہم نہ کرنا۔

اصل یہ ہے کہ شرک [ایسا] بڑا جرم ہے [جو ناقابل معافی ہے]“

[لقمن ۳۱ آیت ۱۳]

”اے میرے [پیارے] بیٹے! صلوٰۃ کو [اس کے تمام فرائض اور تقاضوں کے

ساتھ] قائم رکھنا اور فطری و حسین باتوں کی تلقین کرتے رہنا؛ لیکن غیر فطری اور غیر قرآنی باتوں سے منع کرتے رہنا اور اس سلسلے میں جو مصائب تم پر ٹوٹیں، انہیں احسن طریقے سے برداشت کرنا۔ یہ بلاشبہ بڑی ہمت و عزیمت کے کام ہیں“

”دیکھنا [کہیں نخوت و غرور سے] لوگوں سے منہ نہ موڑنا اور نہ زمین پر اکڑا کر چلنا۔ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کسی شیخی خورے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا“

”نیز اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا“ اور اپنی آواز می نرمی پیدا کرنا“ بے شک سب آوازوں میں سے زیادہ ناگوار گدھے کی آواز ہے“

[تہمّن ۳۱ آیات ۱۷ سے ۱۹]

اولاد کو نیکی کرنے اور اعمال صالح کی ترغیب دینا والدین کے حقوق بجانب اولاد میں شامل ہے۔ اگر والدین کی نصیحت پر اچھا رویہ اختیار کرنے اور نیک اعمال کی پابندی کرنے پر اولاد کار بند ہو جائے۔ تو اسلامی معاشرہ کی تشکیل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

جس سے موجودہ دگرگوں حالات میں اسلامی جذبہ حریت اور روایات کی تجدید ممکن ہو سکتی ہے دین کو دوبارہ زندہ کرنے کی تحریک کو تقویت دینے۔ مذہبی جوش اور عقیدت میں اضافہ کرنے۔ اسے تازہ قوت بخشنے اور دین حق کے احیاء اور بحالی کے لئے گہوارہ ثابت ہو سکتا ہے یہ انداز یقیناً قوموں کی تقدیر بدلنے میں میٹرز کا کام کرتا ہے۔

اولاد والدین کے لئے ایک انمول اثاثہ اور خزانہ ہوتا ہے اولاد کی محبت۔ اس کی بہتری اور ترقی والدین کی خواہش اولین کا درجہ رکھتی ہے اس لئے اولاد کے حق میں والدین کا اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح دعا گورہنا ایک قدرتی عمل ہے۔

”پروردگار! مجھے نظام صلوة قائم کرنے والا بنا۔ اور میری اولاد میں سے لوگوں کو ایسا بنانا۔ بار الہی میری آرزو قبول فرمانا“

[ابراہیم ۱۴ آیت ۴۰]

”اور جو یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے قلب و جان کی مسرت انگیز ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں اپنے اہل آرزو و خشوع بندوں [متقیوں] کا امام یا قائد بنا“

[الفرقان ۲۵ آیت ۷۴]

## حقوق قرابت دار:

ملنساری۔ آشنا مزاجی۔ صحت پسندی اور معاشرت پسندی انسانی فطرت میں شامل ہے۔ انسان میل جول اور پیار و محبت کو پسند کرتا ہے۔ خاندان۔ برادری۔ قبیلہ۔ قوم و ملت کی صورت زندگی کرتا ہے۔ اجتماعی اور معاشرتی انداز زندگی اس کی ضرورت ہے جس کی بنیاد باہمی محبت ہے اور محبت کا تقاضا ہے کہ تمام انسان ایک دوسرے سے الفت و یگانگت سے رہیں۔ ایک دوسرے سے ہمدردی اور نغمگساری کا رویہ اپنائیں۔ ایک دوسرے کے لئے کسی ایثار و قربانی سے دریغ نہ کریں۔ عدل و احسان کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل کریں۔ احترام انسانی کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔ معاشرہ کے ہر فرد کی عزت نفس اور نام و ناموس کا احترام و تحفظ اپنے لئے فرض سمجھیں۔ اسلامی معاشرہ کی خوبصورتی ان عناصر پر عمل کرنے سے بنتی ہے اور جو حقوق العباد کی تقویت کا باعث ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے اس پہلو کو اجاگر کرنے اور اس کی پابندی مندرجہ آیات قرآنی کے ذریعہ لازمی قرار دیا ہے۔

”دیکھو! اپنے اعزہ اقارب‘ اہل احتیاج اور ضرورت مند مسافر سب کو ان کا حق دو‘ لیکن مال و متاع کو بیجا خرچ نہ کرو۔ جیسا یہ محل خرچ کرنا ہوتا ہے“

[الاسراء ۱۷ آیت ۲۶]

”اے انسان! اپنے نزدیکی رشتہ داروں‘ محتاجوں اور مسافروں کو ان کا

حق [معلوم] دو۔ ایسا کرنا ان لوگوں کے لئے باعثِ حسنہ ہے جو اللہ کی رضا کے طلب گار ہیں۔ دیکھو! یہی لوگ دینوی و اخروی حسنہ حاصل کرنے میں کامیاب ہونے والے ہیں۔“

[الروم ۳۰ آیت ۳۸]

اپنے ارد گرد کے لوگوں سے حسن سلوک۔ حاجت روائی اور احسان وغیرہ یہ سب حقوق العباد کا حصہ ہیں۔ اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

”یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہیں عدل [انصاف کرنے اور دوسروں کا حق پورا پورا دینے] اور احسان [حق سے زیادہ دینا اور مالی تعاون کرنے] کا اور رشتہ داروں کو رزق دینے کا حکم دیتا ہے، نیز الفحشاء، یعنی بخل و بے حیائی، نیز غیر فطری و قبیح کاموں اور حد سے تجاوز کرنے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں پند و نصیحت کرتا ہے تاکہ بامقصد غور و فکر کرو“

[النحل ۱۶ آیت ۹۰]

اللہ تعالیٰ قرابت داروں سے تعلقات قطع کرنے کی بجائے انہیں مضبوط اور استوار کرنے کا حکم مندرجہ آیات کریمہ میں دے رہا ہے جس پر عمل کر کے حقوق العباد کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

”یہی اہل عقل سلیم اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو وفا کرتے ہیں لیکن پیمان شکنی نہیں کرتے“

”اور وہ ان رشتوں اور تعلقات کو قائم رکھتے ہیں جن کو قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے [کیونکہ ایسا کرنے میں ان کی بھلائی ہے]؛ اور اپنے پروردگار و آقا [کے قانون مکافات عمل] سے ترساں رہتے ہیں؛ نیز اعمال کے حساب کے المناک نتیجے [یعنی حسنات کے خسارے] سے خوف بداماں رہتے ہیں“

[الرعد ۱۳ آیات ۲۰، ۲۱]

رشتوں کے تقدس کو مندرجہ آیات کریمہ سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اور ان کو قائم رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔  
 ”فاسق لوگ وہ ہیں جو اللہ سے [بذریعہ کلمہ طیبہ] عہد و پیمانہ کو  
 پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اور ان [معائدوں اور رشتوں کو] منقطع  
 کر دیتے ہیں۔ جن کو استوار رکھنے کا اللہ نے قطعی حکم دیا ہے اور اس  
 طرح دنیا یا ملک میں بدنظمی و برہمی پیدا کرتے ہیں۔ یہی لوگ [دنیا  
 میں حیا طیبہ و حسنہ اور آخرت میں جنت سے محروم ہو کر] گھائے  
 میں رہنے والے ہیں“

[البقرہ ۲۰ آیت ۲۷]

ناراضگی کی صورت میں قطع رحمی نہ کرنے کی اس طرح تلقین کی گئی ہے۔

”دیکھو! جو لوگ تم میں بزرگی و برتری اور مالی کشادگی رکھتے ہیں  
 وہ اس بات کا حلفاً ارادہ نہ کریں کہ وہ اپنے اقربا محتاجوں اور اللہ کی  
 راہ میں ہجرت کرنے والوں کو [مالی] امداد نہیں دیں گے۔ بلکہ انہیں  
 چاہیے کہ ان [کی سہو و خطا] سے درگزر اور صرف نظر کریں۔ کیا تم  
 نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری سیئات محو کرے اور ان سے تمہاری حفاظت  
 کرے یا تمہارے گناہ اور خطائیں معاف کرے؟ یقیناً اللہ سیئات محو کرنے  
 اور ان سے تحفظ فراہم کرنے والا۔ بڑا ہی ترس کھانے درگزر کرنے اور  
 رجوع برحمت کرنے والا ہے“

[النور ۲۴ آیت ۲۲]

ہمسائے ایک دوسرے سے سائے کی طرح قربت رکھتے ہیں۔ اور اپنی قربت کی بنا پر رشتہ داروں کی دور رہائش  
 رکھنے کی بنا ان سے زیادہ ایک دوسرے کی ہمدردی۔ نغمساری اور فوری اور ضرورت کے کاموں میں مددگار ثابت ہو سکتا  
 ہیں۔ اچھے ہمسائے اکثر اپنے خاندان کا حصہ ہی تصور کئے جاتے ہیں ہر ہمسایہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کا ہر طرح دھیان رکھنا  
 دینی فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

”اور صرف اللہ کے قوانین و احکام اور تعلیمات کے مطابق زندگی کرو۔ اور اس کی ذات و صفات اور قوانین و احکام میں کسی اور ہستی کو شریک و سہیم سمجھو نہ بناؤ۔ [کیونکہ وہ وحدہ لا شریک ہے]۔ اور اپنے ماں۔ باپ سے، اور اعزہ و اقارب، یتیموں یعنی یتیم بچوں اور بے یار و مددگار افراد سے، نیز اہل احتیاج، قریبی ہمسایوں، دور کے ہمسائیوں، ہم جلیس و ہم کار رفیقوں، حاجتمند مسافروں اور اپنے زیر دست و کفالت افراد سے احسان یعنی احسن طریق سے مالی تعاون و حسن سلوک کیا کرو اور اپنے اپنا حسن معمول بنا لو۔ یاد رکھو! اللہ اترانے والوں اور ڈینگیں مارنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا“

[النساء ۴ آیت ۳۶]

## حقوق یتیم

اسلامی معاشرہ کو صحت مند روایات کا پابند بنانے کے لئے اس کے تمام گوشوں اور تمام جہتوں کو زیر نظر رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور کسی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کنبہ چونکہ معاشرہ کی ایک بنیادی اکائی ہے جتنی دیر تک اس کا توازن برقرار رہتا ہے اتنی دیر تک اس کا نظام خوش اسلوبی سے رواں دواں رہتا ہے لیکن جب اس میں کوئی رختہ یا کمی واقعہ ہوتی ہے تو کنبہ کا انتظام درہم بھرم ہو جاتا ہے خاص طور پر جب کنبہ کا سربراہ وفات پا جائے تو اس کے پسماندگان اکثر بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں اور نابالغ افراد کنبہ جو یتیم کہلاتے ہیں کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسے افراد معاشرہ کی اصلاح احوال اور ان کے تحفظ کیلئے راہنما اصول اور ہدایات اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں عمل کر کے ایسے ہتامی کی دلجوئی۔ حفاظت اور ان کے مال و جان کو تحفظ دے کر زندگی کی روانی میں باسانی شامل کیا جاسکتا ہے اور یہی اسلامی معاشرہ کی خوبصورتی ہے۔



”.....لوگ آپ سے یتیموں‘ یعنی ایسے بچوں اور بڑوں کے بارے میں جو بھری دنیا میں تنہا و بے یارو مددگار ہوں‘ دریافت کرتے ہیں۔ ان کو بتا دیجئے کہ ان کے احوال و ظروف اور اخلاق و کردار کی اصلاح و درستگی اور تحسین کرنا‘ حسنہ یا حسن عمل ہے، لیکن اگر ان کے ساتھ حسن نیت سے مل جل کر رہو اور ان کے کاروباری معاملات میں شریک ہو جاؤ۔ تو احسن ہے‘ کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور اللہ [حسن نیت اور بدنیتی کی حقیقت کو اور اسی کو] خوب جانتا ہے کہ احسان و اصلاح کرنے والا کون ہے اور دوسروں کے حق کو خورد برد کرنے اور معاشرتی زندگی بگاڑنے والا کون ہے؟.....“

[البقرہ ۲ آیت ۲۲۰ جزو]

مزید یہ کہ یتیم بچوں کی پرورش۔ تعلیم و تربیت اور اخلاق و کردار کی اصلاح ان کے سرپرستوں کی ذمہ داری ہے۔ اور ان کی یہ ذمہ داری اس وقت تک رہتی ہے کہ جب تک وہ سن بلوغت کو نہ پہنچ جائیں۔ اور وہ اپنی بقیہ زندگی خوش اسلوبی اور فہم و فراست سے گزار سکیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید ہدایات مندرجہ ذیل آیات کے ذریعے دی گئی ہیں۔

”جب تک یتیم یا بے یارو مددگار بچے سن بلوغت و مناکحت کو نہ پہنچ جائیں‘ ان کی سوجھ بوجھ اور اہلیت کی آزمائش کرتے رہو۔ اگر ان میں ذہانت و اہلیت دیکھو تو ان کا مال و دولت ان کے حوالے کر دو اور اس ڈر سے کہ کہیں وہ بڑے ہو کر اپنا مال و دولت واپس لینے کا مطالبہ نہ کر دیں اسے جلد جلد فضول خرچ کرنا شروع نہ کر دو۔ [ان کے سرپرست] جو آسودہ حال و بے احتیاج ہوں۔ ان کو [یتیموں کی کفالت کے اخراجات کے طور پر] ان کے مال و دولت میں سے کچھ لینے سے گریز کرنا چاہیے؛ البتہ جو سرپرست اہل احتیاج ہوں وہ [کفالتی اخراجات کے طور پر] اپنی حیثیت کے مطابق دیانتداری سے خرچ کرنے کے مجاز ہیں۔

جب ان کا مال و دولت ان کو واپس کرنے لگو تو گواہ کر لیا کرو۔ ویسے  
اللہ حساب رکھنے اور حساب لینے کیلئے کافی ہے [لہذا یہ حقیقت کبھی نہ  
بھولنا]

[النساء آیت ۶]

مزید ارشاد الہی ہے کہ

”اور یتیموں یا بے یار و مددگار افراد کے مال و منال [جو تمہاری تحویل  
میں ہوا] ان کو من و عن واپس کر دو؛ نیز ان کے نفیس و کار آمد مال کو  
اپنے گھٹیا اور ناکارہ مال سے ہرگز تبدیل نہ کرنا؛ اور نہ ان کے مال و  
دولت کو اپنے مال و دولت میں ملا کر ہضم کر جانا۔ یقین جانو! یہ بہت  
ہی بڑا جرم و گناہ ہے“

[النساء آیت ۲]

”دیکھو! یتیم یا بے یار و مددگار بچے کے مال، یعنی منقولہ و غیرہ منقولہ  
جائیداد کو ہاتھ نہ لگاتا“ مگر حسن نیت و طریقے سے، یہاں تک کہ وہ  
بالغ و جوان ہو جائے تو اس سلسلے میں کیا ہوا [عہد وفا کرو] یعنی یتیم  
کا مال و منال شرائط کے مطابق واپس کر دو [کیونکہ عہد و پیمان کا  
محاسبہ ہونا شدنی ہے“

[الاسراء آیت ۳۴]

یتیموں کے مال و دولت میں دانستہ خورد برد اور ضائع کرنے والوں کو مندرجہ آیت کریمہ میں تشبیہ کی گئی ہے۔  
”جو لوگ یتیموں یا بے یار و مددگار افراد کا مال و دولت زبردستی  
ہضم کر جاتے ہیں۔ وہ بلاشبہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ یقیناً  
دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ بالفاظ دیگر، وہ خود ظلم کی راہ پر چلتے  
ہیں۔ جو انہیں ان کی منزل آخر جہنم میں جاگرتی ہے“

[النساء آیت ۱۰]

اہل احتیاج یعنی یتیموں۔ بیواؤں اور بے یار و مددگار افراد معاشرہ کی کفالت کرنے والوں کو رسول اکرم ﷺ و اکبر و آخر نے انتہائی پسندیدگی کے زمرہ میں شامل فرمایا۔ اور اس عمل کو جہاد سے مشابہ۔ اور اپنے قریب تر قرار دیا۔

اہل احتیاج سے بے رخی کرنے والوں کی کیفیت کا اظہار درج ذیل آیت سے عیاں ہے۔

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو مال و منال تمہیں دیا ہے اس میں سے [اللہ کے بندوں پر] خرچ کرو۔ تو منکران حق [کفر کی راہ اختیار کرنے والے] اہل ایمان [اہل تسلیم و رضا] کو جواب دیتے ہیں: کیا ہم ان [اہل احتیاج اور محروم لوگوں] کی کفالت کریں، جن کی کفالت اگر اللہ چاہتا تو خود کرتا [یہ عقیدہ و کردار رکھنے والو!] یقیناً تم تو صاف اور قطعی طور پر غلط روش پر ہو“

[یس ۳۶ آیت ۴۷]

بے شک اللہ رب العالمین اپنی تمام مخلوقات کا تہا خالق و رازق ہے۔ اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ اس نے اس کائنات میں جو کچھ بھی یعنی نعمتیں پیدا کی ہیں وہ اس کی تمام مخلوقات کے لئے عموماً اور خصوصاً بنی نوع انسان کے لئے مشترک اثاثہ ہیں یعنی اس میں ہر فرد کا حصہ اور حق ہے۔ لہذا صاحب اقتدار طبقہ کا فرض ہے کہ دنیا میں ایسا انتظام و انصرام وضع کیا جائے اور کفالت اجتماعیہ کا نظام قائم کیا جائے کہ ہر حقدار کو اس کا حق بخوبی ادا ہو سکے۔ اور معاشرہ مساویانہ طرز زندگی کا عادی ہو جائے اور یہی دین حق کا مقصد اولیٰ ہے۔

دنیاوی زندگی حقوق و فرائض سے عبارت ہے۔ ہر طبقہ زندگی اگر نیک نیتی اور ایمان داری سے اپنے فرائض کی ادائیگی کو یقینی بنالے اور اپنے حقوق کے حصول میں توازن پیدا کر لے تو اسلامی معاشرہ کے خدو خال نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی خوش اسلوبی سے مقصد حیات کی جانب رواں دواں رہتی ہے۔ ظاہر ہے اس زندگی کو خوش گوار۔ خوش حال اور خوش نما بنانے کے لئے کنبہ کے کردار کو نظر انداز کرنا محال ہے۔ کیونکہ کنبہ ہی معاشرہ کی ایسی اکائی ہے کہ جس سے تمام چشمے پھوٹتے ہیں۔ کنبہ کا مرکز دو افراد یعنی میاں بیوی یا ماں باپ پر مشتمل ہوتا ہے جس کے گرد تمام ارکان گردش کرنے پر مجبور ہیں۔ ان دو افراد میں ہم آہنگی۔ باہمی کشش۔ پیار محبت۔ ذہنی تعاون۔ اور مشترکہ کوششوں سے گھریلو ماحول اور

خاندانی تعلقات میں خوشگوااری کو تقویت بخشی جاسکتی ہے۔ لہذا ان دو اہم ترین ارکان خاندان یعنی ارکان معاشرہ کو اپنے حقوق و فرائض میں توازن کر کے اور عدل و احسان کو بنیاد بنا کر زندگی کرنے کا اہتمام کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ معاشرہ کی خرابیوں کا نقطہ آغاز یہی ہے۔ چونکہ میاں۔ بیوی ایک سکہ کے دو رخ یا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کی ہم آہنگی اور تعاون کے بغیر زندگی کے سفر کی تکمیل ممکن نہیں رہتی۔



# 11

## اخلاقِ حسنہ

اللہ رب العالمین کا پسندیدہ انسان اور مسلمان بننے اور نفس مطمئنہ کا درجہ حاصل کرنے کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنا لازمی ہے۔ حقوق اللہ کے لئے بغیر ریا۔ نیک نیتی۔ تسلسل اور باقاعدگی سے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادات کی ادائیگی اور حقوق العباد کیلئے اخلاقِ حسنہ کو کل زندگی سے پیوست کرنا انتہائی ضروری بھی ہے اور انتہائی اہم بھی کیونکہ ارکانِ معاشرہ کے نفیس اور پاکیزہ اخلاق ہی اسلامی معاشرہ کی جان اور روح کا درجہ رکھتے ہیں۔

اجتماعِ شرک و کفر سمیت تمام انسانیت اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ کہ بہترین۔ اعلیٰ ترین اور بے مثال زندگی صرف اور صرف رسول ﷺ اکرم و اکبر و آخر سے وابستہ ہے اور اسی لئے خالق کائنات رب العالمین نے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا کل انسانیت کے لئے لازمی قرار دے رکھی ہے۔ اور اس اسوہ حسنہ کی پیروی سے مکمل اور پورا پورا فائدہ صرف وہی لوگ اٹھانے کے مستحق ہیں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کی واحد نیت۔ قرب و رضوان پر مکمل اور پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ اور یومِ آخر یعنی روزِ جزا و سزا کے انعقاد پر مکمل اور شک و شبہ کے بغیر یقین رکھتے ہیں اللہ رب العزت کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے داشکاف الفاظ میں اس حقیقت کا اس طرح اظہار رکھا ہے۔

”اور بلاشبہ آپ ﷺ کا خلق انتہائی ارفع و احسن اور آفاقی ہے“  
[القلم ۶۸ آیت ۴]

رسول ﷺ امین و صادق کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جن نعمتوں کی فراوانی کر رکھی ہے۔ ان میں سے حسن حق یا خوش خلقی سب سے اعلیٰ اور بہترین ہے۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ روز قیامت اعمال کے میزان میں سب سے زیادہ وزنی عمل حسن خلق ہی ہوگا۔

اخلاقِ حسنہ ایک ایسی مضبوط، ہمہ گیر اور عالمگیر قوت ہے کہ جو انسانی زندگی کو حیاتِ طیبہ بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کا دائرہ کار بہت وسیع اور ہمہ جہتی ہے۔ یہ حسن کلام و بیان۔ عدل و احسان۔ حق و صداقت۔ امانت و دیانت۔ صبر و استقامت۔ حلم و بردباری۔ لطف و کرم۔ محبت و شفقت ہمدردی و نغمگساری اور ایثار و قربانی جیسی انمول اچھائیوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان اچھائیوں کو اپنے اندر سمو کر آدمی انسان بنتا ہے اور انہیں بشرفِ اسلام کر کے ایک اچھا۔ نفیس اور پاکیزہ مسلمان بنتا ہے۔

حسن خلق کے بارے انسانِ اکمل و محکم حضرت محمد رسول اللہ کے ارشادات گرامی اس طرح ہیں۔

۱۔ نیکی تو حسن خلق ہے۔

۲۔ بالحاظ ایمان کامل مومن وہ ہے جن کا خلق حسین تر ہے۔

۳۔ تم میں سب سے زیادہ و نیک وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ حسین یا اچھا ہے۔

۴۔ مومن اپنے حسن خلق کی بدولت شب بیدار عابد اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

۵۔ تم میں سے مجھے وہ شخص بہت پیارا ہے جو صاحبِ حسن خلق ہے۔

۶۔ میں حسن اخلاق کی تکمیل کرنے کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔

۷۔ اے اللہ تو نے میری ظاہری خلقت یا پیکر و صورت کو حسین بنایا تو میرے خلق کو بھی حسین بنا دے۔

اخلاق درحقیقت دوسروں کے ساتھ رویوں کا نام ہے۔ اگر روئے احسن ہوں ملنے پر خوشی و مسرت ہو۔ اطمینان

وتشقی ہو اور اسے بار بار ملنے کی تمنا پیدا ہو کسی قسم کا خوف یا نفرت پیدا نہ ہو اور نہ ہی کوئی خطرہ یا دکھ و تکلیف کا خدشہ پیدا ہو تو ان رویوں کو اخلاقِ حسنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے برعکس اگر ملنے سے اجتناب کی کیفیت ظاہر ہو اور خطرہ و تکلیف کا اظہار اور نفرت پیدا ہو تو ایسے رویوں کو اخلاقِ سئیدہ کہا جاتا ہے۔

اخلاقِ حسنہ کی مثال خوش گفتاری و نرم خوئی اچھی مشاورت احسان کرنا۔ اقرار و وعدہ کی پابندی۔ حسن ظن۔ خوش گمانی۔ عجز و انکساری۔ عفو و درگزر۔ فراخ دلی۔ غصہ پر قابو۔ برائی سے اجتناب نیک کاموں میں تعاون سچ بولنا۔ آداب کو ملحوظ رکھنا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا وغیرہ وغیرہ ہے۔ اس کے برعکس اخلاقِ سئیدہ یا بد اخلاقی کی مثال قول و فعل میں تضاد۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی۔ وعدہ اخلاقی جھوٹی قسموں کا تکرار۔ چال بازی۔ مکر و فریب۔ ریا کاری۔ خود نمائی۔ دھوکہ بازی۔ الزام تراشی۔ تہمت۔ بہتان۔ غیبت۔ عیب جوئی۔ کینہ۔ حسد۔ تند خوئی۔ بد مزاجی۔ تکبر و غرور۔ اترانا۔ شیخی بگھارنا۔ برے القاب سے پکارنا۔ بہودہ مذاق خوشامد پسندی۔ حرص۔ بخل۔ بدگمانی پیدا کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ المختصر اخلاقِ حسنہ کے معیار کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

”کسی کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے کو نہ تو نقصان پہنچے اور نہ ہی دکھ“

اخلاقیات کا احاطہ قرآن حکیم و مجید نے متعدد آیات مقدسہ میں کیا ہے اُن کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

## گفتگو

انسانوں کے درمیان پہلا رابطہ بذریعہ گفتگو ہوتا ہے۔ گفتگو میں اعتدال۔ لہجہ میں نرمی۔ اور آواز میں خوش خلقی مد مقابل پر خوشگوار اثرات کا باعث ہوتی ہے۔ گفتگو کا رسیلا پن اور کڑوہ پن انسانی رویوں کا اظہار ہوتا ہے اور اس کی خوش الحانی اور چاسنی باعث کشش۔ اس لئے اچھی گفتگو کی تلقین مندرجہ ذیل آیات قرآن کی وساطت سے کی گئی ہے۔

”اور [مسلمانو!] جب کوئی شخص تمہیں تمہاری سلامتی و بقا کی دعاء [یعنی السلام علیکم کہہ] تو تم اس سے بہتر الفاظ میں دعائے

سَلَامَتِي و بَقَا دُو] یعنی السلام علیکم کے ساتھ ورحمته اللہ و برکاتہ کے الفاظ کا اضافہ کردو] یا جواب میں ویسی ہی دعا دو۔ یقین رکھو! اللہ تعالیٰ ہر شے [قول و فعل] کا حساب رکھنے والا ہے“

[النساء ۴ آیت ۸۶]

”اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات یعنی تعلیمات و احکام اور قوانین کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں تو ان کی پذیرائی اس طرح کریں [ان سے کہو: تم پر سلامتی ہو] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے! [یہ اصل عظیم ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ] تمہارے پروردگار و آقا نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے، یعنی اپنے بندوں سے محبت و احسان کرنا، ان کو دینوی و اخروی حسنہ سے نوازنا اور ان پر رحم و کرم کرنا اس کی ناقابل تغیر و تبدل سنت حسنہ ہے۔۔۔۔۔“

[الانعام ۶ آیت ۵۴ جزو]

”حسنہ اور سیئہ یکساں نہیں ہیں [آپ لوگوں کی سختی اور برائی کو اپنے] حسن سلوک اور خوب تر بات یا حسنہ سے دور کریں۔ تو [آپ دیکھیں گے کہ] جس شخص میں آپ میں دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا ایک جگری دلی دوست“

”یہ [رفعت و] صفت انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو تحمل و برداشت سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ مقام انہیں کو حاصل ہوتا ہے جو بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں“

[حج السجدة ۲۱ آیات ۳۴، ۳۵]

”نیز اسلام کے خلاف بالخصوص طنزیہ گفتگو اور ہر قسم کی لا یعنی ناشائستہ باتیں اور کلام سننے اور دیکھنے سے اعراض یا کنارہ کشی



کرتے ہیں۔

[المومنون ۲۳ آیت ۳]

”.... اور جب جہالت کے مارے لوگ ان کے منہ آئیں تو وہ سلام کر کے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ [لیکن ان سے بحث و تمحیص نہیں کرتے“]

[الفرقان ۲۵ آیت ۶۳ جزو]

”نیز جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اپنے اعمال کا نتیجہ خود بھگتیں گے اور تم اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتو گے۔ تمہیں سلام ہے اور ہم نادانوں سے میل ملاپ پسند نہیں کرتے“

[القصص ۲۸ آیت ۵۵]

بات چیت یا گفتگو کے حوالے سے اللہ رب العزت کا مزید حکم ہے کہ

”..... نیز لوگوں کے لئے تمہارا بیان و کلام حسین و دلاویز ہو، بول بھی حسین و مسرت انگیز ہوں اور اقوال و نگارشات بھی، اور اظہار و بلاغ بھی بلیغ و شہریں ہو.....“

[البقرہ ۲ آیت ۸۳ جزو]

موقع کی مناسبت سے موزوں۔ اصلاحی۔ مصالحانہ گفتگو جو بغیر کسی الجھاؤ۔ ابہام اور تلخی سے کی جائے تو اس سے گناہوں کی بخشش اصلاح اعمال اور کامیابی کے فوائد حاصل ہونا یقینی ہے جیسا کہ درج ذیل آیات جلیلہ سے ظاہر ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے قرب و حضور کی آرزو کرو، اور اس کے قوانین سے ڈرتے رہو، نیز سیدھی، کھری اور محکم بات کیا کرو“

”[اس کے نتیجہ میں] وہ [اللہ تعالیٰ] تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا! جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا

اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرتا ہے وہ عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے“

[الاحزاب ۳۳ آیات ۷۰، ۷۱]

حسن خلق کا تقاضا ہے کہ بات اس انداز اور پیرائے میں کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ مد مقابل کے دل میں اتر جائے اور نتیجہ خیز ثابت ہو۔ ارشادِ باری ہے۔

”اللہ تعالیٰ ان [منافق] لوگوں کے دلوں کے بھید خوب جانتا ہے ان سے درگزر کریں۔ اور انہیں پند و نصیحت کریں، نیز ان کو موثر و دل میں اتر جانے والی باتیں کہیں“

[النساء ۴ آیت ۶۳]

## عفو و درگزر اور غصہ

معاشرتی اور معاشی ناہمواری معاشرہ میں طبقات کو جنم دیتی ہے۔ جس سے قوم و ملت میں ہم آہنگی اور یک جہتی کمزور ہو جاتی ہے۔ نتیجہ معاشرہ کا ہر فرد ذہنی دباؤ۔ باہمی نفرت۔ حسد۔ تلخ کلامی۔ بے اعتمادی۔ بد اخلاقی اور غصہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس سے اخلاقی مسائل کا پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یہ مسائل طبقات کے درمیان الجھاؤ۔ بعد اور دشمنی کو پروان چڑھانے کا سبب بنتے ہیں۔ جو روزمرہ کے معمولات میں آلودگی پیدا کرتے ہیں جن سے بول چال۔ کاروباری معاملات خاندانی روابط۔ دوستانہ تعلقات۔ گھریلو اور دفتری حالات میں تلخی اور غصہ کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔ بد اخلاقی۔ تلخ کلامی۔ زیادتی بے اعتمادی لڑائی جھگڑا۔ روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔ جس سے بے سکونی اور بے یقینی در کر آتی ہے۔ اعلیٰ درجہ پر فائز افراد معاشرہ خود نمائی۔ کبر و تکبر۔ بڑاپن کا شکار ہو جاتے ہیں ان کے رویے تکمانہ۔ متکبرانہ۔ توہین آمیزانہ۔ فسادانہ۔ ظالمانہ۔ بے رحمانہ۔ جلا دانہ۔ اور حاسدانہ کی وجہ سے وہ ادنیٰ درجہ کے افراد سے تحقیر آمیز سلوک کرنا۔ ان کو ذلیل کرنا اور دوسرے تیسرے درجہ کا شہری سمجھنا اپنا حق برتری اقرار دیتے ہیں۔ اس قسم کے رویوں کی وجہ سے اعلیٰ و ادنیٰ میں

تفاوت۔ غم و غصہ اور نفرت کا پیدا ہونا فطرتی عمل ہے۔ ان کشیدہ حالات میں رویوں کو اعتدال میں رکھنے اور بھائی چارے کو تقویت پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات قرآنی پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

”اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ [کہ یہی برائیاں انفرادی و اجتماعی بربادی اور خسارے کا باعث ہیں] اور [اس بات میں ممتاز ہیں کہ] جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں“  
[الشوریٰ ۲۲ آیت ۳۷]

مزید فرمایا گیا:

”..... اور غصے کو پی جانے والے، نیز لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔ [یہ محسن ہیں] اور اللہ لوگوں سے احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے“

[آل عمران ۳ آیت ۱۳۴ جزو]

کسی کی غلطی اور زیادتی سے درگزر کرنا اور معاف کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔

”اور کسی کو ضرر پہنچانے کا بدلہ مضرت رسانی کے برابر [مقرر کیا گیا] ہے پھر جو کوئی معاف کرے۔ اور معاملہ درست کرے۔ تو اس کا صلہ دینا اللہ کے ذمے ہے بلاشبہ وہ زیادتی کرنے اور ضرر پہنچانے والوں کو پسند نہیں کرتا“

[الشوریٰ ۲۲ آیت ۴۰]

”اور جو شخص [قدرت رکھتے ہوئے بھی] اپنے آپ کو انتقام لینے سے روک لے اور قصور معاف کرے تو یہ یقیناً بڑی عزیمت و حوصلہ مندی کے کام ہیں“

[الشوریٰ ۲۲ آیت ۴۳]

”..... لہذا [میرے پیغمبر اعظم و آخر علیہ وسلم] آپ ﷺ [دشمنانِ اسلام کی حجت تردیدی اور دشنام طرازی سے] احسن طریقے سے درگزر کریں“

[الحجر ۱۵ آیت ۸۵ جزو]

مزید حکم دیا گیا:

”دیکھو! اگر تم [دشمنوں کی زیادتیوں کا] بدلہ لو تو اسی قدر لو جس قدر تمہیں اذیت پہنچائی گئی ہے۔ لیکن اگر تم صبر کرو یعنی برداشت اور درگزر کرو [اور انتقام نہ لو] تو یہ یقیناً برداشت و درگزر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے“

[النحل ۱۶ آیت ۱۲۶]

## پہلے اپنی اصلاح

روزمرہ کے معمولات میں یہ عمل یا بات عام ہو چکی ہے۔ کہ اپنا جائزہ لیے بغیر دوسروں کو اصلاح کرنے، غلطیوں کو دور کرنے۔ خامیوں سے اجتناب کرنے کیلئے نصیحتوں کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے حالانکہ اکثر نصیحت کرنے والوں میں بھی ویسی غیر معیاری باتیں موجود ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے تلخ کلامی اور بد نظمی تک نوبت پہنچتی ہے۔ اس طرح کے رویوں سے لوگوں کو سنوارنے اور ان کی اصلاح کرنے کا مقصد پورا ہونا ممکن نہیں رہتا اور اس کے منفی اثرات مرتب ہونا ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے معاشرتی اور سماجی واقعات کے سدبات کیلئے اصلاحی اقدام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو نصیحت کرنے سے قبل اپنی اصلاح کرنے کی ہدایت کی ہے کہ یہ بھی اخلاقِ حسنہ کا حصہ ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لا کر اسلام میں داخل ہوئے ہو! تم فقط اپنے کئے کے ذمے دار ہو! تمہیں اگر ضرر پہنچے گا تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں سے

پہنچے گا] چنانچہ اگر تم راہ مستقیم پہ ہو گے تو وہ جو راہ راست سے  
بھٹک گئے ہوں گے تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے [یاد رکھو! مومنوں  
اور کافروں] سب نے [محاسبہ و جزاء کیلئے ایک دن] لوٹ کر اللہ تعالیٰ  
کے حضور جانا ہے، پھر جو کچھ تم نے کیا ہوگا۔ اسے تم پر آشکارا کرے  
گا“

[المائدہ ۵ آیت ۱۰۵]

”یہ کیا کہ تم لوگوں کو البر یعنی حسنہ و خیر، انفاق و احسان اور  
اعمال صالحہ کرنے کی تلقین تو کرتے ہو۔ مگر اپنے آپ سے صرف نظر  
کئے رہتے ہو [یعنی خود یہ کام نہیں کرتے] حالانکہ تم الكتاب [اللہ کی  
کتاب] کو پڑھتے ہو اور اس کا درس دیتے ہو۔ پھر تم عقل سے کام کیوں  
نہیں لیتے، یعنی سمجھتے بوجھتے کیوں نہیں؟

[البقرہ ۲ آیت ۲۴۴]

## احسان کرنا

کرہ ارضی کے اندر اور اس کے باہر نیز اس سے پیدا ہونے والی تمام چیزیں تمام بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود  
کے لئے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے سبب حقدار ہیں اور اسلامی نظام حیات درجہ بدرجہ ہر ایک کو  
مساوی حقوق مہیا کرنے کا پابند ہے۔ کسی کو اس کے جائز حقوق سے محروم رکھنا ظلم بھی ہے۔ اور تخریب کاری بھی اور قابل  
تعزیر اسلامی نظام حیات کو نظر انداز کرنا نافرمانی اور بغاوت کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا سبب ہے۔  
حقیقت یہ ہے کہ جائز حقوق غصب کرنے کی بجائے ان کو ہر وقت اور پورا پورا ادا کرنا ہی اسلامی معاشرہ کی خوبصورتی ہے۔  
اور ہر فرد کی ذمہ داری۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حقوق کی ادائیگی سے اجتناب کرنیوالوں سے نفرت کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان کو دوست رکھتا ہے نیز احسان کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔

احسان کیا ہے؟ اسلامی نقطہ نظر سے ”احسان“ کرنے کا مفہوم اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

احسان ایک وسیع المعانی لفظ ہے۔ موجودہ عنوان کے تحت کسی فرد کا کسی دوسرے فرد کو خوشی اور برضا و رغبت اس کے حق سے زیادہ عطا کرنا احسان ہے بشرطیکہ اس عمل کے بعد اسے جتلا نایا اس کا اظہار کرنا یا اپنی برتری ظاہر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ یہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اور اس کی پابندی کرنا حسن عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور نصرت کا باعث ہے اس عمل کے احسن ہونے کا ثبوت درج آیات قرآنی سے حاصل ہوتا ہے۔

”یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہیں عدل [انصاف کرنے اور دوسروں کا حق پورا پورا دینے] اور احسان [حق سے زیادہ دینا اور مالی تعاون کرنے] کا اور رشتے داروں کو رزق دینے کا حکم دیتا ہے.....“

[النحل ۱۶ آیت ۹۰ جزو]

”اور صرف اللہ کے قوانین و احکام اور تعلیمات کے مطابق زندگی کرو اور اس کی ذات و صفات اور قوانین و احکام میں کسی اور ہستی کو شریک و سہیم سمجھو، نہ بناؤ [کیونکہ وہ وحدہ لا شریک ہے] اور اپنے ماں باپ سے اور اعزہ و اقارب، یتیموں، یعنی یتیم بچوں اور بے یار و مددگار افراد سے نیز اہل احتیاج، قریبی ہمسائیوں، دور کے ہمسائیوں ہم جلیس و ہم کار رفیقوں، حاجت مند مسافروں اور اپنے زیر دست و کفالت افراد سے احسان یعنی احسن طریق سے مالی تعاون و حسن سلوک کیا کرو [اور اسے اپنا حسن معمول بنا لو]۔ یاد رکھو! اللہ اترانے والوں اور ڈینگیں مارنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا“

[النساء آیت ۳۶]

## وعدہ پورا کرنا

وعدہ پورا کرنا یا وعدہ وفائی اخلاقیات کا ایک اہم جزو ہے اور انسانی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ عائیلی زندگی۔ خاندانی روابط۔ کاروباری تعلقات۔ سیاسی مصروفیت اور دیگر بے شمار معاملات کی پائیداری وعدہ وفائی کی مرہون منت ہے۔ اس کے بغیر معاشرتی اور معاشی زندگی کی روانی میں خلل کا پیدا ہونا ایک فطرتی نتیجہ ہے۔ اسلامی اور اخلاقی زندگی میں وعدہ وفائی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جسے ہر حال میں پورا کرنا لازمی ہے۔

روزمرہ کے معمولات کا خوش اسلوبی سے انجام پانا۔ تیز رفتاری اور روانی سے پایہ تکمیل تک پہنچنا۔ اور خوشگوار ماحول میں تمام معاملات کا طے پانا وعدہ ایفا کرنے سے ہی ممکن ہے اس کے برعکس اگر اس ذمہ داری کو نبھانے میں سستی۔ کوتاہی یا غفلت کا ارتکاب ہو جائے تو ماحول میں تلخی۔ غم و غصہ۔ بے اعتمادی اور ناخوشگوار کا پیدا ہونا فطرتی عمل ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے وعدہ نبھانے کی تلقین کی ہے جس کا اظہار مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے واضح ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے عہد و پیمان اور معائدے پورے کیا کرو۔۔۔۔۔“

[المائدہ ۵ آیت ۱ جزو]

”یہی اہل عقل و سلیم اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو وفا کرتے ہیں لیکن پیمان شکنی نہیں کرتے“

[الرعد ۱۳ آیت ۲۰]

”.....عہد وفا کرو۔ کیونکہ عہد و پیمان کا محاسبہ ہونا شدنی ہے“

[الاسراء ۱۷ آیت ۳۴ جزو]

”اصل یہ ہے کہ جو کوئی اپنا وعدہ وفا یا پورا کرتا ہے اور اللہ اور اس کی ہدایت کی طلب و جستجو رکھتا اور اپنی گمراہی اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتا ہے تو یقین جانو کہ اللہ متقیوں یعنی اہل آرزو

وخشیت کو دوست رکھتا یا ان سے محبت کرتا ہے“

[آل عمران ۳ آیت ۷۶]

”نیز اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو پورا کرو۔۔۔“

[النحل ۱۶ آیت ۹۱]

عہد کا پورا نہ کرنا اخلاقِ حسنہ کے منافی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ۔

”ہم نے ان میں سے اکثر کو اپنے عہد پر قائم نہ پایا۔ بلکہ ہم نے ان میں

سے اکثر کو فاسق یعنی بد عہد و بدکردار پایا“

[الاعراف ۷ آیت ۱۰۲]

”پھر جو اس عہد سے برگشتہ ہو جائیں یا زبان دے کر مکر جائیں تو

وہی عہد شکن و بدکردار ہیں“

[آل عمران ۳ آیت ۸۲]

## باہمی مشاورت

دوران زندگی ہر انسان کا بے شمار شعبوں۔ کاموں اور امور ضروریات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اسے کاروباری معاملات میں اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاندانی اور عائلی مسائل کو دیکھنا پڑتا ہے مصائب و تکالیف کو برداشت کرنا پڑتا ہے چونکہ ہر فرد ہر شعبہ ہائے زندگی اور ہر امر کا نہ تو کما حقہ تجربہ رکھتا ہے اور نہ ہی مناسب علم و فن۔ اس لئے اسے ان مسائل کے حل کے لئے دوسروں سے مدد درکار ہوتی ہے۔ مشاورت اخلاقِ حسنہ کا ایک ایسا حسین جزو ہے کہ جس سے ان مسائل کے حل میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے باہمی مشاورت کی ہدایت کر رکھی ہے جسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں ارشادِ باری ہے۔



”جو اپنے پروردگار و آقا کی آواز پر لبیک کہتے اور اس کا حکم مانتے ہیں اور صلوٰۃ کو اپنے تقاضوں، فرائض اور شرائط کے ساتھ [قائم کرتے ہیں، اپنے اہم مسائل باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو [مال و دولت، علم و عرفان، عطائے جاریہ یا جاہ و منصب وغیرہ دیا ہے۔ اس میں سے] ہمارے بندوں کی بھلائی اور فلاح [کیلئے صرف کرتے ہیں“

[الشوریٰ ۲۲ آیت ۳۸]

”ان لوگوں کے بیشتر خفیہ مشورے خیر و حسنہ کے لئے نہیں ہوتے۔ البتہ جو لوگ صدقہ یا احسان یا مالی تعاون یا معروف یعنی حسن عمل کی تلقین و تاکید کرتے ہیں یا لوگوں کے درمیان صلح و آشتی کے منصوبے بناتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ محض رضائے الہی کے لئے تو ہم انہیں حسین اجر فراواں دیں گے“

[النساء ۴ آیت ۱۱۴]

مزید فرمایا گیا کہ:

”.....[یہ اصول ہمیشہ یار رکھنا کہ] البریا احسان و حسنہ اور تقویٰ یعنی آرزو ہدایت اور خشیت ضلالت کی راہ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو یعنی ساتھ دو اور مدد کرو لیکن اِثم یعنی سیئہ اور شر کے کاموں میں ایک دوسرے سے ہرگز تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی طلب و جستجو کرتے اور اس کے قانون مکافات عمل سے ڈرتے رہو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ [کا قانون مجازات] گرفت کرنے اور سزا دینے میں بڑا ہی سخت ہے“

[المائدہ ۵ آیت ۲ جزو]

## اچھی باتوں پر عمل

اچھا انسان بننے کے لئے اچھی باتوں کی پیروی کرنا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اچھا انسان ہی معاشرہ کو قوت مہیا کر کے اسے اسلامی معاشرہ میں تبدیل کرنے کا باعث بنتا ہے اور اللہ رب کائنات کے احکامات و ہدایات اور تعلیمات و قوانین کی پابندی اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے اور اس میں خوشدلی اور رغبت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ آیت جلیلہ اس عمل کے لئے حوصلہ فراہم کر رہی ہے۔

”لہذا [اے پیغمبر ﷺ] میرے ان بندوں کو یہ نوید سنا دیجئے جو [ہر] سخن [حق] کو [گوش حق نیوش سے] سنتے ہیں، پھر ان میں سے بہترین باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ [اپنے] قوانین احترام آرزو اور ہدایت و تقویٰ کے مطابق کل زندگی میں [راہ مستقیم دکھاتا ہے اور یہی لوگ اہل عقل سلیم ہیں“

[الزمر ۳۹ آیت ۱۸]

## نیک کام

اچھی باتوں کی پیروی کرنا یا اچھی نصیحتوں کے مطابق عمل کرنا ہی نیک کام یا نیک عمل ہے اور نیک اعمال ہی دین حق کا مقصد ہے اور حیات طیبہ کا حسن ہے اس حوالے سے مندرجہ آیات کا مطالعہ کرنا اور ان کے مطابق روزمرہ معمولات کو سنوارنا ہی حقیقت آشنائی ہے۔

”.....[یہ اصول ہمیشہ یاد رکھنا کہ] البر یا احسان و حسنہ اور تقویٰ‘ یعنی آرزوئے ہدایت اور خشیت ضلالت کی راہ میں ایک دوسرے سے

تعاون کرو، یعنی ساتھ دو اور مدد کرو، لیکن اِثم یعنی سیئہ و شر کے کاموں میں ایک دوسرے سے ہرگز تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی طلب و جستجو کرتے اور اس کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ [کا قانونِ مجازات] گرفت کرنے اور سزا دینے میں بڑا ہی سخت ہے“

[المائدہ ۵ آیت ۲ جزو]

”.....[عدل و احسان اور ایثارِ قربانی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے میں لگے رہو.....“

[البقرہ ۲ آیت ۱۲۸ جزو]

”اور وہ لوگ کہ جن سے جس قدر بن پڑتا ہے [اللہ کی راہ میں] خرچ کرتے ہیں، باوجود اس کے، ان کے دل [اس کے قانونِ مجازات کے خوف سے] لرزاں رہتے ہیں کہ انہوں نے [اپنے اعمال کا حساب دینے اور ان کا فیصلہ سننے کے لئے] اپنے پروردگار کے حضور لوٹ کر جانا ہے“

”یہی وہ لوگ ہیں جو [لوگوں سے] احسان کرنے اور حسنات حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور ان کے حصول میں دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں“

[المومنون ۲۳ آیات ۶۰، ۶۱]

عدل و احسان، خیر و اصلاح۔ لوگوں کے حقوق کا دھیان رکھنے اور نیک کام سرانجام دینے والوں کے لئے اللہ

تعالیٰ کے ہاں ختم نہ ہونے والا اجر ہے

”یہ شک جو [اہلِ حسن و عشق] اسلام میں پورے پورے داخل ہو گئے اور انہوں نے خیر و اصلاح، پاسداریِ حقوقِ انسانی اور عدل و احسان کے امور سرانجام دیے۔ ان کو ایسا صلہ ملے گا۔ جو لامتناہی ہوگا۔“

[حج السجدة ۲۱ آیت ۸]

”لیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عدل و احسان، خیر و حسنہ اور اصلاح و پاسداری حقوق انسانی کے کام کرتے ہیں ان کو ایسا صلہ ملے گا جو لامتناہی ہو گا۔“

[الانشقاق ۸۴ آیت ۲۵]

”.....جو ایمان لاتے اور عدل و احسان، اصلاح اور حقوق انسانی کی پاسداری کرتے ہیں، اس کے نتیجے میں ان کو لامتناہی اجر ملے گا“

[التین ۹۵ آیت ۶]

نیکی کے کاموں اور عدل و احسان کو ظاہری طور پر کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے اور مخفی طور پر بھی۔ جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔

”اگر تم احسان و حسنہ یا مالی تعاون و حسن سلوک کی بات کو ظاہر کر دو یا مخفی رکھو یا سیئہ و شر سے صرف نظر کر لو تو [تمہیں اس کا صلہ دیا جائے گا] اللہ تعالیٰ تو بے ہی سیئات کو محو کرنے والا۔ اعمال کی کیفیت و کمیت کی تعین کرنے میں قدرت کاملہ رکھنے والا“

[النساء آیت ۱۴۹]

اللہ تعالیٰ نیک اعمال کو بہت پسند فرماتا ہے اور اس کا اجر کبھی بھی ضائع نہیں کرتا۔

”اللہ تعالیٰ سچے مومنوں اور عدل و احسان کے کام کرنے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کرتا ہے یعنی ان کی تمام سیئات کو محو کر دینے اور ان کو تحفظ دینے، نیز عظیم الشان صلہ دینے کی بشارت دیتا ہے۔“

[المائدہ ۵ آیت ۹]

اس سلسلے میں مزید فرمایا گیا۔

”یقیناً جو لوگ ایمان لاتے اور عدل و احسان، نیز اصلاح و فلاح کے

امور سرانجام دیتے ہیں، ہم [اپنے قانون معدلت اور انعام و فضل کے مطابق] حسن عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے“

[الکھف ۱۸ آیت ۳۰]

”اصل یہ ہے کہ جس شخص نے حسین عمل کیلئے یا الکتاب حسنات کیا اور وہ مومن بھی ہوا تو [ہمارے قانون معدلت کے مطابق] اس کی سعی نامشکور نہیں ہوگی۔ یعنی اس کی ہر کوشش کی قدر کی جائے اور اسے اس کا اجر بالضرور ملے گا [کیونکہ ہم اس کے تمام اعمال رقم یا ریکارڈ کئے جاتے ہیں“

[الانبیاء ۲۱ آیت ۹۴]

”[اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ قانون مکافات عمل کی حقیقت یہ ہے کہ] جو شخص [روز قیامت و جزا] اعمال صالحہ یا حسین اعمال کے حسین اثرات، یعنی حسنات کے ساتھ [ہمارے حضور] پیش ہوگا، اسے ایسے ہی حسین ثمرات دس گناہ زائد ملیں گے۔۔۔۔“

[الانعام ۶ آیت ۱۶۰ جزو]

## سچ بولنا

سچ بولنا۔ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین۔ یعنی اسلام کی اساس ہے۔ اور مسلمان کے کردار و اخلاق کی ایک اہم ترین صفت اور خوبی۔ اگر مسلمان کی ذات۔ اس کی ہر ہر رگ۔ اس کے دل و دماغ اور اس کی نوک و زبان میں سچ رچ بس اور گھل مل گیا ہے۔ تو ایسا مسلمان اپنے قول میں صادق۔ فعل میں مضبوط و توانا۔ اعمال میں راہ راست اور اپنے رویوں کے مطابق قابل اعتبار مسلمان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

”نیز جھوٹی اور غلط باتوں کی آمیزش سے سچ یا سچی باتوں کو مشتبہ و مشکوک نہ بناؤ اور نہ سچ اور سچی باتوں کو مخفی رکھو۔ حالانکہ تم [حقیقت سے] آگے رکھتے ہو“

[البقرہ ۲ آیت ۴۲]

سچ ایک ایسی خوبی ہے کہ جس سے انسان کا وقار بڑھتا ہے اور اس کی عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا ہے علاوہ اس عمل سے مزید فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً

۱۔ سچ بولنے والے شخص کو یاد رکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی کہ کسی مخصوص معاملہ میں وہ اس سے قبل کیا کچھ بیان کر چکا ہے یا اظہار کر چکا ہے کیونکہ سچ۔ سچ ہی ہے جب بھی کہا جائے سچ ہی ہوگا۔

۲۔ سچ بولنے والے شخص کی نیک نامی یا شہرت بطور ایماندار آدمی کے ہو جاتی ہے اور اس کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ لوگوں کی اکثریت سچے آدمی کی پیروی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور وہ قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ سچے آدمی کو ذہنی دباؤ۔ منفی اثرات اور غیر ضروری تفکرات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور وہ نسبتاً پرسکون زندگی گزار سکتا ہے۔

۵۔ سچائی اور ایمانداری آدمی کو پر اعتماد۔ بہادر اور جرأت مند بننے میں مدد دیتی ہے اور اس طرح عدم مساوات غیر ضروری غلبہ۔ دغا فساد۔ جھگڑا وغیرہ کی صورت ہمت و حوصلہ سے مسائل کو حل کرنے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

۶۔ سچائی کی بدولت سچا آدمی محرک۔ زیادہ با اثر اور ترغیب دینے والا اور ہر دلعزیز اور مقبول ہو جاتا ہے۔

۷۔ سچا آدمی اپنی سچائی کی بنا اپنے اور دوسروں کے لئے مفید اور فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔

اس طرح سچے آدمی کے لئے دنیاوی اور آخروی زندگی خوشگوار اور آسودہ ہو جاتی ہے لہذا ہر مسلمان کو اسے اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔

رسول اللہ کا فرمانِ حق ہے کہ:

۱: ہمیشہ سچی بات کہہ اگرچہ ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔

۲: اچھی اور میٹھی بات بھی صدقہ ہے۔

اچھے اخلاق میں مندرجہ ذیل رویے بھی شامل ہیں:

جب کوئی کام بخوبی سرانجام پا جائے تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیے یعنی ”الحمد للہ“ کہنا چاہیے۔

”اور کہیں گے کہ شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہم سے غم دُور کر دیا۔ یقیناً

ہمارا رب بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔“

[فاطر ۳۵- آیت ۳۴]

جب کسی کام کرنے کا ارادہ ہو تو اُس وقت ”انشاء اللہ“ کہنا ضروری ہے۔

”دیکھو! کسی شے سے متعلق ہرگز نہ کہنا کہ میں اسے کل کر دوں گا

مگر یہ کہ اللہ (اپنے قانونِ مشیت و حکمت کے مطابق) چاہے تو (کردوں

گا) پھر جب اپنے پروردگار کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر اس کا نام

لے لیا کرو اور کہو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ کامیابی کی

راہ مجھ پر کشادہ کر دے گا۔

[الکھف ۱۸- آیات ۲۳، ۲۴]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مشائدہ کرنے پر ”ماشاء اللہ“ کہنا چاہیے۔

”چنانچہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو (شکرِ نعمت کرتے ہوئے) تو نے

کیوں نہ کہا: ’وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ تدبیری و حکمت کے

مطابق) چاہتا ہے۔ ایسا کرنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں

ہے۔۔۔۔۔“

[الکھف ۱۸- آیت ۳۹ جزو]

رسول اکرم و اکبر کے فرمان کے مطابق اخلاقِ حسنہ میں مندرجہ ذیل عوامل بھی شامل ہیں لہذا ان کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ

بنا کر اُسوۂ حسنہ رسولؐ کی پیروی لازم ہے۔

- |                           |  |
|---------------------------|--|
| ۱: گفتگو میں سچائی        | ۶: صلہ رحمی                            |
| ۲: فقرِ اختیاری           | ۷: پڑوسی کی خدمت میں عار محسوس نہ کرنا |
| ۳: سائل کو عطا کرنا       | ۸: دوست کی خدمت میں عار محسوس نہ کرنا  |
| ۴: نیکی کر کے بدلہ اتارنا | ۹: مہمان کی تکریم کرنا                 |
| ۵: امانت کی حفاظت         | ۱۰: شرم و حیا                          |





## 12

## اخلاق سیئہ

قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں انسان یا بشر کو نفس کہا گیا ہے۔ اہل فکر نے نفس کی تین کیفیات کی تشخیص کی ہے۔ پہلی کیفیت کو نفس امارہ کہا گیا ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ یوسف [۱۲-۵۳] میں کیا گیا ہے۔ نفس کی دوسری کیفیت کو نفس لوآمنا کا نام دیا گیا ہے۔ جسے سورہ قیامہ [۵۷-۲] میں ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسری کیفیت مطمئینہ کہلاتی ہے اور سورہ الفجر [۸۹-۲۷] کی زینت بنایا گیا ہے۔ ہر نفس اپنے اپنے منصب۔ فرض منصبی یا خدمت تک محدود ہے اور پابند بھی۔ خواہشات۔ تمنیات آرزو ہیں اور جذبات شریپیدا کرنا اور ان کو سرعت سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ترغیب دینا نفس امارہ کی فطرت ہے۔ نفس امارہ اپنی خواہشات کی تکمیل میں تاخیر کا قائل نہیں۔ اور اس کے لئے جائز اور ناجائز کی پابندی اسے قبول نہیں اور تاخیر کی صورت حدود اللہ سے تجاوز کرنا اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور وہ ناجائز۔ ناروا۔ حرام و باطل۔ ناشائستہ۔ اور قبیح ذرائع استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا اور شیطان سے گٹھ جوڑ کر کے اپنے آپ کو مضبوط قوی اور توانا بنا کر غیر شرعی اور برے کاموں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ اور معاشرہ میں فساد برپا کرتا رہتا ہے۔

نفس امارہ کی مذموم حرکات اور اعمال خبیثہ کی ابتداء بُرے اخلاق سے ہوتی ہے۔ جس میں بتدریج اضافہ ہوتا

جاتا ہے اور شدت آتی جاتی ہے آخر کار جس کا نتیجہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نکلتا ہے حتیٰ کہ انسان اپنے آپ کو یقیناً دوزخ کا حق دار کر لیتا ہے۔

برے اخلاق یا خصائل مذمومہ کچھ اس طرح ہیں۔

### قول و فعل میں تضاد:

آدمی اگر کہے کچھ اور کرے کچھ اور تو اسے قول و فعل میں تضاد سے تعبیر کیا جاتا ہے جو فساد برپا کرنے کی ایک قسم ہے اور دُور رس نتائج کا حامل ہے۔ اور قوموں کی زندگی میں گراوٹ اور نفاق کا سبب ہے۔ جو بھیا تک نتائج کا شاخسانہ ہے۔

قول و فعل میں تضاد کا ذکر قرآن پاک نے اس طرح کیا ہے

”اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے“

[الشعراء ۲۶ آیت ۲۲۶]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ایسی باتیں [زبان سے] کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے؟“

”اللہ کے نزدیک یہ بڑا ہی مذموم اور سخت ناپسندیدہ فعل ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہیں کرتے“

[الصف ۶۱ آیات ۲، ۳]

بذات خود با عمل نہ ہونے کے باوجود دوسروں کو نصیحت کرنا بھی قول و فعل کا تضاد ہے۔ معاشرہ میں اس برائی یا بد اخلاقی کی جڑیں بہت مضبوط اور گہری ہیں اور ہر آدمی ہر موقع پر دوسروں کو نصیحت کرتا نظر آتا ہے حالانکہ اکثر نا صحیح خود ان برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ دو غلا پن یا منافقت اسلامی تعلیمات کے اُلٹ ہے اور اس سے اجتناب کرنا ہی پسندیدہ عمل ہے جس کا اظہار درج ذیل آیات قرآنی میں موجود ہے۔

”.....وہ اپنی زبانوں سے وہ کچھ کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہ تھا

اور جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ ان سے بھی کہیں زیادہ اس

سے آگاہی رکھتا ہے“

[آل عمران ۳ آیت ۱۶۷ جزو]

”یہ کیا تم لوگوں کو البر یعنی حسنہ و خیر، انفاق و احسان اور اعمال صالح کرنے کی تلقین تو کرتے ہو۔ مگر اپنے آپ سے صرف نظر کئے رہتے ہو۔ [یعنی خود یہ کام نہیں کرتے] حالانکہ تم الكتاب [اللہ کی کتاب] کو پڑھتے اور اس کا درس دیتے ہو۔ پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے یعنی سمجھتے بوجھتے کیوں نہیں؟“

[البقرہ ۲ آیت ۴۴]

جھوٹ بولنا:

دروغ گوئی یا جھوٹ بولنا بہت بڑی بد اخلاقی اور تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ یہ بھی قول و فعل کے تضاد کے زمرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ دروغ گوئی شخصیت اپنی اس عادت کی بنا پر کھوکھلی ہو جاتی ہے اسے اپنا جھوٹ چھپانے کی خاطر یا اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے بہت سے مزید جھوٹ بولنا پڑتے ہیں جھوٹ چونکہ آخر کار ظاہر ہو ہی جاتا ہے اس لئے قرابت داروں۔ دوستوں وغیرہ میں اس کا وقار اور عزت و احترام ختم ہو جاتا ہے اور معاشرہ میں وہ بدنام ہو جاتا ہے۔ جھوٹ اور جھوٹے آدمی کے بارے قرآن حکیم و مجید مندرجہ ذیل آیات مکرّمہ میں اظہار کرتا ہے۔ جن سے جھوٹے آدمی کی شخصیت کے متعدد پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

”..... نیز دروغ گوئی سے اجتناب کرو“

[الحج ۲۲ آیت ۳۰ جزو]

”..... ہم باطل [کی ہر شکل جیسے جھوٹ، بہتان وغیرہ وغیرہ] کو سچ کی مار مارتے ہیں تو وہ اس کا کچومر نکال دیتا ہے۔ نتیجہ وہ نابود ہو جاتا ہے۔ تم نے [اے باطل پرستو! آخر] تباہ ہو نا ہے اپنی ان [جھوٹی باتوں کی] پاداش میں جو تم بیان کرتے ہو“

[الانبیاء ۲۱ آیات ۱۸ جزو]

”[لوگو! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟“

”وہ تمام جھوٹے اور بدکار لوگوں پر اترتے ہیں“

”جو ان کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں اور اکثر جھوٹ بولتے ہیں“

[الشعر آء ۲۶ آیات ۲۲۱ سے ۲۲۳]

”وہاں وہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ“

[الانبا ۷۸ آیت ۳۵]

قرآن حکیم و مجید کے مطابق جھوٹے آدمی کی گواہی قابل قبول نہیں۔

”.....تو ان کی تہمت کی سزا یہ ہے کہ [انہیں اسی [۸۰] کوڑے لگاؤ۔

اور بعد ازاں ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اس لئے کہ یہ قانون شکن لوگو ہیں“

[النور ۲۴ آیت ۴ جزو]

جھوٹا آدمی منافقین میں شمار ہوتا ہے۔

”اُن کے قلوب [= دل و دماغ] میں [نفاق] کی بیماری ہے۔ اللہ [اپنے قانون آرزو اور قانون مجازات کے مطابق] انکی یہ بیماری [منافقت] اور زیادہ کرتا جاتا ہے اور ان کے لئے کریناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۰]

جھوٹا آدمی ہدایت اور اللہ کی رحمت سے محروم رہتا ہے

”.....بلاشبہ اللہ [اپنے قانون ہدایت و تقویٰ کی مطابق] اسے اپنی حسین و راست اور قائم و دائم رہنے والی شاہراہ کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جو جھوٹا سخت منکر توحید ہو“

[الزمر ۳۹ آیت ۳ جزو]

”بلاشبہ جو لوگ پاک دامن اور معصوم مومن عورتوں پر اتہام لگاتے ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے یعنی وہ اللہ کی رحمت و مغفرت سے دور و محروم ہوں گے‘ نیز انہیں بڑا کریناک عذاب ملے گا“

”اس روز [حساب و جزا] ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں‘ ان کے خلاف جو وہ کیا کرتے تھے‘ گواہی دیں گے“

[النور ۲۴ آیات ۲۳، ۲۴]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن جھوٹ نہیں بولتا یعنی جھوٹا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ روزمرہ کے معمولات میں جھوٹ اور خیانت کا شامل ہو جانا بے برکتی اور روزی میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ بے سکونی اور بے اتفاقی کا پیدا ہونا بھی اس کا نتیجہ ہے۔

وعدہ خلافی:

سب لوگ خواہ وہ کسی بھی مذہب۔ مسلک یا قوم سے متعلق ہوں بخوبی جانتے ہیں کہ وعدہ وفائی بہت بڑی نیکی اور وعدہ خلافی بدتر بدی ہے۔ گھریلو یا خاندانی معاملات ہوں۔ دور و نزدیک کے قرابت دار ہوں یا وسیع تر معاشرتی ماحول۔ کاروباری لین دین یا سیاسی تعلقات ہوں یا بین الاقوامی روابط ہوں ان میں وعدہ یا میثاق بہت اہمیت کا حامل ہے اکثر وعدہ خلافی کی بنا پر کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس میں شدت پیدا ہونے سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آ جاتی ہے ایسا معاشرہ جس میں وعدہ خلافی عادت بن چکی ہے وہ کسی صورت نیک اور قابل ستائش نہیں کہلاتا ہے۔ اس بد اخلاقی کے طرز عمل کے بارے قرآن مجید اس طرح اظہار کرتا ہے۔

”کیا یہ واقعیت نہیں کہ جب بھی انہوں نے [اللہ سے ایمان بالرسالت کے ذریعے] مضبوط عہد و پیمان کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس عہد کو دور پھینک دیا [یعنی اس کا احترام کیا نہ اس کو پورا کیا] اصل یہ ہے کہ اس میں سے اکثریت ان کی ہے جو دل سے ایمان لاتے ہی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام اور تعلیمات کو تسلیم بالعمل کرتے ہی

نہیں ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۰۰]

”پھر جو اس عہد سے برگشتہ ہو جائیں یا زبان دے کر مُکر جائیں تو وہی عہد شکن و بد کردار ہیں“

[آل عمران ۳ آیت ۸۲]

”ہم نے ان میں سے اکثر کو اپنے عہد پر قائم نہ پایا، بلکہ ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق یعنی بد عہد و بد کردار پایا“

[الاعراف ۷ آیت ۱۰۲]

اس بارے میں مزید تلقین اس طرح ہے۔

”نیز اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو پورا کرو، جب اسے کرچکے ہو۔ اور اپنی قسموں کو پکا کر دینے کے بعد نہ توڑو، حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن مقرر کرچکے ہو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو“

[النحل ۱۶ آیت ۹۱]

ریا کاری:

ریا کاری بھی معاشرتی بیماری اور اخلاقی برائی ہے۔ اسے خود نمائی یا دکھاوے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ریاکار لوگ دوسروں کی نظر میں اپنے آپ کو نیک اور پارسا ظاہر کرنے کیلئے اچھے کام کرتے ہیں حالانکہ ان کی نیت تقویٰ پرہیز۔ پاکیزگی اور نیکی کرنے کی نہیں ہوتی۔ اور صریحاً دھوکہ دہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جو ایک قابل سزا جرم ہے۔ قرآن پاک میں درج ہے۔

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاتا جو [قوت کے نشے میں] اپنے گھروں سے [میدان جنگ جانے کے لئے] اترتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوے کی خاطر نکلے تھے۔ اب لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اللہ [کا

علم] ان کے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے“

[الانفعال ۸ آیت ۴۷]

”جو ریاکاری یا دکھاوا کرتے ہیں۔ یعنی صلوٰۃ کو حسن عبادت۔ قرب و حضوری کا وسیلہ، آنکھوں کی ٹھنڈک اور جنت کی کنجی اور اپنی ذات کے نور کی تکمیل کا ذریعہ سمجھ کر نہیں، بلکہ اپنے آپ کو عابد و زائد اور پرہیزگار ثابت کرنے کے لئے ادا کرتے ہیں“

[الماعون ۱۰۷ آیت ۶]

”..... اور جب وہ صلوٰۃ قائم کرنے لگتے ہیں تو بے دلی و کائلی سے قیام کرتے ہیں۔ محض لوگوں کو دکھانے یا ان کے دکھاوے کیلئے، نیز بہت کم اللہ تعالیٰ کا ذکر و اذکار کرتے ہیں“

[النساء ۴ آیت ۱۳۲]

”اور جو لوگ اپنا مال و دولت لوگوں کے دکھانے یعنی نام و نمود کی خاطر خرچ کرتے ہیں وہ [در اصل] اللہ کے قوانین و احکام اور تعلیمات کو تسلیم بالیقین و عمل نہیں کرتے اور نہ روز قیامت نشاۃ ثانیہ اور روز حساب و جزا کو [ان کا ہم نفس و ہم نشین شیطان ہوتا ہے] جس نے شیطان کو اپنا ہم نفس و ہم نشین بنایا [وہ اس کی طرح ملعون و مغضوب ہوا کیونکہ] وہ بڑا ہی گھناؤنا اور خطرناک ہم نفس و ہم نشین ہے“

[النساء ۴ آیت ۳۸]

دل جس کام کے کرنے کو چاہے یا اس کی تصدیق میں حیل و حجت کرے اور مجبوراً وہ کام بیرونی دباؤ کے تحت کرے تو ایسے احسن اور نیک کام بھی ریاکاری کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کا میزان و وزن نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ درج ذیل آیت مقدسہ اسی حالت کا اظہار ہے۔

”اور ان کے انفاق‘ یعنی خرچ کئے ہوئے مال قبول نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اعظم و آخر کو تسلیم بالیقین کرنے سے انکار کیا ہے‘ نیز وہ صلوة کیلئے آتے ہیں۔ تو تسائل و کسلمندی کے ساتھ‘ اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے‘ مگر سخت ناگورای کے ساتھ۔“

[التوبہ ۹ آیت ۵۴]

دھوکہ بازی۔ چال بازی اور مکر و فریت:

اللہ تعالیٰ جو غیبت کو جاننے والا ہے انسانوں پر واضح کر رکھا ہے کہ شیطان الرجیم بنی نوع انسان کو اپنی دوسرے انگیزی اور چال بازی سے گناہ اور برے کاموں میں ملوث کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور بخشش و مغفرت سے دور کرتا رہتا ہے۔ انسانوں کو دھوکہ بازی۔ چال بازی اور مکر و فریب میں مبتلا کرنا بھی شیطانوں کے فرائض میں شامل ہے لہذا مسلمانوں سمیت تمام انسانوں کو ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے شیطانوں کے اس مذموم حربے سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم ان بد اخلاقیوں کے بارے اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

”جو کوئی عزت کی آرزو رکھتا ہے [اسے جان لینا چاہیے کہ] ہر قسم کی عزت دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی کی طرف پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں۔ اور وہ عدل و احسان اور خیر و حسنہ کے کاموں کو بلند کرتا ہے۔ جو لوگ بھیانک چالیں [جن کے اثرات قبیح اور آتش انگیز ہوتے ہیں] چلتے ہیں۔ ان کو [قانون مکافات عمل کی رو سے ذلت و مسکنت اور محرومی و حسرت کی] انتہائی شدید ادیتیں سہنا پڑیں گی۔ کیونکہ ان کی چالیں بیکار ہیں“

[فاطر ۳۵ آیت ۱۰]

”کیونکہ وہ [اللہ کی] زمین میں سرکشی کرتے تھے اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے لیکن ریشہ دوائیاں اور بری چالیں تو ریشہ دوانی



کرنے والے ہی کو ہلاک و برباد کرتی ہیں۔۔۔۔۔“

[فاطر ۳۵ آیت ۴۳]

”اپنا مال و منال آپس میں ناجائز ہتھکنڈوں سے کھایا نہ کرو، اور نہ دولت کو [رشوت کا] ذریعہ بنا کر حکام کے پاس پہنچ جاؤ۔ تاکہ [فیصلہ اپنے حق میں کرا کر] لوگوں کے مال و دولت کا کچھ حصہ خود ناحق کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو [کہ یہ ظلم و گناہ ہے]

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۸]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ یعنی نظام اسلام میں داخل ہو چکے ہو! ایک دوسرے کا مال آپس میں جھوٹ اور غلط ہتھکنڈوں کے ذریعے نہ کھاؤ۔۔۔“

[النساء ۴ آیت ۲۹ جزو]

### تہمت اور بہتان تراشی۔ الزام تراشی:

انسانی اخلاق و کردار میں دوسروں پر تہمت لگانا اور بہتان تراشی و الزام تراشی ایک بہت بڑی برائی ہے جو اسلامی معاشرہ کی بدنامی کا باعث ہے۔ اور لوگوں کے باہمی تعلقات کو پراگندہ کرنے کی کوشش۔ کسی دشمن کو نیچا دکھانے یا اسے لوگوں کی نظروں سے گرانے یا بدنامی کرنے کیلئے تہمت یا بہتان تراشی کا حربہ اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کو چھپانے یا ان کے منفی اثرات سے بچنے کیلئے دوسروں پر الزام تراشی بھی کی جاتی ہے۔ اپنی نااہلی یا نالائقی کی وجہ کسی کام کے مکمل نہ ہو سکنے پر بھی دوسروں پر تہمت لگانا یا ذمہ دار ٹھہرانا بھی ایک بہت بڑی بد اخلاقی ہے۔ اس بارے قرآن حکیم و مجید میں اس طرح درج ہے۔

”اور جو شخص قصور یا جرم تو خود کرے اور اسے کسی بے گناہ کے سرمنڈ ہے تو اس نے بہتان اور منہ بولتے گناہ [کے گھناؤنے نتائج] کا بار گراں اٹھا لیا“

[النساء ۴ آیت ۱۱۲]

”دیکھو! جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر‘ بغیر کچھ ناروا کام نہ کرنے کے باوجود اتہام لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں‘ وہ بہتان لگانے کا اور کھلے گناہ کا بھی بوجہ اٹھاتے ہیں“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۵۸]

مزید وضاحت درج ذیل آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

”بلاشبہ جو لوگ پاکدامن اور معصوم مومن عورتوں پر اتہام لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے دور و محروم ہوں گے؛ نیز انہیں بڑا کریناک عذاب ملے گا۔

[النور ۲۴ آیت ۲۳]

خالق کائنات اللہ رب العزت اپنے [وں پر رحم کرنے والا ہے اس لئے گناہ سرزد ہونے کے [اگر کوئی گناہ گار احساس ندامت کے تحت اپنے پروردگار و آقا سے توبہ کیلئے التجا کرے اور معافی کا طلب گار ہو۔ تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

”اس سے مستثنیٰ وہ لوگ ہیں جو اس کے بعد ندامت و عزم بالجزم کے ساتھ‘ مغفرت کیلئے اللہ سے رجوع کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سیئات محو کرنے اور ان سے تحفظ فراہم کرنے والا۔ بے حد ترس کھانے‘ بخشنے اور رجوع برحمت کرنے والا ہے۔“

[النور ۲۴ آیت ۵]

غیبت۔ چغل خوری۔ عیب جوئی:

انسان اپنی اخلاقی کمزوریوں اور شیطانی وسوسہ اندازیوں کی شہ پر طرح طرح کے بد اخلاقی اور گناہوں کے مشاغل میں الجھتا جاتا ہے اور بغیر سوچے سمجھتے اپنی دنیا اور عاقبت کو داغدار کرتا جاتا ہے۔ غیبت۔ چغل خوری اور عیب جوئی

□ ایک اسی قسم کی اخلاقی لعنت ہے جو انسان۔ اس کے عزیز و اقارب اور معاشرتی زندگی کے لئے بدنام داغ ہے جس سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت شک [اور گمان] کرنے سے اجتناب کرو کہ بلاشبہ بعض بد گمانیاں گناہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے [کے عیوب] کی ٹوہ میں نہ رہو اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت ہی کرے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوراہ ہو؟ دیکھو [یقیناً] تمہیں خود اس سے گھن آتی ہے۔ اللہ [کے قرب و رضوان] کی طلب و آرزو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ بار بار توبہ قبول کرنے والا۔ ترس کھانے اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔“

[الحجرات ۴۹ آیت ۱۲]

”[وہ شخص] جو لگائی بجھائی کرنے اور چغلیاں کھانے کے لئے ادھر ادھر آتا جاتا ہے“

[القلم ۶۸ آیت ۱۱]

”ہر اس شخص کیلئے بربادی مقدر ہے جو [بالمثافہ] طعن و تشیع اور بیٹھ پیچھے برائی کرنے کا عادی ہے“

[الہمز ۱۰۴ آیت ۱]

برائی تشہیر کرنے سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔

”اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر گز پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان اس شخص کے سوا جو ستم رسیدہ اور مظلوم ہو، کسی کی برائی کی تشہیر کرتا پھرے اور [یاد رکھو کہ] اللہ تعالیٰ تو بے ہی سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے والا۔“

[النساء ۴ آیت ۱۴۸]

## کینہ۔ حسد۔ تنگ نظری:

کینہ۔ حسد ایک ایسی ذہنی بیماری ہے کہ جو حاسد کی ذات تک محدود رہتی ہے اور اکثر جس سے حسد کیا جاتا ہے یا جس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ کسی کی پرکشش ذات۔ یا کوئی اچھی قیمتی چیز یا کسی کی دولت دیکھ کر یا کسی آسودہ حالی۔ مال اور اولاد کو دیکھ کر کوئی شخص اپنے اندر کڑھتا اور جلتا رہتا ہے اور اس کی قوت برداشت جواب دے جاتی ہے۔ اس بیماری سے حاسد چڑچڑا۔ کینہ پرور۔ جھگڑالو ہونے کے علاوہ منافقانہ رویہ اپنالیتا ہے۔ اس عمل سے حاسد اکثر اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل آیات کا ملاحظہ کریں

”اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو جو [نعمتیں] عطا کی ہیں اس باعث وہ ان سے حسد کرتے ہیں۔۔۔۔۔“

[النساء آیت ۵۴ جزو]

”اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے حسد کے باعث چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں حالانکہ حق پوری طرح ان پر واضح ہو چکا ہے۔۔۔۔۔“

[البقرہ آیت ۱۰۹ جزو]

حسد کے باعث کئی ضمنی اثرات یا خراہ اور نقصان دہ عادات انسانی شخصیت پر وارد ہو جاتی ہیں مثلاً قوت برداشت میں کمی۔ تحمل، ختم ہو جانا۔ صبر۔ حوصلہ اور بردباری کا غائب ہو جانا۔ علاوہ تنگ نظری تند خوئی۔ جھگڑالو پن اور بد مزاجی کا طہیت میں شامل ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ خامیاں انسان کو دوسروں کی نظروں سے گرائیکے علاوہ تعلقات کو کشیدہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

”سخت بد اعمال [و بد زبان] سرکش اور جفا کار ہے۔ اور ان سب عیوب کے ساتھ بد اصل [اور عالم میں رسوا] بھی ہے“

[القلم ۶۸ آیت ۱۳]

## تکبر غرور۔ خودنمائی:

دوسروں کے مقابلے میں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اعلیٰ اور برتر تصور کرے یا دوسروں کو ادنیٰ اور کم تر خیال کرے تو ایسا شخص متکبر یا مغرور کہلاتا ہے۔ اور اس کی یہ عادت یا خصلت تکبر اور غرور کہلاتی ہے۔ یہ عادت انسان کیلئے ایک مہلک بیماری ہے جو اسے گھن کی طرح چاٹ جاتی اور کھوکھلا کر دیتی ہے اور اسے شیطان کا پیرو کار بنا دیتی ہے کیونکہ تکبر کی بنا پر ہی شیطان عزت و وقار کے عروج سے نکل کر راندہ ہو اور گاہ اور قیامت اور [از قیامت تک لعنت زدہ قرار پایا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین حق یعنی نظام اسلام کی وساطت سے دنیا میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کو پسند فرماتا ہے کہ جو حسین و خوشگوار اور امن و سلامتی کا مرقع ہو، جہاں لوگ پیار و محبت۔ [کی چارہ۔ آزادی۔ مساوات خوشحالی اور عدل و احسان۔ حق و صداقت سے زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن تکبر جو کثیر الجہتی اخلاقی بیماریوں کا مجموعہ اور بنیاد ہے۔ ایسا معاشرہ قائم کرنے کے راستے میں ایک مضبوط رکاوٹ ہے اللہ اعظم و اکبر اور رسول مکرم تکبر اور متکبر کو پسند نہیں فرماتے اسی لئے قرآن حکیم میں اس موضوع کے حوالے سے متعدد آیات مقدسہ موجود ہیں جن سے اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ

”[اے بنی نوع انسان! یاد رکھو] تمہارا معبود و حاکم صرف ایک ہی معبود و حاکم ہے [اور وہ اللہ وحدہ لا شریک ہے] لیکن جو لوگ آخرت یعنی نشاۃ ثانیہ اور روز حساب و جزا کو تسلیم بالقین نہیں کرتے۔ ان کے قلوب، یعنی دل و دماغ توحید الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں، اور وہ زعم کبریائی میں مبتلا ہیں یعنی اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں“

[النحل ۱۶ آیت ۲۲]

”دیکھو! یہ لوگ جو باتیں چھپاتے اور جو کام چھپ کر کرتے ہیں، اور جو باتیں اور کام کھلم کھلا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً سب کچھ جانتا ہے [کیونکہ وہ عالم الغیب والشمادہ ہے۔] بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں۔

یعنی اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا“

[النحل ۱۶ آیت ۲۳]

”..... لیکن جنہوں نے اس کی عبودیت و فرمان برداری میں عار محسوس کی اور تکبر کیا، یعنی ایسا کرنے کو اپنی کسر شان سمجھا تو ہم [اپنے قانون مجازات کے مطابق] انہیں اذیت ناک عذاب کا مزا چکھائیں گے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے کوئی حامی و دوست پائیں گے نہ مددگار و شفیع۔“

[النساء ۴ آیت ۱۷۳ جزو]

”اُن کو جتایا جائے گا: تمہارا یہ انجام اس لئے ہوا ہے کہ تم زمین [دنیا] میں غیر حق [اور باطل] پر مگن تھے اور اس پر اترتے تھے“

”اب جاؤ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور وہ بہت ہی بُرا اور غم انگیز ٹھکانہ ہے، تکبر کرنے والوں کا“

[المومن ۴۰ آیات ۷۵ ۷۶]

لوگوں کی کمزور مالی حالت یا دنیاوی وسائل کی کمی کی پران سے نفرت کرنا اور حقارت کی نظر سے دیکھنا [تکبر

ہے۔

”دیکھئے! ہر حال میں ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رہنے پر قناعت کریں۔ جو اپنے پروردگار کے رضوان و قرب کی خاطر صبح و شام اسے پکارتے ہیں یعنی اس کی رحمت و مغفرت اور نصرت و ہدایت طلب کرتے رہتے ہیں۔ دیکھئے! آپ کی نظر التفات ان سے ہٹنے نہ پائے کہ [مبادا] آپ کے دل میں دینوی زندگی کی شان و شوکت کی خواہش راہ پانے لگے۔ نیز آپ ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ جن کے دل ہم نے [اپنے قوانین احترام آرزو و تقویٰ کے مطابق] اپنی یاد سے غافل کر دیے ہیں۔ اور ان

کا کہنا نہ ماننا جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان کے مطابق عمل یا زندگی کرتے ہیں۔ اور ان کے امور حد سے تجاوز کر چکے ہیں۔“

[الکھف ۱۸ آیت ۲۸]

اترانا۔ شیخی بگھارنا۔ اکڑ کر چلنا۔ دوسروں کو حقارت سے دیکھنا تو ہیں امیز گفتگو کرنا۔ ناجائز فخر کرنا۔ قوم۔ قبیلہ یا ذات کی □ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور فخر کرنا۔ یا حقارت سے دوسروں کا مذاق اڑانا۔ یہ سب تکبر کی شاخیں اور جڑیں ہیں۔ ان تمام اخلاقی خامیوں اور بیماریوں کو اللہ تبارک تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ لہذا اہل ایمان کو ہر قیمت پر ان سے چھٹکارا حاصل کرنا اولین ترجیح ہونا چاہیے اس حوالے سے قرآن حکیم و مجید میں مندرجہ ذیل آیات قابل غور اور قابل عمل ہیں۔

”یہ سب کچھ اس لئے ہے [تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہوا یا جو کچھ تم سے لیا گیا اور اس پر تم [دل شکستہ نہ ہو اور] غم نہ کھاؤ اور کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے، اس پر اترنا نہ [اور نہ شیخی مارو] اور [یاد رکھو کہ] اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والے اور شیخی باز ہیں“

[الحمدید ۵۷ آیت ۲۳]

مزید فرمایا گیا۔

”دیکھو! زمین پر اترتے ہوئے نہ چلنا۔ بلاشبہ تو زمین کو [پائے استکبار سے] شق نہیں کر سکتا۔ اور نہ کبریائی میں تو پہاڑوں تک ہی پہنچ سکتا ہے“

”ان سب کی سیئہ [یعنی ان کے قلب پر غم انگیز و سیاہ اثرات] تیرے پروردگار کو سخت ناپسند ہے“

[الاسراء ۱۷ آیات ۳۷، ۳۸]

”دیکھنا [کہیں نخوت و غرور سے] لوگوں سے منہ نہ موڑنا“ اور زمین پر

اکڑا کر چلنا یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کسی شیخی خورے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا“

[نقمۃ ۳۱ آیت ۱۸]

تکبر کرنے والوں کے لئے سزا کا ذکر مندرجہ ذیل آیات جلیلہ میں کیا گیا ہے۔

”اب جہنم کے طبقات میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ان میں ہمیشہ رہنا ہے دیکھو! تکبر کرنے یعنی اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے والوں کا کیا بھیانک ٹھکانہ ہے“

[النحل ۱۶ آیت ۲۹]

”تکبر سے گردن [حق سے] موڑ لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ راست سے بھٹکا دیں۔ چنانچہ اس جرم کی پاداشت میں ہمارے قانون مجازات کے مطابق ان کے لئے اس دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے اور قیامت کے روز ہم انہیں جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے“

”[اے متکبر و ضدی انسان!] یہ سب کچھ تو نے خود اپنے لئے آگے بھیجا تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ [اپنے قانون معدلت کے مطابق] اپنے بندوں سے ہرگز نا انصافی کرنے والا نہیں [بلکہ وہ تو ان کا رب عاشق ہے]

[الحج ۲۲ آیات ۹، ۱۰]

خوشامد پسندی:

اکثر لوگ اپنی ناجائز تعریف کو پسند کرتے ہیں ان کے لئے درج ذیل آیت قرآنی باعث عبرت ہے۔

”یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ جو لوگ اپنے کرتوتوں پر اترتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جو کارنامے انہوں نے سرانجام نہیں دیے ان سے منسوب کر کے ان کی تعریف و ستائش کی جائے وہ [اپنے اعمال سوء کے آتشیں اثرات یا] عذاب سے گلو خلاصی پالیں گے [ہرگز نہیں] بلکہ قانون



مجازات کی روسے [درد انگیز عذاب ان کا منتظر ہے“

[آل عمران ۳ آیت ۱۸۸]

تجسس۔ بدگمانی۔ شک و شبہ اور افواہیں پھیلانا:

لوگوں کے بارے تجسس کرنا اور شک و شبہ کرنا۔ خواہ مخواہ بدگمانی پھیلانا۔ غیر متعلقہ باتوں کا کھوج لگانا اور افواہیں اور غلط خبریں پھیلانا □ اخلاقی اور بری عادات میں شامل ہے۔ ایسی باتیں آدمی کی ذات کی بے توقیری۔ قرابت داروں میں بے اعتمادی۔ نفرت اور بے اتفاقی پیدا کرنے کے علاوہ معاشرہ کو پراگندہ کرنے کا باعث ہیں۔ ان سے اجتناب اور ہر طرح احتیاط سے کام لینا □ سے فوائد کو جنم دیتا ہے اور □ سے غلط فہمیوں اور ذہنی دباؤ سے نجات کا باعث ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات کی وساطت سے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ □ یا ہے۔

”[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت شک [اور گمان] کرنے سے اجتناب کرو کہ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے [کے عیوب] کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت ہی کرے۔۔۔۔۔“

[الحجرات ۴۹ آیت ۱۲ جزو]

”جو عدل و احسان کے کاموں اور مال میں بخل کرنے والا“ حدود شکن اور شک کرنے والا ہے“

[ق ۵۰ آیت ۲۵]

”اصل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس و گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ حالانکہ قیاس و گمان کسی طرح بھی حق الیقین کے مقابلے میں کارآمد نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو! تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا علم کلی رکھنے والا ہے“

[یونس ۱۰ آیت ۳۶]

اس سلسلے میں مزید بتایا گیا کہ

”اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو تیری طرف کان [تو] لگاتے ہیں [لیکن گوش حق نیوش سے نہیں سنتے اور نہ دل سے تسلیم بالیقین کرتے ہیں۔۔۔۔“

[محمد ﷺ ۴۷ آیت ۱۶ جزو]

”[اے نبی ﷺ] اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینے میں جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں، اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف کھڑا کر دیں گے، پھر اس کے بعد وہ آپ کے پڑوس میں تھوڑی ہی مدت رہ سکیں گے“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۶۰]

کسی طمع یا لالچ یا ذاتی فائدہ کے لئے کسی پر احسان کرنا □ بد اخلاقی میں شمار ہوتا ہے۔

”اور مت احسان کرو، بدلے میں زیادہ لینے کی خاطر“

”اور اپنے رب [کی رضا کے لئے اور تبلیغ دین] کی راہ میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات کو استقامت و پامردی کے ساتھ برداشت کیجئے [اور دل برداشتہ نہ ہوں]

[المدثر ۷۴ آیات ۶، ۷]

فحش گفتگو۔ لغو گوئی۔ یا وہ گوئی۔ بے ہودہ باتیں۔ اخلاق سوز خبر۔

جاہلانہ رسم و رواج اور نیک اور شریف النفس لوگوں کو پریشان اور تنگ کرنا □ ناپسندیدہ فعل اور قابل نفرت کام ہیں اور بے حیائی بد اخلاقی اور تکبر میں شمار ہوتے ہیں اخلاقی نفاست اور کردار کی بلندی کے لئے ان سے □ اجتناب کرنا ضروری □ ہے اور اہم □۔۔

”بے شک جو لوگ اہل ایمان میں فحش یا بے حیائی کی باتیں پھیلانا یا ان کا چرچا کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں [ہمارے قوانین سعی و اکتساب و

مجازات کے مطابق] دنیا اور آخرت دونوں میں کرب ناک عذاب دیا جائے گا۔ دیکھو! اللہ [بے حیائی کی اشاعت کی عبرت ناک نتائج و عواقب کا] علم رکھتا ہے لیکن تم علم نہیں رکھتے“

[النور ۲۳ آیت ۱۹]

”اور بنی نوع انسان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فضول باتوں کو ان کی حقیقت معلوم کئے بغیر لے لیتے ہیں۔ اور لوگوں کو اللہ کے راستے [صراط مستقیم] سے گمراہ کرتے ہیں۔ اور ان آیات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو [اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات عمل کے مطابق] ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا“

[تقمین ۳۱ آیت ۶]

مزید فرمایا گیا کہ

”[کیا تمہیں یاد نہیں کہ] جب ہمارے احکام تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے تھے تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاتے تھے“

”تم اپنی بڑائی کے نشے میں ان آیات قرآن کی تحقیر کیا کرتے تھے اور راتوں کو اپنی بیٹھکوں میں تم مل کر بد گوئی کیا کرتے تھے“

[المومنون ۲۳ آیات ۶۶، ۶۷]

”[وہ لوگ یاد رکھیں] جو بے شک مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا ٹین دیتے ہیں [پھر توبہ نہیں کرتے] ان کو جہنم کا عذاب دیا جائے گا“ اور انہیں آگ میں جلایا بھی جائے گا“

[البروج ۸۵ آیت ۱۰]

برے کام۔

بری صحبت اور بے حیائی □ قابل نفرت اور بد اخلاقی کے کام ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو بچانا □ احسن طریقہ

کار ہے۔

”اے لوگو! گناہ کے ظاہر اور اسکے باطن دونوں کو ترک کر دو، یعنی گناہ کے ظاہری اور مخفی پہلوؤں سب کو ترک کر دینا انسان پر لازم ہے چنانچہ جو لوگ گناہ [کی سیات] کماتے ہیں، یاد رکھیں کہ ان کو قانون مجازات کے مطابق ان کے اعمال سوء کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔“

[الانعام ۶ آیت ۱۲۰]

”اور جب لوگ بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔ تو اس کے جواز میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ [ہم نے اپنے اسلاف کو ایسا کرتے پایا ہے] جو متقی و پارسا تھے“ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان پر واضح کر دو کہ اللہ تعالیٰ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ تم کیوں اللہ سے وہ باتیں منسوب کرتے ہو جن کو تم جانتے تک نہیں؟

[الاعراف ۷ آیت ۲۸]

اس حوالے سے مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

”آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ میرے پروردگار و آقا نے یہ باتیں حرام قرار دیں ہیں۔“

ا۔ فواحش:

ہر قسم کی قبیح و بے حیائی کی باتیں، کھلم کھلا کی جائیں یا چوری چھپے۔

ب۔ تغافل و نافرمانی:

کسی کا حق معلوم غصب و سلب کرنا۔ یہ ناحق زیادتی ہے۔

ج۔ بلاسند شرك باللہ:

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور قوانین و احکام میں کسی اور کو شریک و سریم یا معاون سمجھنا اور ٹھہرانا، جس کے جواز کی سند اللہ تعالیٰ نے نازل نہ کی ہو۔

د۔ اللہ تعالیٰ سے متعلق ایسی بات کہنا جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

[الاعراف ۷ آیت ۳۳]

”پھر ان لوگوں کا حشر نہایت بھیانک اور غم انگیز ہوا جو اعمال سوء کرتے تھے۔ یعنی اللہ کے احکام کی قولاً و فعلاً تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے“

[الروم ۳۰ آیت ۱۰]

”وہ جو غیر فطری و ناروا کام کرتے تھے ان سے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ جو کرتے تھے بلاشبہ قبیح و غم انگیز تھا“

[المائدہ ۵ آیت ۷۹]



## 13

## معاشیات

تجارتی یا کاروباری سرگرمیوں سے معاشرہ کے ہر فرد کا ہر وقت واسطہ رہتا ہے خرید و فروخت کا عمل دن ہو یا رات جاری رہتا ہے اور اس کے اتار چڑھاؤ یا رو و بدل سے ہر کسی کا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔ جسے نظر انداز کرنا انتہائی مشکل ہے۔

معاشرہ کا حسن اور اس کی خوبصورتی تو ازن اور اعتدال کی مرہون منت ہے۔ تمام شعبہ ہائے زندگی کی طرح اس اہم شعبہ میں [توازن قائم رکھنا روزمرہ کے معمولات کا ضروری حصہ ہے۔ اس لئے] کہ خالق کائنات نے کائنات کے ہر حصے اور ہر گوشہ کو حسن اور توازن پر تخلیق کیا ہے۔ اور اس کی ہر چیز اور جزو کو موزوں [یا ہے۔ اور اسی توازن کے سہارے نظام کائنات خوش اسلوبی سے متحرک و روان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ

”اور [یہ ہماری جمالیاتی۔ ارتقائی تخلیقی فعلیت کا اعجاز ہے کہ] ہم نے مدور کرہ ارض کو پھیلا دیا ہے“ اور اس میں گراں ڈیل پہاڑ استوار

کر دیئے۔ نیز اس میں ہر قسم کی چیزیں ارتقائی و جمالیاتی انداز میں پیدا کیں، جو اپنے قد و قامت، احوال و ظروف اور افادی اقدار کے اعتبار سے [متوازن و زیبا ہیں“

[الحجر ۱۵ آیت ۱۹]

کاروباری مصروفیات کے لحاظ سے قرآن پاک میں اس طرح درج ہے۔

”اور اسی [اللہ] نے آسمان کو بلند کیا۔ اور اسی نے میزان قائم کر دی۔ یعنی کائنات کے پورے نظام کو عدل و توازن پر قائم کیا ہے“

”اس کا تقاضا ہے کہ اس کے قائم کردہ عدل و توازن میں خلل نہ ڈالو [اور فساد پیدا نہ کرو]“

”اور انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو۔ اور ترازو [یا ماپ تولی کے پیمانوں میں] ڈنڈی نہ مارو“

[الرحمن ۵۵ آیات ۷، ۸، ۹]

عدل و توازن۔ عدل و انصاف یا عدل و احسان کے اس حکم ربانی کا اطلاق اگر اقتصادی۔ معاشی۔ عدالتی۔ تعلیمی اور دوسرے متعلقہ شعبہ ہائے زندگی پر ہو جائے تو اسلامی معاشرہ کا قیام ممکن ہو سکتا ہے جس سے معاشی تفاوت۔ فقدان عدل و احسان۔ عدم انصاف اور محرومی اخوت و محبت اور تعطل سکون و اطمینان سے نجات ہو سکتی ہے۔

لا لچ۔ حرص اور بخل کاروباری اور تجارتی بے انصافی اور بددیانتی کا نقطہ آغاز ہے۔ جو ناپ تول میں کمی۔ ناقص بیکار اور ملاوٹ شدہ اشیاء کی فروخت۔ ناجائز اور زیادہ قیمتوں کی وصولی۔ جعلی۔ نقلی اور ناقص مصنوعات کی تیاری اور فروخت۔ سودا کر کے مکر جانا اور وعدہ خلافی کرنا۔ وغیرہ جیسے جرائم کے مرتکب ہو کر معاشرہ کو پراگندہ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

ناپ تول میں کمی ایک □ بڑی نا انصافی اور بددیانتی ہے جو معاشرہ کو گندہ کرنے سمیت بددیانت افراد کے ذہنوں اور جسموں کو □ آلودہ کرنے کا باعث ہے اس کے لوگ نجانے میں اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن □ نے میں

مصروف رہنے کے باوجود کامیاب تصور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس خبیث عادت۔ بدترین بد اخلاقی اور انتہائی بددیانتی سے قرآن پاک کی متعدد آیات کے ذریعے ان میں ملوث انسانوں کو آگاہ کر رکھا ہے جن پر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے معافی و توبہ کرنا اور مستقبل میں اس برائی سے اجتناب کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

”اور اے برادران قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو! ورنہ تباہ حال ہو جاؤ گے“

[سُودا آیت ۸۵]

”اگر پیمانے سے [سودا] دو۔ تو پورا بھر کر دو اور تولو تو درست ترازو یا آلہ وزن سے تولو۔ یہ طریقہ کار [تمہارے لئے] موجب خیر و برکت اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔“

[الاسراء آیت ۳۵]

مزید ہدایت اس طرح فرمائی گئی کہ

”پیمانے پورے بھرا کرو۔ اور ان [لوگوں] میں سے نہ ہو جانا جو لوگوں کو [وزن، پیمانے، مقدار، کیفیت یا خالصیت کے لحاظ سے] ان کی چیزیں کم دینے کے عادی ہیں“

”اور ٹھیک ترازو سے تولو کرو“

”لوگوں کو ان کی چیزیں دینے میں کمی نہ کرو، اور ملک کے نظام کو درہم برہم کرتے نہ پھرو“

[الشعراء آیت ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳]

مزید اس طرح تنبیہ کی گئی۔

”وہ مکار لوگ تباہ حال ہوں گے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں“

”یہ [مکار لوگ] جب لوگوں سے سودا لیتے ہیں۔ تو پورا لیتے ہیں“

”لیکن جب ان کو سودا دیتے ہیں۔ تو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں یعنی



ڈنڈی مارتے ہیں، اور کم دیتے ہیں“  
 ”کیا یہ لوگ اس [واقعیت] کو دھیان میں نہیں رکھتے کہ انہوں نے  
 دوبارہ زندہ ہونا ہے“  
 ”ایک بڑے روح فرما و شکیب رُبادن‘ یعنی بروز قیامت [حساب دینے] کے  
 لئے“  
 ”اس روز تمام بنی نوع انسان تمام جہانوں کے رب کے حضور حاضر  
 ہوں گے“

[المطففین ۸۳ آیات ۱ سے ۶]

تجارتی اشیاء کو اس نیت یا ارادہ سے جمع کرنا یعنی ذخیرہ کرنا کہ جب ان کی قلت واقع ہوگی اور ان کی قیمتوں میں  
 اضافہ ہوگا تب ان کو فروخت کیا جائے گا □ ایک قسم کی کاروباری بددیانتی اور بد اخلاقی ہے جس کی اسلامی معاشرہ اجازت  
 نہیں دیتا اور نہ ہی یہ عمل نظام اسلام کے تقاضوں اور اصولوں پر پورا اترتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے کہ  
 ”ہرگز نہیں [یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا] وہ تو شعلہ فگن آگ کی لپٹ  
 ہوگی“

”جو گوشت پوست کو چٹ کر جائے گی“  
 ”پکار پکار کر اپنی طرف ہر اس شخص کو بلائے گا جس نے [اللہ تعالیٰ  
 کے احکام تعلیمات اور آئین و قوانین سے] منہ موڑا اور پیٹھ پھیری“  
 ”نیز جس نے دولت جمع کی اور اسے سینت سنیت کر رکھا“

[المعارج ۷۰ آیات ۱۵ سے ۱۸]

تجارتی بددیانتی کثیرالاجہتی ہے جو کسی ملک۔ قوم اور معاشرہ کی اقتصادیات اور معاشیات کے لئے سم قاتل ہے  
 جو نہ صرف اس کی مالی حالت کو کمزور۔ ناتواں اور دیمک زدہ [دیتی ہے تباہی کے دھانے تک پہنچا دیتی بلکہ اس کے ایمان و  
 اخلاق کو اسفل سافلین تک پہنچا دیتی ہے جو دنیا میں ذلت و بدنامی کا باعث اور آخرت میں دائمی عذاب النار کا سبب ہے اسی  
 طرح کسی ملک میں عدالتی بددیانتی ملک و قوم کی جڑیں کھوکھلی کرنے۔ معاشرتی قدروں کو بدنما کرنے۔ اخلاقی اصولوں کو تباہ

و برباد کرنے اور عدل و انصاف کی بیخ کنی کرنے کیلئے کافی ہے۔ اگر عدالتی نظام کی بنیاد عدل اور انصاف پر استوار ہو جائے تو ملک و قوم کی خوش نصیبی اور خوش بختی بن جاتی ہے۔

تعلیم و تربیت کا اعلیٰ بے عیب اور متوازن نظام ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کے مترادف ہے۔ اس میں بددیانتی اور بداخلاقی کا درکار آنا ملک و قوم کے لئے تباہی و بربادی کا پیغام ہے۔ ایسی قوم کو تعلیمی بددیانتی کی وجہ سے اپنا وجود قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ تجارتی بددیانتی سے [کئی گنا زیادہ نقصان دہ ہے۔

دین اسلام تو ہمدردی۔ خیر خواہی۔ خلوص اور عدل و احسان سے عبارت ہے۔ جس سے ہر فرد سکون و اطمینان۔ امن و امان۔ عدل و انصاف اور خوشحالی سے فیضیاب ہوتا ہے ان نعمتوں کے فقدان سے معاشرہ اسلامی نہیں رہ سکتا اور اللہ اور اس کے رسول مکرم کی ناراضگی کا سبب بن جاتا ہے۔

مال و دولت سے منسلک ایک اور بیماری جو امت مسلمہ میں رچ بس گئی ہے اور اس کی رگ و ریشہ سے پیوستہ ہو چکی ہے۔ جس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی سو دہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی ناراضگی بلکہ غیض و غضب کا سبب ہے۔ آخر سو دہے کیا؟

جو خالق کائنات اور رب عالمین کو اتنا ناپسند ہے۔

کسی شخص کا مال و منال جو کسی دوسرے شخص کے تصرف میں [رقرض یا ادھار زیر استعمال ہو اور مالک اس کے عوض استعمال کرنے والے سے اصل سمیت زائد یا فالتو رقم ٹورے یا حاصل کرے تو وہ فالتو یا اضافی رقم سود کہلاتی ہے۔ سو دی رقم حاصل کرنے کی کیوں ضرورت پڑتی ہے؟ اختصار سے اس طویل سوال کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے۔

موجودہ معاشروں کا جائزہ لیا جائے تو ہم معاشرہ طبقات میں منقسم نظر آتا ہے [لوگ دنیاوی آسائشوں سے پوری طرح لبریز ہیں۔ ان سے ہر قسم کی دنیاوی دولت گنی [نہیں جاتی اور سنبھالی [نہیں جاتی۔ یہ بے [دولت کے انبار ان کو بددیانتی اور بداخلاقی کے عمیق گڑھوں میں دھکیل دیتے ہیں اور ان کا طرز عمل۔ روزمرہ کے مشاغل انسانیت سوز مصروفیت۔ بڑے اور اخلاق سے گرے کام کرنے پر اکساتے رہتے ہیں اور وہ ہر برائی۔ ظلم و تشدد۔ بے انصافی۔

بدامنی۔ دنگا فساد۔ قتل و غارت۔ بددیانتی اور بد اخلاقی میں ملوث ہونے کے باوجود اپنے آپ کو راہِ راست کا مسافر جانتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگوں کی اکثریت اپنی بنیادی ضروریات یعنی خوراک۔ رہائش۔ تعلیم علاج و معالجہ سے محروم ہیں۔ اور وہ اس کمی کے پورا ہونے کی آس میں زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں ضروریات کی شدت ان کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ قرض حاصل کرنے پر مجبور ہیں لیکن ناقابل برداشت شرائط پر۔

یہ سودی قرضہ ان کو مصائب کے گڑھوں میں اور زیادہ دھکیل دیتا ہے۔

اور وہ غربت میں پستے پستے اپنی شناخت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں پھر اپنا قرض اتارنے کے قابل نہیں ہو پاتے۔ یہ طبقاتی ناہمواری انسانیت کا منہ چڑاتی رہتی ہے۔

ایسے حالات پیدا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ حکمران اور رعایا حاکم حاکمین کے قوانین و احکام اور ہدایات و تعلیمات کو نظر انداز کر چکے ہیں اور ان کو اپنی زندگی سے مکمل طور پر خارج کرنے کے درپہ ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیات جلیلہ و اشکاف الفاظ میں یہ اعلان کر رہی ہیں کہ اس کائنات کی ہر چیز چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کا مالک کلی و حقیقی اللہ رب العالمین ہے۔ اور انسانوں کو یہ چیزیں مستعار دی گئی ہیں تاکہ وہ ان کو استعمال کر کے خود فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اپنی دنیاوی زندگی کو اسودگی سے ہمکنار کریں۔ اور جو نعمتیں اللہ رب العزت نے ان کو عنایت فرمائی ہیں اگر ان کی ضرورت سے زیادہ ہیں تو وہ ان کو محروم ضرورت مندوں کو دے دیں۔

فرمایا گیا۔

”..... آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں کتنا مال و منال خرچ کریں؟ ان سے فرما دیجئے کہ جو العفو یعنی جائز ضرورت سے زائد اور فالتو ہو۔ اللہ اسی طرح اپنے احکام و تعلیمات تمہارے لئے صاف صاف بیان کیا کرتا ہے تاکہ تم تفکر بالحق یعنی با مقصد غور و فکر کرو اور ایسا کرنے کو اپنا شعار بنالو

[البقرہ ۲ آیت ۲۱۹]

اس حکم کو مزید تقویت مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے بہم پہنچائی گئی ہے۔

”[میرے پیغمبر ﷺ! سربراہ مملکت کی حیثیت سے زکوٰۃ کی طرح] لوگوں سے العفو یعنی حسن ضرورت سے زائد بیکار و مجہول اور خوابیدہ مال و متاع وصول کرو اور انہیں عدل و احسان کا حکم دو لیکن جائلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو اور ان کی اس بارے میں کوئی حجت نہ سنو!]

[الاعراف آیت ۱۹۹]

مذکورہ بالا آیات کریمہ کی روشنی میں بات بالکل واضح ہے کہ جن افراد معاشرہ کی ملکیت میں ان کی جائز ضرورت سے زیادہ یا فالتو بے مصرف مال و دولت پڑا ہو وہ ان لوگوں کو جو مال و دولت سے محروم محتاج بیکس اور ضرورت مندوں کو دینا واجب ہے۔

اگر امت مسلمہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زکوٰۃ صدقات خیرات عشر اور قرض حسنہ کی ادائیگی کو اپنا فریضہ سمجھے اور اس کی باقاعدگی سے پابندی کرے تو معاشی ناہمواری کا خاتمہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور اس طرح غربت محتاجی مفلسی میں کمی اور سود کی لعنت سے چھٹکارہ ممکن ہو سکتا ہے۔

سود کی ممانعت کی وجوہات میں سے چند اس طرح ہیں۔

۱۔ سودی رقم کو آمدنی کا ذریعہ سمجھنے کا تصور عام ہو چکا ہے اور اس کی آڑ میں محنت و مشقت کی عادت انحطاط کا شکار ہے کیونکہ جب محنت و مشقت کے بغیر آمدنی ہو رہی ہو تو اس محنت کی ضرورت ناپید ہو جاتی ہے۔

۲۔ سودی آمدنی سے مال و دولت کی حرص اور لالچ بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ لالچ بخیلی اور ذخیرہ اندوزی کی ابتداء ہے جو معاشرتی اور معاشی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

۴۔ جب کوئی سرمایہ دار اپنی دولت تجارت یا صنعت میں صرف کرتا ہے تو اسے یقینی طور پر جسمانی اور ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ دن رات تگ و دو کرتا ہے اس کے باوجود نفع یا نقصان متوقع ہوتا ہے۔ سودی سرمایہ دار محنت و مشقت نہ کرنے کے باوجود ایسے خدشات سے مبرا ہوتا ہے لیکن کاہلی سستی تن

آسانی۔ بے ہمتی۔ بزدلی۔ کا عادی ہو کر اپنی خداداد صلاحیتوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

۵۔ سود خوری کے نتیجہ میں جاگیر داری۔ زمینداری۔ ساہوکاری۔ سرمایہ کاری وغیرہ کو فروغ ملتا ہے جو معاشی ناہمواری کا باعث ہے۔

۶۔ سود خوری کے سبب ملکی دولت۔ قومی وسائل۔ صنعتی اجارہ داری۔ زرعی پیداوار اور سیاسی قوت چند ہاتھوں اور خاندانوں تک محدود ہو جاتی ہے اور ملک و قوم کی اکثریت مفلوک الحال اور محتاج و دست نگر ہو جاتی ہے۔

۷۔ سود کی وجہ سے انسانی طبقے پیدا ہونے کے خدشات رہتے ہیں۔ جن کے درمیان حسد و عناد اور منافرت کا پیدا ہونا فطرتی ہے جو ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سبب ہے۔

مندرجہ بالا کے علاوہ دیگر وجوہات کی [۱] پر اللہ رب العزت نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کی حرمت کے حوالے سے مندرجہ قرآنی آیات نازل فرمائی ہیں۔

”مسلمانوں! سود کھاؤ نہ سود درسود، اللہ کے قرب و رضوان اور رحمت و ہدایت کی آرزو کرتے اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو۔ تاکہ دینوی و معنوی ترقی کر سکو۔“

”خوف و حزن اور جہنم کی آگ سے گریزان و ترسان رہو یعنی ڈر کے مارے اس آگ سے دور رہو، جو اللہ کے احکام خصوصاً حرمت سود سے متعلق احکام ماننے سے انکار کرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے“

[آل عمران ۳ آیات ۱۳۰، ۱۳۱]

دیکھو! جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو وہ اللہ کے نزدیک لوگوں کے مال میں ہرگز افزائش نہیں کرتا۔ بر خلاف اس کے، جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ادا کرتے ہو یقیناً وہی لوگ قوم کے مال و دولت میں کئی گنا اضافہ کرتے ہیں۔

[الروم ۳۰ آیت ۳۹]

سودی کاروبار کرنے والوں کی حالت زار کا ذکر درج ذیل آیات میں کیا گیا ہے اس سے عبرت حاصل کرنا

چاہیے۔

”جو لوگ ربو یا اصل زر پر زائد وصول کی جانے والی رقم جسے حرف عام میں بیاج سود یا انگریزی میں Usury, interest, mark.up کہتے ہیں۔ لے کر کھاتے ہیں۔ وہ اس طرح نقل و حرکت کرتے ہیں جس طرح سانپ سونگھنے سے کوئی مذبوط الحواس ہو گیا ہو یعنی دولت کی ہوس میں ان کا رویہ پاگلوں ایسا ہو جاتا ہے۔ ان کی یہ حالت اس لئے ہوتی ہے۔ کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ کاروبار بھی تو ربو ایسا ہے [یعنی نفع کے اعتبار سے یہ دونوں ایک جیسے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ] اللہ نے کاروبار کو حلال یا شرعاً جائز اور ربو یا سود کو حرام یا شرعاً ناجائز و ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ جس شخص کے پاس یہ حکم پہنچ گیا۔ نتیجتاً اس نے سود خوری بند کر دی تو پہلے جو وہ کھا چکا سو کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر سود کھانا شروع کریں گے تو وہ اہل نار ہیں اور [دنیا میں آتش خوف و حزن میں جلتے رہیں گے اور آخرت میں بھی] جہنم میں [جلتے] رہیں گے“

”اللہ [اپنے دین اسلام یا نظام حیات کلی کے ذریعے] جس سے سرمایہ داری و بخل حرام ہیں۔ کیونکہ ان سے گردش دولت میں جمود و تعطل پیدا ہوتا اور اس کا دائرہ سکڑتا جاتا ہے [ربو] سود و سود کاری کی ہر قسم [کو نابود کرتا اور صدقات یا احسان [مالی امداد] اور قرض حسنہ [ایسا قرض جس پر سود لیا جاتا ہے نہ واپسی کی شرط سے مشروط ہی ہوتا ہے] کو افزوں کرتا ہے۔ [اس لئے کہ اس سے گردش دولت کی حرکت افزوں اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔

اور اللہ [ربو کی حرمت اور سود کاری کے تباہ کن نتائج و عواقب اور صدقات یا احسان یا قرضِ حسنہ کی برکات اور حسین و بار آور نتائج و عواقب کے] سب زیاں کار منکروں کو قطعاً پسند نہیں کرتا [یعنی نفرت کرتا ہے]“

[البقرہ ۲ آیات ۲۷۵، ۲۷۶]

سود کی حرمت کے باوجود جو لوگ اس سے باز نہیں آتے اور بدستور اپنے سودی عمل میں ملوث رہتے ہیں تو ان کے لئے سخت تنبیہ ہے۔ جس کا اظہار مندرجہ ذیل آیات جلیلہ میں کیا گیا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ کرو، یعنی اس کے قرب و رضوان کی طلب و جستجو کرتے رہو اور اس کے قانونِ مکافاتِ عمل اور اس کی ناراضگی و دوری سے ڈرتے رہو۔ اگر تم اللہ کے احکامات و تعلیمات کو تسلیم بالیقین کرنے والے ہو تو پھر تم پر لازم ہے کہ [ربو یا سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے۔ اسے چھوڑ دو اور نہ تم ایمان سے محروم ہو جاؤ گے]“

”اگر تم ایسا نہیں کرتے [یعنی ربو میں سے جو باقی رہ جائے اسے نہیں چھوڑتے] تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں اپنے ساتھ جنگ کرنے کا آخری انتباہ دیتے ہیں۔ اور اگر تم پشیمان ہو کر توبہ کر لو۔ یعنی امتثالِ امرِ الہی میں باقی ماندہ ربو یا سود چھوڑ دو تو اس المال یا اصل زر لینے کے حق دار ہو گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے [ثابت ہوا کہ سود خود و سود کار اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کے دشمن و متحارب اور غارتگر نظامِ اسلام و سنتِ حسنہ ہوتے ہیں]“

[البقرہ ۲ آیات ۲۷۸، ۲۷۹]

سود کے بارے رحمتِ الایمن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات میں سے چند کا خلاصہ اور مفہوم اس

طرح ہے۔

- ۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ایک وقت آئے گا کہ سود خوروں کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا۔
  - ۲۔ جو شخص جانتے بوجھتے سود کا ایک درہم [کھاتا ہے] اس کا یہ فعل چھتیس [۳۶] زنا کرنے سے بڑھ کر ہے۔ مزید فرمایا گیا۔ کہ جو گوشت مال حرام [سود] سے بنتا ہے وہ جہنم کا سزاوار ہے۔
  - ۳۔ سود کے ستر اجزا ہیں۔ ایک معمولی سا جزیہ ہے کہ جیسے کوئی اپنی ماں سے جماع کرے۔
- ان حقیقتوں کی روشنی میں ملت مسلمہ کے ہر فرد کو بشمول۔ حکومتوں اور مالی اداروں سے منسلک لوگوں کو غور و فکر کر کے اس لعنت اور دائمی عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر لگانا چاہیے۔
- درج ذیل آیت تنبیہ پر ہر فرد کو غور و فکر کرنا چاہیے۔ اور فوراً اپنی اصلاح کر کے متوقع عذاب سے جان بچائے اور اللہ غفور رحیم سے توبہ استغفار کرے۔

”لوگوں کے اعمال سوء کے نتیجے میں، عالم آپ و گل، یعنی زمین اور سمندر یا خشکی و تری، میں فساد رونما ہو گیا ہے [یعنی حیات انسانی کا توازن بگڑ گیا ہے۔ اور اسمیں برہمی و بی نظمی اور انتشار و پراگندگی کا ظہور ہو گیا ہے۔ اللہ نے اپنے قوانین تدبیری و مجازات کے مطابق ایسا اس لئے ہونے دیا] کہ ان کے بعض اعمال کا انہیں مزہ چکھائے تاکہ وہ اللہ سے رجوع کریں، یعنی توبہ کریں“

[الروم ۳۰ آیت ۳۱]

رشوت خورد برد وغیرہ۔

مال منال اور جاگیر و جائیداد کی طلب اور حرص و لالچ کی شدت نے انسان کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی حدود پا مال کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ جس کے نتیجے میں حریص اور لالچی لوگ رشوت۔ دھوکہ دہی۔ دوسروں کا مال ناحق کھانا۔ سرکاری امانتوں کا خورد برد۔ اور کاروباری شراکت میں ناجائز مراعات کا حصول وغیرہ جیسے معاملات سے اجتناب نہیں کرتے اور اس کو جائز ثابت کرنے کیلئے غلط اور باطل تحویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔ جو سراسر غلط روش زندگی ہے۔



اللہ رب العالمین اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہمدردی، غم گساری، ایمان داری اور دیانتداری۔ عدل و انصاف۔ فلاح و بہبود۔ رحمت و محبت۔ اور ایثار و قربانی اور رزق حلال پر رکھتا ہے۔ تاکہ ملک و قوم کی شناخت اور اس کی سالمیت و سلامتی۔ معیشت و ثقافت اور اتحاد و یک جہتی مضبوط و توانا رہے۔ اور تمام بد اعمالیوں کا تدارک ہو سکے۔ اس لئے مندرجہ ذیل آیات قرآنی کے ذریعے لوگوں کو راہ راست اختیار کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

”اپنا مال و منال آپس میں ناجائز ہتھکنڈوں سے کھایا نہ کرو اور نہ دولت کو [رشوت کا] ذریعہ بنا کر حکام کے پاس پہنچ جاؤ۔ تاکہ [فیصلہ اپنے حق میں کرا کر] لوگوں کے مال و دولت کا کچھ حصہ خود ناحق کھا جاؤ‘ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ ظلم و گناہ ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۸]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ یعنی نظام اسلام میں داخل ہو چکے ہو! ایک دوسرے کا مال آپس میں جھوٹ اور غلط ہتھکنڈوں کے ذریعے نہ کھاؤ۔ البتہ باہم رضا مندی سے نفع کا سودا ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ [نفع بذریعہ کاروبار جائز ہے‘ سود کاری یا سودی سرمانہ کاری کا نفع حرام ہے‘ لہذا تمام استحالی طریقوں کے ذریعے] اپنے آپ کو ہلاک و برباد نہ کرو [یعنی اپنے آپ کو دینوی و اخروی حسنہ سے محروم کر کے خسارے میں نہ ڈالو اور اپنے آپ کو اہل نار نہ بناؤ] اور اللہ تو ہمیشہ تمہیں اپنی شفقت و رحمت سے نوازنے والا ہے“

”اور جو کوئی ایسا [یعنی دوسروں کا مال باطل طریقوں اور] جبر و ظلم سے ہتھیائے گا‘ ہم اسے جلد ہی [خوف و حزن اور جہنم کی] آگ میں ڈالیں گے اور ایسا کرنا اللہ پر [جو عزیز و قدیر ہے] نہایت آسان ہے“

[النساء ۴ آیات ۲۹، ۳۰ جزو]

انسان کائنات اور نظام کائنات کے مرکزی اور کلیدی محور کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اصلاح۔ فلاح و بہبود اور

اسے شیطانی اور ابلیسی حرکات مذمومہ سے محفوظ رکھنے کیلئے لاکھوں نفوس پاک و مطہر مصروف رہے تاکہ جسمانی۔ ذہنی۔ قلبی۔ حسی۔ نفسی۔ اور جنسی غلاظت سے پاک و منزہ۔ طاہر و مطہر۔ اور حسین و منور رہے۔ نفس مطہر بن کر زندگی کرے۔ حیات طیبہ گزارے اور اپنی منزل مقصود یعنی حلالۃ العین کو پاسکے۔

طہارت و پاکیزگی کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ سے مزین ہو اور سیئات خبیثہ سے پاک و صاف ہو۔

کسب حلال کرنے اور رزق حلال و طیب کھانے سے انسانی □ و نما سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ حلال رزق سے بننے والا ہر قطرہ خون۔ گوشت کا ہر ٹکڑا۔ □ انسانی کا ہر عضو اور جزو □ حلال۔ پاک اور طیب و پاکیزہ بنتے ہیں۔ اس سے □ نے والی سوچ آنے والا خیال □ پاک و طیب ہوگا نتیجتاً اعمال صالح ایسے انسان کا محور ہوگا۔ اور اس کی زندگی حیات طیبہ ہوگی اس کا نفس نفس مطمئنہ ہوگا اور اس کا مقام ابدی حلالۃ العین ہوگی۔

لہذا رزق حلال سے پیار و محبت ہی انسان کو کامیابی کی جانب رواں دواں رکھنے کا ذریعہ ہے۔

”اے رسولو! پاکیزہ و صحت بخش اور خوشگور ماکولات و مشروبات خورد و نوش کرو، اور عدل و احسان، فلاح و بہبود کے اور توازن آفرین امور سرانجام دیتے رہو۔ دیکھو! جو کچھ تم کرتے ہو۔ مجھے اس کا علم کلی ہے“

[المومنوں ۲۳ آیت ۵۱]

”لہذا اللہ تعالیٰ نے جو حلال یا جائز اور پاکیزہ صحت افزا روزی تمہیں عطا کی ہے، اس میں سے خورد و نوش کرو، یعنی کھاؤ پیو، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، یعنی ان نعمتوں سے خود بھی تمتع کرو اور دوسروں کو بھی تمتع کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو، یعنی اللہ کی حمد و پرستش اور صرف اسی کے احکام پر عمل کرتے ہو“

[النحل ۱۶ آیت ۱۱۴]

مزید فرمایا گیا کہ

”اے بنی نوع انسان! زمین میں جو بھی چیزیں حلال یا جائز۔ پاکیزہ، خوش گوار اور صحت افزاء ہیں [شوق سے] کھاؤ۔ پیو! لیکن شیطان کے نقوش قدم پر نہ چلنا۔ کیونکہ وہ تمہارا بلاشبہ کھلا دشمن ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۶۸]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے جو چیزیں تمہیں عطا کی ہیں۔ ان میں سے پاکیزہ و لطیف اور صحت بخش و لذیذ چیزیں [شوق سے] خورد و نوش کرو اور اللہ کا شکر یہ ادا کرو، اگر تم صرف اسی کی اطاعت و بندگی اور اسی کے قوانین و احکام اور تعلیمات کے مطابق زندگی کرنے والے ہو“

[البقرہ ۲ آیت ۱۷۲]

”اللہ تعالیٰ نے جو حلال و طیب ماکولات و مشروبات تمہیں عطا کی ہیں۔ انہیں مزے سے کھاؤ پیو، لیکن اللہ تعالیٰ جس پر تم ایمان رکھتے ہو، اس کے قرب و رضوان کی طلب و جستجو کرتے اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو“

[المائدہ ۵ آیت ۸۸]

ایمان دار اور نیک کام کرنے والوں [انعام و اکرام اللہ تعالیٰ ان کو عزت اور آبرو مندانه رزق حلال عطا فرماتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے لہذا اسے مد نظر رکھتے ہوئے ہر مسلمان کو اس کے مطابق اپنے اعمال کو سنوارنا ضروری ہے۔

”لہذا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے حسنات اکتساب کیں۔ ان کے لئے مغفرت اور حسین و آبرو مندانه رزق ہے“

[الحج ۲۲ آیت ۵۰]

حرام اور ناجائز کمائی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث ہے۔ چند روزہ لذت اور غلط روش کے بدلے

دائمی عذاب کا سودا عقل مندی اور ہوش مندی نہیں۔

”ارشاد ہوا: ہم نے جو ماکولات تمہیں عطا کی ہیں ان میں سے پاکیزہ و صحت بخش چیزیں کھاؤ لیکن حد سے نہ گزرنا [یعنی مساوی حق پیداوار یا حق معلوم کو ملحوظ رکھنا اور اس سے دوسروں کو محروم نہ کرنا] ورنہ [میرے قانون مجازات کی رو سے] تم پر میرا قہر ٹوٹے گا۔ یاد رکھو! جس پر میرا قہر ٹوٹا وہ برباد ہوا“

[طہ ۲۰ آیت ۸۱]

مزید وضاحت اس طرح کی گئی۔

”آپ ﷺ لوگوں کو [اس حقیقت سے] آگاہ کر دیں کہ ناپاک و حرام اور خرابی و برہمی پیدا کرنے والی چیزوں اور پاکیزہ و نشوونما دینے والی اشیاء [خواص و نتائج کے اعتبار سے] ایک جیسی نہیں، اور نہ ہو ہی سکتی ہیں، چاہے خبیث اشیاء کی بہتات تمہارے لئے کتنی دل انگیز کیوں نہ ہو [عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر عمل کے نتائج و عواقب کو دیکھنا لازم ہے] لہذا اے اہل عقل سلیم! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو، یعنی اس کے قرب و رضوان اور رحمت و ہدایت کی طلب و آرزو کرتے اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ، یعنی تمہیں خوف و حزن سے نجات اور دینوی و آخروی حسنہ نصیب ہو“

[المائدہ ۵ آیت ۱۰۰]

حرام روزی اور حرام مشاغل و کسب انسان کے کردار و اعمال کے لئے باعث تباہی ہے اس کے حصول میں کتنی کشش ہو یا کثرت۔ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں تباہ کن اور ہلاکت ہے اور اللہ اور اس کے رسول مکرّم کی ناراضگی کا باعث۔ جواہ۔ لاٹری۔ پانسہ بازی۔ قمار بازی اور قرعہ اندازی وغیرہ جیسے مشاغل اور عادات سب شیطانی کام ہیں ان کے بارے مندرجہ آیات قرآنی پیش نظر ہیں۔

”اے لوگو جو ایمان لا کر اسلام میں داخل ہوئے ہو! مسکرات [نشہ آور

چیزیں] جوا، بُت اور فال کے تیر نجس [اور] شیطان کی اختراع و مشغلہ ہیں۔ لہذا ان سے احتراز کرو۔ یا ان سے دور رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یعنی خوف و حزن سے نجات اور نشوونما پاؤ“

”شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ منشیات یا مسکرات اور قمار بازی کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈلوائے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی قرآن مجید [کی تلاوت بالحق] اور صلوة [کی اقامت] سے روک دے۔ [ان تصریحات کے باوجود] کیا تم ان سے باز آو گے؟ [یعنی تمہیں ان سے ضرور باز رہنا چاہیے]

[المائدہ آیات ۹۰، ۹۱]

اور یہ [فرمایا گیا۔

”[اے میرے پیغمبر اعظم و آخر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ]! آپ سے منشیات [نشہ آور چیزیں] اور قمار بازی کے بارے دریافت کرتے ہیں ان کو بتادیجئے کہ ان دونوں میں [مادی اور معنوی] نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اور لوگوں کے لئے کچھ [مادی] فوائد بھی ہیں۔ لیکن [یاد رکھو کہ] ان کے نقصانات ان کے فوائد سے بہت زیادہ اور دور رس ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۲۵۹ جزو]

مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

”[اے بنی نوع انسان!] تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیزیں [کھانے کے لئے] حرام یا ممنوع کر دی گئی ہیں۔

- ۱۔ مردار جانور
- ۲۔ خون
- ۳۔ سور کا گوشت
- ۴۔ وہ [جانور] جن کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔
- ۵۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور

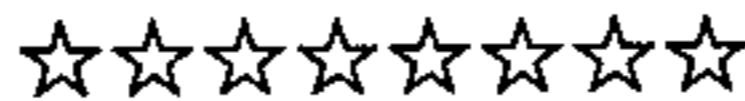
- ۶۔ چوٹ کھا کر مرا ہوا یا چوٹ لگا کر مارا ہو۔
- ۷۔ وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے اور جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے۔
- ۸۔ وہ جسے درندے [جزوی طور پر] پھاڑ کھائیں۔
- ۹۔ لیکن وہ جانور [حرام نہیں] ہے جسے تم [اس کے مرنے سے پہلے] ذبح کر لو۔
- ۱۰۔ جو جانور جو کسی مزار، آستانے یا استھان پر چڑھاوے کے طور پر ذبح کیا جائے۔
- ۱۱۔ اسی طرح [وہ گوشت یا چیز بھی حرام ہے جو جو ا کے طور پر] قرعہ اندازی سے تقسیم کی گئی ہو۔ اور ایسا کرنا بھی ممنوع ہے۔“

[المائدہ ۵ آیت ۳ جزو]

[قرآن حکیم کی سورہ الانعام ۶ آیات ۱۲۱، اور ۱۲۵ اور سورہ النحل ۱۶ آیت ۱۱۵ میں] ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا

[ہے]

اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی یاد۔ قرآن پاک کی تلاوت اور الصلوٰۃ کی ادائیگی سے بذریعہ رزق حرام اور برے و فحیح مشاغل اور کسب سے اہل اسلام کو روکنا اور ان کے درمیان دشمنی اور کینہ ڈالنا شیطان کا [بڑا] اہم اور موثر حربہ ہے۔ اور وہ کامیابی سے ہر اس شخص پر یہ حربہ استعمال کرتا ہے جس میں [ایمان موجود ہے] اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ بار بار انسانوں کو شیطانی حربوں سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ لہذا عقلمندی اور ہوشمندی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے ازلی اور ابدی دشمن سے محتاط اور خبردار رہے۔ اور ان مشاغل۔ کسب اور پاکیزہ۔ طیب اور حلال اشیاء تک محدود رہے تاکہ اس کی دنیا اور آخرت حسین اور خوشگوار ہو سکے۔



## 14

## حجاب

اللہ تعالیٰ کی سلطنت یا مملکت زوجین یا جوڑوں یعنی نر اور مادہ پر مشتمل ہے۔ اسی قانون کے تحت حضرت آدمؑ کا

زوج پیدا کیا گیا۔

”اے بنی نوع انسان! اپنے پروردگار و مالک کے قرب و رضوان اور دینوی و اخروی حسنہ کی طلب و جستجو کرتے رہو اور اس کے قانون مجازات سے ڈرتے رہو۔ جس نے [کرہ ارض میں پانی سے] صرف ایک حیاتیاتی جرثومے سے تمہاری درجہ بدرجہ [ترویجی] تخلیق کی تھی پھر اس ایک جرثومہ حیات سے اس کا زوج تخلیق کیا۔ یعنی اللہ کے قانون تدبیری کی رو سے ایک جرثومہ حیات زوجین [نر اور مادہ] میں منقسم ہو گیا۔ پھر زوجین یا جوڑے سے کثرت سے مرد اور عورتیں پیدا کر کے ان کو روئے زمین پر پھیلا دیا۔۔۔۔“

[النساء ۴ آیت اجزؤ]

کائنات کی اساس زوجین یا جوڑوں کی حامل ہے۔ یہ کثیرالاجہتی مقاصد رکھتی ہے۔ ان میں سے اہم ترین مقصد نسل کو قائم رکھنا اور اسے ترقی دینا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی جوڑوں کے حوالے سے مندرجہ ذیل آیات قرآنی مزید وضاحت کر رہی ہیں۔

”وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے [اے بنی نوع انسان!] تمہیں اکیلے مشخصہ سے [درجہ بدرجہ ارتقائی منہاج میں] پیدا کیا“ اور اس میں [مضمرا] اس کے زوج کو [اپنے قانون خلق و جذبہ پیدائی کے مطابق] علیحدہ کر دیا۔ [اور وہ زوجین بن گئے] تاکہ تم ایک دوسرے سے تسکین حاصل کرو۔۔۔۔۔“

[الاعراف آیت ۱۸۹، جزو]

”اُس کی اعجازی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے۔ کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے [مرد کیلئے عورت اور عورت کے لئے مرد] پیدا کر دیے، تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں سکینت حاصل ہو۔ اور تمہارے [یعنی متضاد جنسوں کے] درمیان محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیے۔ اس نفسیاتی واقعیت میں بے شک ان لوگوں کے لئے بڑی ہی [معرفت حقیقی کی] نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرنے والے ہیں“

[الروم ۳۰ آیت ۲۱]

ان آیات مقدسہ کے مطابق اللہ رب العزت نے تخلیقی مراحل کے دوران ہی زوجین یعنی مردوں اور عورتوں کے درمیان رحمت اور محبت کے جذبات ودیعت کر دیئے تاکہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کر سکیں۔ محبت و سکون کے ان جذبات نے مرد اور عورت کے درمیان کشش کو جنم دیا اور یہ ایک دائمی فطرت کا روپ دھار گئی جس کے [عورت اور مرد کا علیحدہ رہنا یا ایک دوسرے سے دور رہنا مشکل ہو گیا۔ لہذا جدائی ان کے لئے سوہان روح ثابت ہوتی ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل مندرجہ آیات کریمہ غور و فکر کی طالب ہیں

”اور اے آدم! تو اور تیری زوجہ اسی جنت یعنی اس دنیا کے ثمرور باغ



میں رہو سہو، اور اس میں جہاں سے چاہو، شوق سے نوش جان کرو،  
یعنی کھاؤ پیو، لیکن اس شجرہ نسب سے مقاربت نہ کرنا، ورنہ تم بھی  
اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ“

[الاعراف ۷ آیت ۱۹]

”دیکھو! ہم نے [ازراہ تنبیہ] کہا تھا: اے آدم! [یاد رکھو!] یہ ابلیس تمہارا  
اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں [اس خود گھنے  
اور ثمرود] باغ سے باہر نکال دے تو تمہیں [روزی کمانے کے لئے] محنت و  
مشقت کرنا پڑے“

[طہ ۲۰ آیت ۱۱۷]

”پھر ہوا یہ کہ شیطان نے دونوں کو بہکاوے دے کر چت کر ہی دیا۔ اور وہ  
لذت جنس سے آشنا ہو گئے تو ان کی عورات یا شرمگائیں ایک دوسرے  
پر آشکارا ہو گئیں [شرم کے مارے] وہ ان کو چھپانے کی خاطر باغ کے پتے  
تہ بہ تہ کر کے ان پر چپکانے لگے۔ اس پر ان کے پروردگار و آقا نے ان کو  
ڈانٹا کیا میں نے تمہیں اس جنس مرزوع کی مقاربت سے منع نہیں کیا تھا؟  
اور نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ [لیکن تم نے حکم  
عدولی کی]“

[الاعراف ۷ آیت ۲۲]

درج شدہ آیات کریمہ سے ظاہر ہے۔

۱۔ شیطان دھوکہ باز۔ فریب کار۔ دروغ گو اور وسوسہ انگیز ہے۔

۲۔ شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے۔

۳۔ متضاد یعنی مخالف جنسوں کے [نرا اور مادہ] کے درمیان محبت و پیار کے جذبات ہونا قدرتی عمل ہے جس کی وجہ

سے ان میں قربت کی خواہش کا پیدا ہونا جبلیتی امر ہے۔

- ۴۔ مخالف جنسوں میں جنسی چاہت و الفت موجود ہوتی ہے جو مقاربت کا باعث بنتی ہے۔
- ۵۔ مرد وزن میں شرم و حیا ودیعت کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ اعضاء کو چھپانے پر مائل ہوئے ناشائستہ حرکات و سکنات اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرنا ان کی فطرت میں شامل ہو گیا۔
- چونکہ شیطان اپنی ذات میں۔ خباثت۔ شرارت۔ تخریب۔ فریب اور فراست خبیثہ کا ماہر ہے اور انسان کا دشمن مبین وہ ان انسانی صفات اوصاف کو بروئے کار لا کر اور اپنی فطرتی چالاکی اور وسوسہ انگیزی سے انسان کو ورغلاتا اور پھنساتا رہتا ہے۔

چنانچہ شیطان کے حربوں کو باطل کرنے اور انسان کو اس کے شکنجہ سے نجات دلانے کے لئے اللہ غفور و رحیم نے حجاب کو لازم کر دیا اور شرم و حیا کو مقوی کرنے کے اسباب پیدا کر دیئے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا کہ عورت اور مرد میں ایک دوسرے کیلئے پیار و محبت اور سکون و اطمینان کے جذبات و اوصاف ودیعت کر دیئے گئے ہیں اور ساتھ جنسی چاہت و الفت بھی موجود ہونے کی وجہ سے باہمی کشش طلب میں بہت اضافہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ نفس امارہ کی آرزو حسن و جنس اور شیطان کی بھرپور مدد اور تعاون انسان کو بے راہ اور گم راہ کرنے کا سبب ہے۔ اور اس طرح راہ حق سے اجنبی رہنا اس کا معمول ہو جاتا ہے۔

تقویٰ ہی انسان کو احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر کار بند رہنے کی قوت مہیا کرتا اور اللہ تعالیٰ اسے ان پر عمل کرنے کی توفیق مہیا کرتا ہے۔ تقویٰ کی مضبوطی سے انسان حق و صداقت۔ رشد و ہدایت اور رضائے الہی کا متلاشی بھی بنتا ہے۔ اور باطل و کذب۔ شقاوت اور ضلالت اور سیئہ و شر کا دشمن۔ تقویٰ انسان کے باطنی نظاموں یعنی حسی۔ نفسی اور قلبی نظاموں کو مقوی۔ فعال اور متحرک بنا کر اسے متقی بناتا ہے۔ اور قرآن پاک کے ذخیرہ علم و حکمت۔ نور و ہدایت۔ حسنہ و خیر اور حسن و حق سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ تقویٰ انسان کو جرم و گناہ اور ظلم و بخل سے بچاتا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم۔ رحمت و مغفرت سے محرومی اور اس کی ناراضگی سے محفوظ رکھتا ہے۔ تقویٰ انسان کو مطمئن صالح اور باحیا بناتا ہے۔

حیا ایک مضبوط و محفوظ ڈھال ہے جو انسانی بدن و روح اور ذہن و قلب کو محیط کئے رکھتی ہے۔ حیا کی ڈھال

انسان کو اعمال خبیثہ ذہنی انتشار۔ جنسی فساد کے خطرات سے بچانے اور فحشاء و منکرات کا دفاع کرنے پر مامور ہے۔ اور معاشرہ کی پاکیزگی اور طہارت کی ذمہ دار ہے۔ یوں تو دونوں مرد و زن حسن حیا سے مزین ہیں لیکن عورت کو اس کی زیادہ ضرورت ہے اس کی اپنی ذات کے لئے خصوصاً اور معاشرہ کی تطہیر کے لئے عموماً۔ حیا ایک قلعہ اور تمہدات خبیثہ سے محفوظ رہتا ہے اور شیطان کی وسوسہ اندازی۔ فریب کاری اور بے حیائی کے اقوال و افعال سے سلامت رہتا ہے۔

دینی اور معاشرتی پاکیزگی کے لئے آزادانہ ماحول۔ بے باکانہ طرز عمل اور بے حجابانہ ملنا جلنا اور آنا جانا نقصان دہ ہو سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں۔ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور احکام و قوانین نافذ کر رکھے ہیں جس سے اس بداعتدالی کا خاتمہ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

شرم و حیا کی اہمیت درج ذیل آیت کریمہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔

”..... اور جب تم کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ باتیں کرنے کے شوق میں بیٹھے نہ رہو۔ تمہاری ایسی حرکتوں سے نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ انہیں تم سے حیا آتی ہے [اور وہ کچھ نہیں کہتے] لیکن اللہ سچی بات کہنے سے نہیں جھجکتا۔“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۵۳ جزو]

مزید اس طرح نصیحت فرمائی گئی

”اے ایمان والو! تمہارے جو مملوک ہیں اور تمہارے بچے جو ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچے انہیں تین وقت اجازت لے کر تمہارے پاس آنا چاہیے۔ صبح کی صلوٰۃ یا نماز فجر سے پہلے۔ دوسرے دوپہر کے وقت جب تم [موسم گرما میں معمول کے مطابق] اپنا لباس اتار دیا کرتے ہو۔ تیسرے صلوٰۃ عشاء کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہاری پردگی کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ اگر وہ بغیر اجازت تمہارے پاس آئیں تو نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر۔ انہیں اکثر تمہارے پاس اور تمہیں ان کے پاس آنا جانا ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ نے یہ احکام واضح طور پر بیان کئے ہیں“

اسی طرح وہ اپنے تمام احکام تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے۔ [کہ یہ اس کی سنت ہے جو غیر مبدل ہے]۔ یاد رکھو! اللہ علم کلی رکھنے والا ہے نہایت دانشمند اور کمال دانشمندی سے اپنے امور فرماں روائی سرانجام دینے والا ہے“

[النور ۲۴ آیات ۵۸]

مزید احتیاط برتنے کے لئے اور ممکنہ بداعتدالیوں اور بدخیالیوں سے بچنے بچانے کے لئے درج ذیل آیات راہنمائی کر رہی ہیں۔

”لیکن جب تمہارے یا تمہارے خاندان کے لڑکے بالغ ہو جائیں تو انہیں تمہارے پاس آنے کیلئے اجازت لینا لازم ہے۔ جیسے ان کے بڑے ان سے پہلے اجازت لیتے رہے ہیں۔ جس طرح اللہ نے یہ احکام صاف صاف بیان کئے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے تمام احکام و قوانین اور تعلیمات و ہدایات تم سے بالصراحت بیان کرتا ہے۔ یقیناً اللہ علم کلی رکھنے والا۔ از بس دانشمند اور کمال دانشمندی سے اپنے امور فرماں روائی سرانجام دینے والا ہے“

”جہاں تک سن یاس کو پہنچی ہوئی عمر رسیدہ عورتوں کا تعلق ہے جن میں مناکحت کی یا جنسی خواہش کا فقدان ہو، اگر وہ اپنا لباس [چادر وغیرہ] اتار دیا کریں [تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ان کی زینت، یعنی اعضائے مخصوصہ ظاہر نہ ہونے پائیں تو وہ مورد الزام نہیں۔ مگر وہ ایسا کرنے سے اگر اعتراض کریں تو ان کیلئے بہتر ہے۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے والا ہے“

[النور ۲۴ آیات ۵۹، ۶۰]

دوسروں کے گھروں میں بغیر روک ٹوک کے آنا جانا بھی خانگی آزادی کی ضد ہے۔ اس سے کئی اقسام کی خرابیوں۔ بے اعتدالیوں اور بداخلاقیوں کے امکانات پیدا ہونے کے خطرات ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے احتیاطی تدابیر

کے طور پر مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کر دیا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت کے ہرگز داخل نہ ہونا۔ اور [جب اجازت مل جائے تو] گھر والوں کو سلام کرنا۔ یہ [طرز عمل] تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سوچو تو“

”دیکھو! اگر ایسا ہو کہ تم اس گھر میں کسی کو بھی موجود نہ ہو پاؤ تو اس میں ہرگز داخل نہ ہونا۔ جب تک کہ تم اجازت نہ حاصل کر لو۔ اگر تمہیں لوٹ جانے کے لئے کہا جائے تو لوٹ آؤ کہ ایسا کرتا تمہاری تحسین اخلاق کے لئے احسن ہے۔ یاد رکھو! جو تم کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے [کیوں کہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے]“

”اگر تم غیر آباد گھروں میں داخل ہو جاؤ تو کوئی مضائقہ یا حرج نہیں۔ دیکھو! جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ اللہ کو اس کا سب علم ہے“

[النور ۲۳ آیات ۲۷، ۲۸، ۲۹]

نفس امارہ کی شدید اور قوی خواہشات اور شیطان کی کثیر الاجہتی وسوسہ اندازی اس انداز اور منصوبہ بندی سے انسان کو گھیر لیتی ہیں کہ انسان بے بسی کا شکار ہو کر جائز و ناجائز میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی کھودیتا ہے اور پھر انسان بڑی تیزی سے تنزلی اور گراؤ کی جانب گامزن ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس تقویٰ اور حیا ایسے دفاعی ہتھیار اگر انسان کو میسر ہوں تو انسان خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حوصلہ اور ہمت و جرات پاسکتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ ہی صدق و ایمان۔ عدل و احسان اور شہادت و صالحیت فراہم کرتا ہے۔ عورت کے لئے خاص طور پر تقویٰ حجاب و حاجب کا درجہ رکھتا ہے اور اسکی عزت نفس۔ عفت و عصمت اور ناموس و آبرو کا محافظ ہے۔ جہاں تک حیا کا تعلق ہے یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے کہ جو انسان کو اپنے آپ سے۔ اللہ رب العزت سے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں سے عزت و احترام۔ قدر و منزلت اور وقار مہیا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اور پاکیزہ اور مطہر زندگی کرنے کی تمنا پیدا کرتی ہے اور اس طرح کسی مرد

کیلئے کسی غیر عورت سے ہم نظری اور قربت کی خواہش میں رکاوٹ بنتی ہے اور کسی عورت کا کسی غیر مرد سے نظری رابطہ۔ جان پہچان اور نزدیکی میں بعد پیدا کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے ایک باحیا عورت غیر مرد کے لئے ناقابل تخیر قلعہ ثابت ہوتی ہے۔

کسی مرد اور عورت کے درمیان پہلا رابطہ نظروں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ نظروں میں اگر جنسی ہوس موجود ہو تو یہ رابطہ برائے راست دلوں تک پہنچتا ہے۔ اگر عورت کی وجہ قطع اور حلیہ حجاب سے محروم ہو تو مرد کی نظریں عورت کے خدو خال۔ نشیب و فراز۔ انداز واد اور زیب و زینت تک رسائی حاصل کر لیتی ہیں جس سے جنسی تحریک پیدا ہو کر بے حیائی کو جنم دیتی ہے۔ ان خدشات کے پیش نظر اللہ مدبر و حکیم نے مندرجہ ذیل آیات قرآن مبارک کے ذریعہ اس کا سدباب کر رکھا ہے۔

”مومنوں کو تاکید کریں کہ وہ اپنی آنکھوں کو [نامحرم صنف جمیلہ کے جمال یا جنسی نظارہ یا جنسی منظر وغیرہ وغیرہ دیکھنے سے] نیچا رکھا کریں اور اپنے جنسی حصوں یا شرم گاہوں کی [نمائش یا ان کو غلط و ناجائز استعمال کرنے سے] سخت احتیاط کریں۔ ایسا کرنا ان کے حسن اخلاق و کردار کے لئے زیادہ مفید ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ ان کی کارستانیوں سے کامل آگاہی رکھنے والا ہے“

[النور ۲۴ آیت ۳۰]

عام رواج یا سوچ یا روایت یہ ہے کہ پردہ یا حجاب اور شرم و حیا صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور ان کو اس پابندی کا مکلف قرار دیا گیا ہے لیکن آیت مبارکہ کی رو سے عورتوں سے پہلے مردوں کو اس پر پابند کیا گیا ہے۔ چونکہ مرد بعض امور میں عورتوں پر فضیلت و فوقیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان سے جو اصلاحی کام شروع کیا جائے گا۔ وہ پائیدار۔ دیر پا اور قابل عمل ہوگا۔ لہذا مرد جو اس حکم کو بھول چکے ہیں اور لاپرواہی اور حکم عدولی کے مرتکب ہو رہے ہیں ان کو اس کا قائل اور پابند کرنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ کے روزمرہ کے معمولات میں بہتری کا آغاز ہو سکے۔

اسی حوالے سے مزید حکم دیا گیا کہ

”علاوہ بریں‘ اہل ایمان عورتوں کو بھی تاکید کردیں۔ کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں [تاکہ غیر محرم مرد کی نظروں سے ان کا تصادم نہ ہو۔ یہ تصادم نظر یا ہم نظری ہی ہے جس سے جنسی محبت پیدا ہوا کرتی ہے] اور وہ بھی اپنی شرمگاہوں اور عورات کی حفاظت کریں [تاکہ کوئی غیر محرم ان کو دیکھنے یا ان سے التفات کرنے نہ پائے]۔ نیز اپنی زینت‘ یعنی اپنے جمال یا آرائش جمال کو ظاہر نہ کریں، اس سے مستثنیٰ وہ کچھ ہے جو عموماً کھلا رہتا ہے [چہرہ، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ وغیرہ، لیکن ان پر لازم ہے کہ] وہ اپنی چادریں‘ دوپٹے وغیرہ وغیرہ اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں [گلہائے شباب کے ابھار چھپانے کے لئے]، نیز اپنی زینت [جمال اور آرائش جمال] کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، بہ جز اپنے شوہروں یا اپنے باپوں کے‘ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے‘ یا اپنے بیٹوں کے‘ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے [جو دوسری بیوی یا بیویوں کے بطن سے ہوں] یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے‘ یا اپنی ملنے جلنے والی عورتوں کے‘ یا اپنی خارماؤں کے‘ یا مردوں میں سے ایسے خادموں کے جو جنسی خواہش سے محروم ہو چکے ہوں۔ یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کی جنسی باتوں سے آگاہ نہ ہوں۔

علاوہ ازیں چلتے وقت وہ اپنے پاؤں اس دھج سے زمین پر نہ ماریں کہ ان کی اشیائے آرائش کا پتا چل جائے۔

دیکھو‘ اے مومنو! یعنی ایماندار مردوں اور عورتو! تم سب کے سب اللہ کی مغفرت و رحمت کے لئے‘ اس سے رجوع کیا کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ‘ یعنی دنیا میں آتش خوف و حزن کے کرب سے اور آخرت میں آتش جہنم کے عذاب سے نجات پاؤ۔“

[النور ۲۴ آیت ۳۱]

مندرجہ بالا آیت کریمہ کو درج آیت سے بھی تقویت مل رہی ہے۔

”عورتوں کے لئے اپنے باپ دادا، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں، اپنے بھانجوں، اور اپنی ملنے جلنے والی عورتوں، اپنی خادماؤں کے سامنے بے پردہ آئے میں کوئی گناہ نہیں اور اللہ کی طلب و آرزو کرو اور اسکی دوری سے ڈرو۔ یقیناً اللہ ہر شے کا نگہبان ہے“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۵۵]

اپنی ذاتی طہارت۔ کنبہ اور خویش واقربا کی پاکیزگی اور معاشرہ کی صفائی کے حوالے سے حکم و ہدایت کے ذریعہ تمام امکانات کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ جن کی وجہ سے جنسی خرابی اور بے اعتدالی پھیلنے کا خدشہ ہو سکتا ہے اس لئے ایسے خدشات کے سدباب کی خاطر حجاب یا پردہ کے قواعد و ضوابط کو متعین کر دیا گیا ہے۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کا پابند کر دیا گیا ہے۔

اگر سطحی طور پر بھی غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ متضاد جنسوں کے درمیان نظروں کا تصادم نہایت سرعت سے دونوں جانب دلوں کی گہرائیوں تک پہنچ کر جنسی خواہش اور طلب حسن و جنس کو متحرک کر دیتا ہے اور انسان تمام پابندیوں کو تہ وبالا کرنے کے درپہ ہو جاتا ہے اگر انسان تقویٰ اور حیا سے عاری ہو تو وہ دینی۔ اخلاقی اور معاشرتی بندھن توڑ کر شرابے مہار ہو جاتا ہے۔ بد اخلاقی اس کا طرز عمل ہو جاتا ہے۔ پستی کردار اس کا مقدر بن جاتا ہے اس کا جسم و جان شیطنیت کی آماجگاہ بن جاتا ہے، اس طرح مرد اپنے جمال و جلال سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ وہ اپنی قوت و ہیبت خالی اور رعب و سطوت کھو دیتا ہے اور اس کی مردانہ شجاعت گرد آلود ہو جاتی ہے۔ عورت ایک پھول ہے اگر وہ باحیا ہے تو اس کی خوشبو ارد گرد کو مطہر رکھتی ہے۔ وہ اپنی اور اپنے قرب و جوار کی عزت و ابرو بھی ہے اور اپنی عفت و عصمت کی محافظ بھی۔ باحیا عورت اپنے جمال و جلال۔ دلکشی و جاذبیت جمالیاتی ثروت اور حسن و حیات کی پاسبان ہوتی ہے اور اگر عورت بے حیا ہو جائے اور تقویٰ کو نظر انداز کر دے تو وہ ہزاروں رواجی اور روایتی پردوں کے باوجود بے پردہ ہے وہ ایسی حرکات و سکنات کی مرتکب ہوتی ہے اور ایسے ایسے گل کھلاتی ہے کہ جس کا تصور کرنا مشکل ہے اور انسانیت کے چہرہ پر بدنماداغ بن جاتا ہے۔

تقویٰ کیا ہے اور اس کا حصول کیسے ممکن ہے۔ آسان ترین الفاظ میں تقویٰ کا مفہوم اس طرح بیان کیا جاسکتا



ہے۔ کہ اللہ رب العالمین کی قربت اس کی طلب۔ اس کی ہر معاملہ یا عمل میں رضا مندی اس کی جستجو برائے حق و صداقت اور رشد و ہدایت۔ علاوہ اس کی ناراضگی اور اس سے دوری سے بچنا۔ اور باطل۔ جھوٹ۔ عیب۔ برائی۔ ظلمت۔ سنگ دلی۔ گناہ۔ شر وغیرہ سے اجتناب کرنا اور محفوظ رہنا تقویٰ کی حدود ہیں۔ تقویٰ سے سیراب ہونے کا آسان ترین حل عبادات کی ان کے تمام تقاضوں۔ اصولوں اور آداب کے مطابق پابندی کرنا۔ علاوہ اسوۂ حسنہ کی دل جمعی۔ رغبت اور محبت سے زندگی کرنا تقویٰ سے مستفید ہونے کی شرط ہے۔ اس حوالے سے قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات پیش خدمت ہیں۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں [یعنی امتوں] پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم میں تقویٰ یعنی آرزو ہدایت اور خشیت گمراہی کا احیاء ہو جائے [اگر تقویٰ نشوونما نہ پائے تو یقین کرو کہ روزے اکارت گئے]“

[البقرہ ۲ آیت ۱۸۳]

”دیکھو! اپنے اہل و عیال کو صلوة قائم کرنے کا حکم دیتے رہو۔ اور خود بھی اس پر قائم و دائم رہنا۔ ہم تم سے روزی نہیں چاہتے [کیونکہ تم خود ہمارے محتاج و سائل ہو اور] ہم خود تمہیں روزی دینے والے ہیں۔ یاد رکھو! عاقبت، یعنی جنت کی اُخروی زندگی تقویٰ، کے لئے ہوگی، یعنی ان کے لئے ہے جن کو، اس کی طلب و جستجو ہوگی“

[طہ ۲۰ آیت ۱۳۲]

مزید اس طرح فرمایا گیا۔

”اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون؛ اُسے کوئی شے پہنچتی ہے تو وہ تمہارا تقویٰ، یعنی تمہارا نذرانہ، جذبہ محبت و آرزو مندی۔۔۔۔۔۔“

[الحج ۲۲ آیت ۳۷ جزو]

”حج کے مہنے متعین اور سب کو معلوم ہیں۔ چنانچہ جو کوئی ان

مہینوں میں حج کی پکی نیت کرے تو [اس پر لازم ہے کہ] وہ حج کے دوران نہ جنسی فعل، نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا ہی کرے۔ [یاد رکھو!] خیر و حسنہ کا جو کام بھی کرو گے یا کرتے ہو وہ اللہ کے علم و نظر میں ہوتا ہے۔ حج کا سفر اختیار کرو تو توشہ سفر ساتھ لے جاؤ۔ [یاد رکھو!] تقویٰ یعنی میرے قرب و رضوان کی طلب و جستجو اور میرے قانون مجازات کا خوف سب سے افضل و اعلیٰ زاد راہ ہے۔ اے اہل عقل سلیم! میرے قرب و رضوان کی طلب و جستجو میں رہو۔ لیکن میرے قانون مجازات سے خوف بداماں رہنا بھی لازم ہے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۹۷]

”اے بنی نوع انسان! اپنے پروردگار۔ و آقا کے کل احکام کی اطاعت، بندگان تسلیم و رضا بن کر کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو تخلیق کیا ہے۔ تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو [یعنی اس کے قرب و رضوان کی طلب و جستجو کرو اور اس سے دوری و مہجوری کے عذاب سے ڈرو]

[البقرہ ۲ آیت ۲۱]

اس سے ظاہر ہوا کہ تقویٰ کے حصول کا تیر بہدف نسخہ اللہ تعالیٰ کی عبادات میں مضمر ہے۔ اور کامیابی و کامرانی کی راہ بھی۔

یہ رواج ہے اور ضرورت بھی کہ معاشرہ کا ہر فرد اپنی قیمتی اشیاء کو ہر ممکن طریقہ سے حفاظت سے رکھتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کے جم غفیر میں صنف جمیلہ ایک قیمتی اور گراں قدر اثاثہ ہے۔ یہ ایک ایسا انمول سرمایہ ہے کہ جس کی حفاظت کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے خود حجاب کی صورت کر رکھا ہے۔ ابھی تک کرہ مشرقی میں تاریخی تعلق۔ معاشرتی ضرورت۔ معاشی حاجت اور اخلاقی اقدار کے تحت عورت ایک قیمتی قدر و منزلت اور اعلیٰ مرتبہ کا مقام رکھتی ہے۔ اور اسے شمع محفل بنانے کے عمل کو اچھی نظر سے دیکھا نہیں جاتا اور دینی اور اسلامی نقطہ نظر سے اسے معیوب اور خلاف آداب سمجھا جاتا ہے۔

لیکن وقت کی تیز رفتار تبدیلیوں نے معاشی - معاشرتی - اور سماجی آداب و اطوار کو ادل بدل دیا ہے جس کی بنا پر معاشی دباؤ - تعلیمی خواہش - گھریلو ضروریات اور خانگی معاملات نے اس قیمتی خزانہ یعنی عورت کو گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے نیز قومی جذبہ تعمیر و ترقی نے اس عمل میں تیزی پیدا کر دی ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے باہر نکلنے پر پابندی تو عائد نہیں کی لیکن اس کے آداب سے آگاہ کر دیا ہے جن پر عمل کرنا اس وقت انتہائی ضروری ہے۔

”اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہہ دیں کہ [جب وہ باہر نکلیں تو] وہ اپنی اوڑھنیاں جسم کے ساتھ اچھی طرح لپیٹ لیا کریں؛ اس طرح وہ پہنچانی جائیں گی اور [ان سے چھیڑ چھاڑ کر کے] انہیں تنگ نہیں کیا جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ سینسات کو مٹانے والا اور ان سے تحفظ دینے والا ہے۔ حد ترس کھانے درگزر کرنے، دل در دور کرنے اور رجوع برحمت کرنے والا ہے“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۵۹]

لیکن عورت کے گھر سے بے مقصد نکلنا اور آزادانہ گھومنا پھرنا۔ دعوت نظارہ دینا ہی خرابی اور جنسی بے راہروی کی ابتدا ہے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کرنا اور اس بات کا انکار کہ صنفِ جلیلہ کی عصمت و عفت اور جمال و تقدس کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ مہلک اور خطرناک چیز ہوس سے لبریز صنفِ جلیلہ کی نظر ہے جو باہر نکلی عورت کا تعاقب کرتی ہے۔ نظر کی اس خیانت یا چوری پر بھی اللہ تعالیٰ کی ہر وقت نظر رہتی ہے جو سب کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔

”[اللہ کے علم کلی رکھنے کا حال یہ ہے کہ] وہ آنکھوں کی خیانت [چوری] کو بھی جانتا ہے اور وہ راز بھی اس سے مخفی نہیں جو سینوں میں [اپنے باطنی نظام کی بدولت] چھپے ہوئے ہیں“

[المومن ۴۰ آیت ۱۹]

جنسی آلودگی اور جنسی ناہمواری نے مغربی معاشرہ کو اپنے بازوؤں میں بڑی سختی اور مضبوطی سے جکڑ رکھا ہے بظاہر وہ تہذیب یافتہ معاشرہ کہلاتا ہے لیکن درحقیقت وہ دیمک زدہ ہو چکا ہے اور اپنی تمام اخلاقی اقدار اور دینی پاکیزگی کھو

بیٹھا ہے یہ عفریت بڑی سرعت رفتاری سے مشرقی معاشرہ کو بھی آلودہ کرتا جا رہا ہے۔ اس کی تازہ مثال یہ ہے۔ کہ مشرقی ممالک کے ذرائع نشر و اشاعت اور الیکٹرانکس میڈیا مغربی معاشرہ کے طور طریقوں اور طرز عمل پر مکمل طور پر ایمان لا چکا ہے اور اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسکی طرح تقلید کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ عورت بے پردہ کرنا اسے ننگا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور تمام جنسی خرافات اجاگر کر کے عورت کے تقدس کو پامال کرنا ان کا وطیرہ بن چکا ہے یہاں تک کہ مغرب کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام اور تعلیمات و ہدایات اور اسوہ حسنہ رسول کریم ﷺ کو مکمل طور پر نظر انداز کر چکے ہیں۔ اور اپنے دین۔ دنیا اور آخرت سے غافل ہو چکے ہیں۔ اس ایک اہم پہلو سمیت بہت سی خرابیاں۔ بد اعمالیاں اور بد اعتدالیاں مشرقی معاشرہ میں عموماً اور اسلامی معاشرہ میں خصوصاً داخل ہو چکی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بہت سی دوسری بد اخلاقیوں سمیت اجتماعی زیادتی کے واقعات تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں۔

یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی معصوم پھول جیسی بچیوں کو درندگی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ایسے واقعات کا ذکر مزے لے کر اخباروں اور ٹیلی ویژن میں نشر کئے جاتے ہیں۔ اور بعد ازاں خاموشی چھا جاتی ہے نہ انتظامیہ متحرک ہوتی ہے نہ عدلیہ کو اس کے سدباب کی توفیق ہوتی ہے اور نہ بڑے بڑے اسلامی ادارے اور سیاسی جماعتیں اس عفریت کو روکنے کا کوئی بندوبست کرتا ہے اس برائی کے حوالے اللہ کا فرمان اس طرح ہے۔

”دیکھو! اگر تم نے زنا کاری جیسے بھیانک گناہ سے بچنا ہے تو [زنا یا جنسی بدکاری کے قریب بھی نہ پھٹکو، کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور جنسی تسکین کا اندوہناک اور بھیانک طریقہ ہے۔“

[الاسراء ۱۷ آیت ۳۲]

”یہ ہمارا قانون مجازات و تدبیری ہے کہ [جنسی بدکاری کرنے والی عورت اور جنسی بدکاری کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ دیکھو! اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے نظام حیات کلی میں رحم اس حکم پر عمل کرنے میں مافع نہ آئے۔ نیز ان دونوں کی سزا کے وقت اہل ایمان کی ایک جماعت کو‘ درس عبرت کے

لئے اس کا مشائدہ کرنا چاہیے“

[النور ۲۴ آیت ۲]

اس عفریت سے بچنے کا طریقہ تقویٰ و حیا کا احیاء اور سنت نکاح کے ادارہ کو مضبوط۔ مطہر اور پابند احکام الہی کرنے سے ہے۔

اصلاح معاشرہ کے لئے نظام نکاح مستعد۔ مفید اور کارگر ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے اور قوموں کی زندگی میں اتحاد و یگانگت اور نظم و ضبط کو رواج دے کر ترقی کی منازل کو آسان کرنے کا باعث ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

- ۱۔ زوجین یعنی نر اور مادہ کے جوڑوں کی تکمیل۔
- ۲۔ باہمی محبت و الفت کا پروان چڑھنا اور مضبوط و استوار ہونا۔
- ۳۔ ایک دوسرے سے سکون و اطمینان حاصل کرنا اور معاشرتی اور خانگی زندگی کو خوشگوار ماحول میسر آنا۔
- ۴۔ نسل انسانی کا جاری و ساری رہنا۔
- ۵۔ خاندان کی تشکیل۔ کنبہ۔ قبیلہ قوم وغیرہ کا آغاز۔
- ۶۔ جنسی خواہشات کی تکمیل کا باوقار۔ شریفانہ اور حکیمانہ انداز۔
- ۷۔ احکام الہی کے پابند معاشرہ کی تشکیل۔
- ۸۔ تزکیہ افراد اور تزکیہ معاشرہ کا حصول۔
- ۹۔ نکاح کا عمل رشتہ داریاں پیدا کرنا ہے۔ اور اس سے بھرپور انداز میں زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے۔
- ۱۰۔ ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہو کر انسانی اخوت و محبت میسر آتی ہے۔
- ۱۱۔ عورت کی عزت و آبرو اور عصمت و عفت کی حفاظت کا باوقار اور آبرو مندانه انداز اور طریقہ۔
- ۱۲۔ شیطانی شرارتوں۔ وسوسوں سے نجات۔
- ۱۳۔ بے راہ روی۔ بے حیائی بدکاری۔ نظر بازی کا تدارک۔

۱۴۔ پاک دامن۔ ایماندار۔ پاکیزہ خیال خواتین پر تہمت لگانے کا انسداد۔

نکاح کا ادارہ اپنی حدود میں بہت وسیع و عریض ہے اس کی مزید تفصیلات جاننے کے لئے متعلقہ باب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

بعثت رسول اکرم و مکرم ﷺ سے قبل خطہ عرب ہر قسم کی برائی۔ بدکاری۔ بے حیائی۔ بددیانتی۔ ظلم و تشدد اور قتل و غارت وغیرہ میں آلودہ تھا جس کی وجہ سے انسانی شرافت۔ عزت نفس۔ احترام۔ آبرو۔ تحفظ وغیرہ مکمل طور پر مجروح تھا۔ انسانی تکریم کی بحالی اور اصلاح معاشرہ کے لئے بہت سی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ پردہ و حجاب کا نفاذ اور ادارہ نکاح کے متعلق مختصر طور پر ذکر کیا گیا ہے یاد دہانی اور ذہن نشینی کی خاطر اس کا خلاصہ دیا جا رہا ہے۔

۱۔ آزادانہ ماحول اور بے بریکانہ طرز عمل کو مقید کرنے کے لئے سب سے پہلے لوگوں کو ایک دوسرے کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ گھر میں صرف عورتوں کی موجودگی میں نامحرم افراد کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی۔

۲۔ تخلیہ یا پردہ و تنہائی کے اوقات یعنی نماز فجر سے پہلے۔ ظہر یعنی دوپہر اور بعد نماز عشاء دوسروں کے گھروں میں جانے سے منع کر دیا گیا۔

۳۔ گھروں کے اندر روزمرہ معمولات اور کام کاج میں مصروف آزادانہ ماحول میں عورتوں کو صرف مخصوص قریبی عزیزوں کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی۔ دیگر کے سامنے آنے سے قبل مکمل حجاب کا حکم دیا گیا۔

۴۔ کسی غیر مرد کے گھر کے دروازہ پر آنے کے وقت اندر سے عورت کے لہجے اور طرز پر محتاط رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

۵۔ فحش اور بے حیائی کی باتیں کرنا۔ پھیلا نا اور ان کا چرچا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

۶۔ پاک دامن اور معصوم مومن عورتوں پر الزام تراشی اور بہتان لگانے کو شدید غیر اخلاقی فعل قرار دیا گیا اور کر بناک عذاب کا مستحق قرار پایا۔

۷۔ چونکہ جنسی برائی کی ابتدا مخالف جنس کی آنکھوں کے تصادم سے ہوتی ہے اس لئے مردوں اور عورتوں کو اپنی

نظروں کو نیچا رکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ تاکہ برائی کو شروع ہونے سے قبل ہی ختم کیا جاسکے۔ اسی طرح مردوں اور عورتوں کے جنسی حصوں یا شرم گاہوں کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان حصوں کو دیکھنے سے جنسی تحریک پیدا ہی نہ ہو سکے۔ اور برائی پھیلنے سے رک سکے۔

۸۔ عورتوں کو اس بات کا پابند کر دیا گیا کہ وہ اپنا حلیہ۔ لباس یا دوسری چیزوں کو اس انداز میں ظاہر نہ ہونے دیں تاکہ جس سے غیر مردوں کی توجہ یا کشش پیدا نہ ہونے پائے اور برائی جڑ نہ پکڑے۔

۹۔ خاندان کے لڑکے جب سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو ان کو اس عمل کا پابند کر دیا جائے کہ جب وہ بڑوں کے پاس آنا چاہیں تو وہ اجازت لے کر ان کے قریب آئیں۔

۱۰۔ جب عورتیں عمر رسیدہ ہو جائیں اور ان میں جنسی خواہش مفقود ہو جائے یا ان کو نکاح کی حاجت نہ رہے تو ان کے حجاب میں رعایت دے دی گئی ہے اگر وہ چادر وغیرہ اوڑھنا نہ چاہیں تو ان کو اس بات کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ ان کی زینت یا مخصوص اعضاء ظاہر نہ ہونے پائیں۔ اگر وہ حجاب کا احترام کریں تو ان کے لئے بہتر ہے۔

۱۱۔ عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے یعنی سودا سلف۔ ملازمت۔ بیمار پرسی۔ غمی وغیرہ کے موقعوں پر اپنے آپ کو پوری طرح دبیز اور وسیع چادر میں لپیٹنا لازمی قرار دے رکھا ہے تاکہ عورت کی عزت و ناموس۔ عصمت و عفت اور تقدس مجروح نہ ہو۔

۱۲۔ ایسے مسلمان مرد یا عورتیں جو شادی کے قابل ہوں۔ یعنی غیر شادی شدہ ہوں۔ طلاق یافتہ ہوں یا بیوہ ہوں ان کی شادی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ معاشرتی و اخلاقی زندگی میں توازن قائم کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ آیت قرآنی پر غور کرنا لازمی ہے۔

”[مسلمانو!] تم میں جو مرد و زن مجرد ہوں یعنی شادی شدہ نہ ہوں۔ نیز تمہارے غلام اور خادمائیں جو شادی کے قابل ہوں۔ ان سب کے نکاح کردو۔ اگر وہ محتاج ہیں تو اللہ [اپنے قانون انعام و فضل کے مطابق] انہیں خوش حال کر دے گا۔ یاد رکھو! اللہ بے انتہا وسائل کا مالک اور

وہاب۔ علم کلی رکھنے والا ہے۔

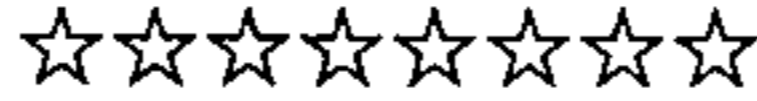
[النور ۲۴ آیت ۳۲]

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس امر کی استطاعت نصیب کرے کہ مسلمان کو نکاح کے تقدس کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ گھریلو۔ عائلی یا خانگی ماحول میں تلخیاں بڑھنے کا کافی رجحان ہے خاص طور پر ہمسایہ ممالک کے ٹی۔ وی کے اثرات نے بہت کام کیا ہے جس سے بے حیائی اور دوسری خرافات میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور مردوزن یا میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کے واقعات میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

حجاب کے تقدس۔ اس کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنت کی مطہر اور پاکیزہ مخلوق یعنی حوروں کو بھی باپردہ رہنا لازم کر دیا گیا ہے۔

”وہ حوریں [بڑی بڑی اور خوبصورت آنکھوں والی] خیموں میں ٹہرائی ہوں گی۔“

[الرحمن ۵۵ آیت ۷۲]





## 15

## بدترین انسانی دشمن

اللہ رب العزت خالق کائنات کی مخلوق کروڑوں، اربوں اجناس و اقسام پر محیط ہے۔ تمام مخلوق اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر زندگی بسر کرنے کی پابند ہیں سوائے انسان اور جن۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے میں اختیار و ارادہ کی سہولت سے نواز رکھا ہے لہذا وہ اپنے اختیار و ارادہ سے زندگی گزارنے میں آزاد ہیں خواہ اچھی اور پاک زندگی ہو یا بُری اور ناپاک زندگی۔

مندرجہ ذیل آیات قرآنی جتوں اور انسانوں کے اختیار و ارادہ کے حامل ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔

۱۔ اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو [رسول بنا کر] بھیجا۔ اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ [قائم کر] دی۔ پھر ان [کی اُمت] میں سے [کچھ] نے تو ہدایت اختیار کی [اور صراطِ مستقیم پر چلے] اور بہت سے اُن میں سے نافرمان رہے۔

[الحجید ۵۷- آیت ۲۶]

۲۔ وہی تو ہے جس نے [اپنی تخلیقی فعلیت سے] تم کو [ارتقائی انداز میں] پیدا فرمایا۔ پھر تم میں سے [اُس کے قوانین احترام آرزو، تدایت و تقویٰ اور مکافات عمل کی رُو سے] بعض [حق ناشناس] کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور [یاد رکھو!] جو کچھ بھی تم کرتے رہتے ہو۔ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے [اس سے غافل نہیں]

[التغابن ۶۳۔ آیت ۲]

۳۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض اللہ کے مطیع و فرمان بردار ہیں اور ہم میں سے بعض حق سے منحرف و ظالم ہیں، تو جنہوں نے اسلام [اطاعت و فرمان برداری کا راستہ] اختیار کیا۔ تو وہی تلاشِ حق میں کامیاب ہوئے [اور نجات کی راہِ راست اختیار کر لی]

[الحج ۷۲۔ آیت ۱۳]

۴۔ نیز ہم نے بلاشبہ اُسے [فطرۃ کل زندگی کرنے حُسین و فطری سیدھا] راستہ دکھا دیا۔ چاہے وہ [جسی۔ قلبی نظام اور فطری ہدایت ایسی نعمتوں کی] قدر کرے۔ اور اُن سے کام لے یا اُن کی نہ تو قدر کرے اور نہ کام ہی لے۔

[الدھر ۷۶۔ آیت ۳]

ابلیس جو ایک جن ہے اپنے اختیار و ارادہ کی بنا پر پوری کائنات کی مخلوقات میں سے سب سے پہلے اللہ کا نافرمان نکلا اور حکمِ عدولی کا مرتکب ہوا۔ قصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے انسان کو سجدہ کرنے یا اُس کی برتری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُسے معزول کر دیا۔ چونکہ ابلیس کی معزولی انسان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی تھی اس لئے اُس دن سے ابلیس اور اُس کا لشکر انسانوں کا بدترین دشمن بنا ہوا ہے اور ہر دشمن جو کچھ کر سکتا ہے وہ پوری قوت سے کر رہا ہے۔

انسان کی خلافتِ ارضی کے حسد نے ابلیس کو آگ بگولا کر رکھا ہے اور اس غصہ میں پاگل ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کے

سامنے اڑ گیا اور اپنی گستاخی پر نادم ہونے اور معافی کا خواستگار ہونے کی بجائے مبارزت پر اتر آیا۔  
ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ابلیس بولا: پروردگار! بدیں وجہ کہ تُو نے مجھے [عمداً] غُجاً دیا ہے۔ میں اُب دنیا میں بنی نوع انسان کو [اِہ کے مشرکانہ عقائد و رسوم۔ اعمالِ سُوء۔ غیر فطری و قبیح اور حرام خواہشات و اشیاء، الغرض سیئات کو اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے] حُسین بنا کر دکھاؤں گا اور اس طرح ان سب کو ورغلا کر [Seduce] گمراہ کروں گا“

[الحجر ۱۵۔ آیت ۳۹]

اس حوالے سے اُس نے مزید کہا۔

”اس پر ابلیس بولا۔ جس طرح تُو نے مجھے غُجاً دے کر گمراہ کیا۔ میں بھی [انتقام کے طور پر] بنی نوع انسان کو ورغلانے کے لیے جنت کو جانے والی راہ راست پر گھات لگائے رکھوں گا“  
”پھر میں [ان کو ورغلانے کے لیے] اُن کے آگے سے پیچھے سے دائیں اور بائیں سے [الغرض ہر طرف سے] ان کے پاس آؤں گا۔ اور تُو ان میں بہتوں کو [اپنی نعمتوں کا] شکر گزار نہیں پائے گا۔“

[الاعراف ۷۔ آیات ۱۶۔ ۱۷]

ابلیس یا شیطان جس کا نام عزازیل ہے اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اُس کی دھوکہ بازی، دغا بازی، فریب کاری اور وسوسہ اندازی کا اولین شکار حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا ہوئے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے کہ

”شیطان ان دونوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے یعنی اندیشے اور احتمالات پیدا کرنے لگا تاکہ ان کے جنسی اعضاء یا عورات [Sexual or

[private parts] کو جن کا دیکھنا ان کے لیے ممنوع تھا ان کو کھلم کھلا دکھلائے (اور اس طرح ان کے جنسی جذبات میں ہیجان پیدا کرے۔ [He may excite their sexual passions] اور اُس [شیطان] نے [نا صحانہ انداز میں] اُن سے کہا: تمہارے رَبِّ نے تمہیں اس شجرہ یعنی جنسی معروض یا شرم گاہوں [sex objects] سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ۔ نیز حیات جاوید [Eternal life] نہ حاصل کر لو“

”اور اُن سے قسمیں کھانے [اور یقین دلانے] لگا کہ میں تمہارے مخلص خیر خواہوں میں سے ہوں۔“

”پھر ہوا یہ۔ کہ شیطان نے دونوں کو بہکاوے لے کر چت کر ہی دیا، اور وہ لذت جنس [sex] سے آشنا ہو گئے تو اُن کی عورات یا شرم گاہیں ایک دوسرے پر آشکارا ہو گئیں۔ [شرم کے مارے] وہ اُن کو چھپانے کی خاطر باغ کے پتے تہ تہ کر کے اُن پر چپکانے لگے۔ اس پر اُن کے پروردگار و آقا نے ان کو ڈانٹا۔ کیا میں نے تمہیں اس جنسی مرزع کی مقاربت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے [لیکن تم نے حکم عدولی کی۔]

[الاعراف ۷۔ آیات ۲۰ سے ۲۲]

شیطان یعنی ابلیس کے مغرورانہ۔ تکبرانہ اور حاسدانہ رویہ کے برعکس وہ دونوں اپنی کوتاہی اور بھول پر پریشان و پشیمان ہوئے اپنی کوتاہی کا اقرار کیا۔ استغفار و توبہ کی اور معافی کے طلب گار ہوئے۔

”دونوں نے عرض کیا: پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو ہماری مغفرت نہیں فرمائے گا۔ یعنی ہمارے گناہ کے اثرات [سیئات] کو محو نہیں کرے گا۔ اور ہم پر ترس کھا کر ہمیں اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا تو ہم [باعبار حسنات] گھاٹے میں پڑ جائیں گے [یعنی اہل نار

بن جائیں گے]

[الاعراف ۷- آیت ۲۳]

اللہ غفور الرحیم نے اُن کی معافی کرنے کے بعد انہیں جہاں وہ مقیم تھے زمین کی طرف گُوج کرنے کا حکم دیا اور ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سب نے اسی زمین یا دُنیا میں زندگی کرنا بھی ہے اور مرنا بھی۔ اور سب سے [بالآخر] تم (زندہ) نکالے جاؤ گے۔“

[الاعراف ۷- آیت ۲۵]

یہ تھی انسان اور شیطان کی دشمنی کی کہانی کی ابتدا جو صدیاں گزرنے کے باوجود ابھی تک جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات نے انسان کو خاص الخاص ترکیب سے تخلیق کیا اس لیے وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے گمراہ ہونے سے بچا کر رکھنا چاہتا ہے وہ انسان کو بار بار تنبیہ کرتا رہا کہ شیطان کے جھانے میں نہ آنا جیسے کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے۔

۱۔ ”اے بنی نوع انسان! زمین میں جو بھی چیزیں [ماکولات و مشروبات، شرعاً] حلال یا جائز، پاکیزہ، خوش گوار اور صحت افزا ہیں [شوق سے] کھاؤ، پیو! لیکن شیطان کے نقوشِ قدم پہ نہ چلنا کیونکہ وہ تمہارا بلاشبہ کھلا دشمن ہے۔“

[البقرہ ۲- آیت ۱۶۸]

۲۔ اے آدمؑ کی اولاد! کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا [اور تاکید نہیں کی تھی] کہ شیطان کی اطاعت و فرماں برداری نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

[یسین ۳۶- آیت ۶۰]

۳۔ بے شک شیطان تمہارا [کھلا] دشمن ہے اس لیے تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے پیروکاروں کو محض اس لیے اپنی راہ پر بلاتا

ہے تاکہ وہ اہل دوزخ میں شامل ہو جائیں۔

[فاطر 35- آیت 6]

۴۔ اصل یہ ہے کہ شیطان دل شکن باتوں کے ذریعے لوگوں میں اختلاف و فساد پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کُھلا دشمن ہے۔

[الاسراء ۱۷- آیت ۵۳]

۵۔ اس کے باوجود شیطان نے تم میں سے خلقِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

[یسین ۳۶- آیت ۶۲]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھانے اور اُسے شیطان کے شکنجہ سے نچانے اور صراطِ مستقیم پر لگانے کے لیے قریباً سوا لاکھ اپنے مخصوص۔ مطہر اور برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا۔ لیکن انسان اپنے مستقبل سے لاپرواہ ہو کر ہوش و حواس سے کام لینے سے عاری ہے۔

”[میرے پیغمبر اعظم و آخر علیہ السلام] اللہ تعالیٰ شائد ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے اُمتوں، یعنی اقوامِ عالم میں اپنے رسول بھیجے، لیکن شیطان نے [اپنے جمالیاتی فریب سے] ان قوموں کو اُن کے [اعمال] سُوء کو خوشنما و خوبصورت بنا کر دکھایا [اور وہ اس نظر فریب دھوکے میں ماری گئیں] چنانچہ اب بھی وہی، یعنی شیطان اِن کا سرپرست [Patron] بنا ہوا ہے [اس کے نتیجے میں، گذشتہ اقوام کی طرح] انہیں بھی کربناک عذاب سہنا پڑے گا۔“

[النحل ۱۶- آیت ۶۳]

ارادہ و اختیار میں آزاد انسان کا ذہن یا دماغ ایک لمحہ کے لیے بھی فارغ نہیں رہتا تیکہ سوتے میں بھی خواب کی صورت مصروف رہتا ہے جاگنے کی حالت میں جبکہ وہ جسمانی اور ذہنی کاموں سے بھی فارغ ہوتا ہے تب بھی اُس کا ذہن مختلف الاقسام خیالات میں الجھا رہتا ہے یہ خیالات کا سیلاب کبھی بھی اختتام پذیر نہیں ہو پایا۔ اگر ان خیالات کو کشید

کرنے کے عمل سے گزارا جائے تو اہل علم کی نظر میں انہیں رحمانی خیالات اور شیطانی وسوسوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ رحمانی خیالات یا سوچ نیک اور پاکیزہ کاموں کی بنیاد بنتے ہیں جبکہ شیطانی وسوسے یا سوچ ایسے عوامل کی نشاندہی کرتے ہیں جو غیر اسلامی، غیر شرعی اور غیر معیاری شمار ہوتے ہیں اور انسانی گراؤٹ کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے انسان جو نہ تو اہل نظر ہوتے ہیں اور نہ ہی اہل علم وہ شیطانی وسوسوں کی ظاہری خوبصورتی اور خوش نمائی سے مسحور ہو کر ان کی جانچ پڑتال سے قاصر و محروم رہتے ہیں اور شیطانی شکنجہ میں پھنس جاتے ہیں اور ان وسوسوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصور کرتے ہوئے ان کے مطابق عمل پر فخر کرتے ہیں اور اپنی بظاہر خوشگوار زندگی کی حقیقت سے نا آشنا رہتے ہیں اور حزب شیطان کے رکن بنے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور پھر بھی اسے اللہ رحمن کی توفیق سے سمجھتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ انسان کو غلط رستہ پر اپنی مرضی سے چلانے کا مکلف نہیں ہوتا۔

شیطان اپنی سوچ اور فعل میں بہت سمجھ دار۔ موقع پرست اور موقع شناس واقع ہوا ہے۔ اُس کی عیاری۔ چالاکی اور سمجھداری کا مقابلہ کرنا یا اُس سے بچنا عام انسان کے بس میں نہیں۔ وہ انسان کی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہے اور موقع کے مطابق اُن کمزوریوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ کو استعمال کر کے انسان کو اپنے قابو میں کرتا رہتا ہے۔ یوں تو انسانی خواہشات اور کمزوریاں بے شمار ہو سکتی ہیں صرف چند کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۱۔ حلال و حرام اشیاء خورد و نوش کی خواہش۔

۲۔ جائز و ناجائز مال و دولت کی حرص۔

۳۔ مال و دولت کے استعمال میں بخل یا بیجا مصرف۔

۴۔ ظاہری شان و شوکت کی طلب۔

۵۔ اقتدار کا حصول۔

۶۔ جنسی فحاشی سے محبت۔

شیطان کی فطرت جھوٹ، حسد، دھوکہ، فریب، بخل، بد عہدی، نافرمانی، بے حیائی، برائی، گمراہی اور وسوسہ

اندازی سے مزین ہے اور وہ اپنے انسانی دوستوں اور پیروکاروں کو اپنی فطرت پر چلانے کا خواہش مند رہتا ہے۔ اللہ

تبارک تعالیٰ نے اُس مردود کے چند اوصاف کا مندرجہ ذیل چند قرآنی آیات کے ذریعے انسانوں کو آگاہ کیا ہے تاکہ وہ خبردار رہیں۔

۱۔ [اور] یہ شیاطین پر حال میں تمہیں خوف و غم لانے والے حرام کام اور بُخل و بے حیائی کرنے پر اُکساتے اور آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ نیز اس کی بھی تحریک و ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ اللہ [کی ذات و صفات اور احکام و تعلیمات] کے بارے ایسی باتیں کہو۔ جن کا تمہیں علم نہیں۔“

[البقرہ ۲- آیت ۱۶۹]

۲۔ ”شیطان [ابلیسی ہو یا بشری] تمہیں [طرح طرح کے خطرات سے] خوف دلاتا رہتا ہے کہ [اگر تم اللہ کی راہ میں زکوٰۃ، الغفور، الماعون، قرضِ حسنہ وغیرہ وغیرہ دو گے تو] تم مفلس و محتاج ہو جاؤ گے اور [اس بنا پر] تمہیں بخل [دولت جمع کر کے رکھنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی] اور خواہش [جنسِ فروشی، جمالِ فروشی اور ضمیر و قومِ فروشی] کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔“

[البقرہ ۲- آیت ۲۶۸- جزو]

۳۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! [سُنو] شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلنا۔ دیکھو! جو شخص شیطان کا کہا ماننا اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اسے الفحشاء، یعنی بخل اور بے حیائی [جیسے جمالِ فروشی، جنسی فروشی، فحاشی وغیرہ وغیرہ] اور المنکر، یعنی عقلِ سلیم، فطرت اور وحی کے خلاف قابلِ نفرین کام کرنے کی ترغیب دیتا اور تحریک کرتا ہے۔ دیکھو! اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا نہ اُس کا رحم و احسان، تو تم میں سے کوئی شخص بھی پاکِ دل و پاکِ دامن اور صالح نہ بن سکتا تھا لیکن اللہ [اپنے قانونِ مشیت و حکمت کے مطابق] جس کا چاہتا ہے تزکیہ کرتا ہے یاد رکھو! اللہ سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے



والا ہے۔“

[النور ۲۳- آیت ۲۱]

شیطان اُن کو بہکاوے دے دیتا اور سبز باغ دکھاتا رہتا ہے اور شیطان کے بہکاوے سراب و فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔

[النساء ۲۱- آیت ۱۲۰]

اے لوگو جو ایمان لا کر اسلام میں داخل ہوئے ہو۔ مسکرات [Pintoxicants] جُوا [Gambling] بُت [Idols] اور فال کے تیر [Arrows of chance] نجس [اور] شیطان کی اختراع و مشغلہ ہیں۔ لہذا [ان سے] احتراز کرو یا ان سے دُور رہو تاکہ تم فلاح پاؤ یعنی خوف و حزن سے نجات اور نشوونما پاؤ۔“

شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ منشیات یا مُسکرات اور قمار بازی کے ذریعے تمہارے درمیان دُشمنی اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر، یعنی قرآن مجید [کی تلاوت یا حق] اور صلوة [کی اقامت] سے روک دے۔ [ان تصریحات کے باوجود] کیا تم ان سے باز آؤ گے؟ [یعنی تمہیں ان سے ضرور باز رہنا چاہئے۔]

[المائدہ ۵- آیات ۱۹۰ اور ۹۱]

شیطان اپنے کام میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ وہ انسان کی کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اور انسان کو بے راہ رُو کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ ایسی جگہ اور ایسے انداز سے انسان پر وار کرتے ہیں کہ اس کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا اور نہ ہی انسان اُس کا ادراک ہی کر سکتے ہیں ذہن میں آنے والے خیالات کو وہ نہیں جانتے کہ یہ رحمانی امر ہے یا شیطانی وسوسہ۔ اور اس طرح انسان اپنی خوش فہمی۔ غلط فہمی اور کم علمی کی بنا پر نہایت آسانی سے اُن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آگاہ کر رکھا ہے کہ

”اے آدمؑ کی اولاد! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکاوا دے۔ جیسے اُس نے

تمہارے والدین کو بہکاوا دے کر ثمرور باغ سے نکلوا دیا تھا۔ اور اُن کے لباس کو ان کے جسموں سے اُتروا کر عُریاں کر دیا تھا کہ ان کی شرمگائیں ان کو دکھائے [اور مقاربت پر آمادہ کرے] [یاد رکھو!] شیطان اور اس کے بھائی بند تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ نہیں پاتے [ہمارا قانونِ احترامِ آرزو و تدبیری یہ ہے کہ] جو لوگ ہمارے قوانین و احکام اور تعلیمات کو نہیں مانتے ان کے رفیق و حامی شیاطین ہوتے ہیں۔“

[الاعراف ۷۔ آیت ۲۷]

شیاطین چونکہ انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور اللہ رب العزت کا نافرمان بنانے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں اور انسان اپنی سادگی اور بیوقوفی کی وجہ سے اُن کے دھوکہ میں آسانی سے آجاتا ہے اس لیے اللہ رحمن و رحیم نے اُسے شیطانوں کے شکنجہ سے بچانے کے لیے مندرجہ ذیل قرآنی آیات مقدسہ کے ذریعہ اُن کی راہ نمائی فرمائی ہے۔

”اور [اے مُؤمن!] اگر تُو جھ کو شیطان کسی وسوسہ اندازی [اور جمالیاتی فریب کاری] میں مُبتلا کرنا چاہے۔ تو فوراً اللہ کی پناہ اور حفاظت و اِمان مانگ لیا کرو۔ یقیناً وہ [اللہ] سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ اپنی کُل مخلوقات کے اقوال و افعال کا احسن و اکمل سمعی و بصر مشاہدہ کرنے والا ہے۔“

[حم السجدہ ۳۱۔ آیت ۳۶]

”اگر شیطان کی وسوسہ اندازی سے آپ میں کوئی وسوسہ خلش پیدا کرے تو آپ فوراً اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں اور اس کی پناہ میں آجائیں وہ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا۔ سب اشیاء کا علم کُلّی رکھنے والا ہے۔“

”اصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو راہِ راست پر سفرِ زندگی کرنے کی آرزو اور گمراہی کی خثیت ہوتی ہے وہ اگر شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خلش محسوس کرتے ہیں تو چونک اُٹھتے ہیں اور (شیطان کے دام

تزویر کو) صاف دیکھنے لگتے ہیں۔“  
اور [بخلاف اس کے جو لوگ اہل آرزو و خشیت نہیں ہوتے] اُن کے بھائی  
بند ان کو کجروی و سرکشی میں کھینچے لیے جاتے ہیں اور اس میں  
کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔“

[الاعراف ۷۔ آیات ۲۰۰ سے ۲۰۲]

اللہ تعالیٰ نے اس طرح مزید نصیحت فرمائی۔

”اور یہ دُعا مانگا کرو! پروردگار! میں شیطانوں کی ترغیبات و  
تحریکات سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں“

”نیز میرے رَبِّ! میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں“  
[المومنون ۲۳۔ آیات ۹۷ اور ۹۸]

اس بات سے تو تمام مسلمان آگاہ ہے یاد دہانی کے لیے یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے کہ  
جب قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگو تو شیطان الرجیم کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ میں آجایا کرو۔

”دیکھو! جب قرآن [عظیم] پڑھنے لگو تو شیطان مردود [کے وسوسوں]  
سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو“

[النحل ۱۶۔ آیت ۹۸]

شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا انداز مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے۔  
”[نیز] فناس یعنی شرانگیزی کرنے کے بعد ہٹ جانے والے کی وسوسہ  
اندازی کی مفرت و آفت سے [بھی اللہ کی پناہ کا طلب گار ہوں]“  
”یہ وہ ہے جو لوگوں کے باطنی نظام میں وسوسے یعنی شکوک و  
شبہات، بُری خواہشات اور بدگمانیاں ڈالتا ہے۔“

[الناس ۱۱۴۔ آیات ۴ سے ۶]

یہ بات بھی سب مسلمانوں کے ذہن میں رہتی ہے کہ الصلوٰۃ یعنی نماز کے آغاز پر ”تعوذ“ کا دہرانا لازمی ہے

یعنی شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔ یعنی

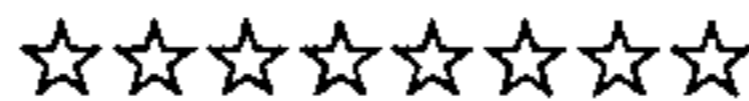
### أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

”یا اللہ! تیری رحمت و مغفرت سے محروم و مردود شیطان [کے  
وسوسوں اور جمالیاتی فریب کاری] سے محفوظ و مصئون رہنے کے  
لیے مجھے تیری پناہ کی حاجت و طلب ہے۔ مجھے اپنی حفاظت و امان  
میں لے لے۔“

ملک کو برائی سے پاک کرنے اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل نو اور انسانوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم  
کرنے کے لیے شیطانوں خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں ان کے اثر و رسوخ کو ختم کرنا لازمی ہوگا۔  
اس لیے علماء کرام کو اسلامی تعلیم و تربیت کو فروغ دینا ہوگا۔ تعلیمی اداروں کو بشف اسلام کرنا اور نظم و ضبط قائم کر کے انسانی  
اقدار کو بحال کرنا ہوگا۔ علاوہ حکومت وقت کو ملک میں ہر سطح پر نظام اوامر بالمعروف اور نظام نواہی عن المنکر کو قائم کرنا اور  
ان پر حقیقی معنوں میں عمل درآمد کرانا ہوگا۔

اصل اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کام یا عمل انفرادی طور پر کرنے سے ہی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ  
کے احکام و قوانین اور تعلیمات و ہدایات کے مطابق زندگی گزارنا ہی مقصد حیات ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ شیطانی روئیہ  
کی نفی کرے اور حضرت آدم علیہ السلام کے کردار سے مستفید ہو۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ سلامتی اور اعتدال پسند دین کو چند افراد نے اسے شدت اور تشدد میں تبدیل کر رکھا  
ہے اور معصوم انسانوں کو ہلاک کرنا اور دکھ پہنچانا ہی دین سمجھ رہے ہیں اور دین اسلام کی نفی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔



## 16

## فطرتِ انسانی

انسان کی بناوٹ و ساخت مٹی کو مختلف مراحل سے گزار کر تشکیل پائی اور اسے امر ربی یعنی روح سے تقویت بہم پہنچائی گئی اس لئے اس کے اوصاف کا دار و مدار مٹی کے خواص اور روح کے خواص پر منحصر ہے۔ اس کی پرورش و تربیت کے دوران اور گرد و پیش کے ماحول کے اثرات پر جس جزو کی برتری ہوگی ویسی ہی اس کی فطرت روزمرہ کے معمولات میں نمایاں ہوگی۔ وہ وہی اور ویسی ہی صفات۔ اس سے اجاگر ہوں گی۔

اللہ خالق کائنات نے انسان کو اس کی پیدائش اور مقصد کی تفصیل سے اس طرح آگاہ کیا۔

”[اے بنی نوع انسان!] ہم ہی نے [اپنے قانون ارتقاء کے مطابق] تمہاری درجہ بہ درجہ تخلیق کی [جس طرح ہم ہر بچے کی تخلیق ارتقائی انداز میں اس کی ماں کے بطن میں کرتے ہیں۔ یہ ہماری سنت ہے اور ہماری سنت ناقابل تغیر و تبدل ہے] پھر ہم نے تمہاری صورت گری کی، یعنی تمہارے چہرے، مہرے، اعضاء و جوارح اور قد و قامت کی تشکیل کی۔۔۔۔۔“

[الاعراف ۷ آیت ۱۱ جزو]

مزید فرمایا گیا۔

”اُسی نے تیری پیدائش ارتقائی انداز میں، یعنی مرحلہ وار کی، پھر تیرے اعضاء و جوارح میں ہم آہنگی و توازن پیدا کیا؛ پھر [تیرے قد و قامت میں] اعتدال اور تناسب پیدا کیا“

”پھر جس صورت میں چاہا، تجھے متشکل کر دیا“

[الانفطار ۸۲ آیت ۷، ۸]

انسان اپنی پیدائش یعنی بچپن سے بڑھاپے تک مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنی دنیاوی زندگی مکمل کرتا ہے اس دوران اس کی فطرت کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ جو اس کی اپنی ذات سمیت ارد گرد کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اور معاشرہ کو بھی۔ اس کے رویوں کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔

”وہی تو ہے جس نے [اپنی تخلیقی فعلیت سے] تم کو [ارتقائی انداز میں] پیدا فرمایا، پھر تم میں سے [اس کے قوانین احترام آرزو، روایت و تقویٰ اور مکافات عمل کی رو سے] بعض [حق ناسناس] کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور [یاد رکھو!] جو کچھ بھی تم کرتے رہتے ہو۔ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ [اس سے غافل نہیں]“

[التغابن ۶۴ آیت ۲]

”اپنی توجہ سب سے ہٹا کر دین [فطرت و الہی] پر مرکوز کر دو۔ یہ اللہ کی فطرت [حسین] ہے۔ جس پر اس نے بنی نوع انسان کی تخلیق کی [یا فطرت بنائی ہے] اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت و تخلیق بدلی نہیں جاسکتی [یعنی اللہ کی خلقت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا] یہ درست اور قائم رہنے والا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ حقیقت نہیں سمجھتے اور جانتے“

[الروم ۳۰ آیت ۳۰]

’واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اسے تقویٰ و فجور‘ خیر و شر‘ اور ہدایت و ضلالت کے دونوں راستے دکھادیے ہیں“

[البلدہ ۹۰ آیت ۱۰]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی۔ خود مختاری اور اپنے رویوں اور اعمال کو اپنی مرضی سے سرانجام دینے کا اختیار تفویض کر رکھا ہے۔ وہ یعنی انسان اپنی صوابدیدہ کے مطابق اچھے یا برے رویوں کو اپنا کر اپنی زندگی گزارنے میں آزاد ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ سیئہ سے آگاہ کر رکھا ہے۔ اور ان کے انجام سے بھی خبردار کر رکھا ہے لہذا انسان خود اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔

انسان کے منفی اور نقصان دہ رویوں کا قرآن پاک میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

مال و دولت سے انتہائی محبت کرنے والا:

انسان مال و دولت کا بہت حریص ہے اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے۔ مال و دولت کے حصول کے لئے اکثر جائز و ناجائز کی حدود بھی پھلانگ جاتا ہے اور اپنے انجام سے بھی لاپرواہ ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق:

”وہ مال و دولت سے بے انتہا محبت رکھتا ہے۔ [حالانکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے‘ پھر اس کی جنت سے کہ جہاں انسان نے ہمیشہ رہنا ہے]

[العنکبوت ۱۰۰ آیت ۸]

”اور مال و دولت سے بے انتہا محبت کرتے ہو [اس لئے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے ہو‘ نتیجہ ذلیل و خوار ہوتے ہو]“

[الفجر ۸۹ آیت ۲۰]

انسان مال و دولت کی حرص میں حد سے گزر جاتا ہے وہ بے پناہ اور لاتعداد دنیاوی اشیاء حاصل کرنے کے

باوجود سیر نہیں ہوتا اور مزید حاصل کرنے کی طلب و تمنا میں سرگرداں رہتا ہے اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو بھی نظر کر جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اپنی منزل کو کھو دینا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

”اور اس کو میں نے مال فراوان دیا“

”اور بیٹے دیئے جو [اس کی نظروں کے سامنے] حاضر رہتے [اور اس کی

محفل میں اس کے لئے باعث توقیر تھے]“

”اور تمام سامان [جاہ و ریاست] اسے پوری طرح مہیا کر دیا“

”پھر بھی اسے طمع ہے کہ اسے اور زیادہ دوں“

[المدثر ۷۴ آیات ۱۲ سے ۱۵]

جلد مایوس ہو جانا انسانی عادت ہے۔

انسان جب اللہ کی دی ہوئی وافر نعمتوں کی وجہ سے آرام و آرائش۔ امن و سکون۔ جاہ و جلال اور آسودہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے تو اکثر اللہ تعالیٰ کی تعلیمات و ہدایات اور قوانین و احکام کو بھول جاتا ہے۔ اور جب اس کے نامناسب رویوں۔ کوتاہیوں۔ نافرمانیوں اور بد اعمالیوں کی بنا پر اس کے رزق میں رد و بدل اور کمی واقع ہوتی ہے تو بہت جلد مایوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس کی فطرتی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔

”غور کرو جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ [تکبر سے] ہم

سے صرف نظر کرتا اور پیٹھ پھیر کر دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس پر

مصیبت آتی ہے تو وہ [ہماری رحمت سے] مایوس ہو جاتا ہے“

[الاسراء ۷۷ آیت ۸۳]

اس حوالے سے مزید فرمایا گیا ہے۔

”غور کرو جب ہم لوگوں کو حسنات سے نوازتے ہیں تو وہ اس پر اترانے

لگتے ہیں لیکن جب ان کے اعمال سوء کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت

آتی ہے تو جلد ہی یاسیت پسند ہونے لگتے ہیں“

[الروم ۳۰ آیت ۳۶]



”اور اگر ہم [اپنے قانونِ انعام و فضل کے مطابق] انسان کو رحمت یا خیرِ حسنہ کا مزہ چکھاتے ہیں [تو وہ اسے اپنے علم و ہنر کا ثمرہ خیال کرتا ہے] پھر جب ہم [اپنے قوانینِ مجازات و تشکرِ نعمت کے مطابق] اسے واپس لے لیتے ہیں تو وہ یاسیست پسند۔ ناشکرا ہو جاتا ہے۔“

[ہود ۱۱ آیت ۹]

ناشکری کا مرتکب ہونا انسانی فطرت ہے۔

پیدائش سے وفات تک اگر انسان اپنی زندگی پر غور و فکر کرے اور اپنا جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ اللہ خالق انسان و کائنات اسے رنگ بہ رنگ کی لاکھوں کڑوڑوں نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے اس کی زندگی میں آسودگی اور آسانیاں مہیا کرتا رہتا ہے۔ مصائب و تکالیف سے نجات دیتا رہتا ہے۔ لیکن انسان ان عنایات کی ناقدری کرتا اور ناشکری کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

”یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی [جو غیر مترقبہ نعمتِ عظمیٰ ہے] پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر [آخر میں] وہی تمہیں زندہ کرے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ [یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور نہ اپنے منعم کی]“

[الحج ۲۲ آیت ۲۶]

”غور کرو کہ وہ رب ہی ہے جس نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل و دماغ تخلیق کئے [یعنی تمہارا حسی۔ قلبی نظام قائم کیا۔ لیکن] تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو [یعنی تم ان نعمتوں سے بہت کم حقیقی فائدہ اٹھاتے ہو اور بہت کم اپنے رب کا شکر بجالاتے ہو۔]“

[المومنون ۲۳ آیت ۷۸]

اس حوالے سے مزید فرمایا گیا۔

”اور [یہ سب جانتے اور مانتے ہوئے بھی] ان لوگوں نے اس کے بندوں

میں سے بعض کو اس کا جزو [اولاد] ٹھہرایا ہے۔ [جزو تو جنسیت سے ہوتا ہے، لہذا اللہ کا کوئی شریک اور جزو کیسے ہو سکتا ہے؟] بیشک انسان بڑا ہی کھلا ناشکرا و احسان فراموش واقع ہوا ہے۔“

[الزخرف ۲۳ آیت ۱۵]

”ہلاکت ہو انسان پر، کس چیز نے اسے ناشکرا بنایا۔“

[عبس ۸۰ آیت ۱۷]

”[بلاشبہ انسان [عموماً] اپنے رب [کی نعمتوں] کا بڑا ناشکر گزار ہے، یعنی اللہ کی عطا کردہ موضوعی اور معروضی نعمتوں کا استعمال احکام الہیہ کے مطابق نہیں کرتا اور وہ خود بھی اس واقفیت کا شاید ہے۔ [پرمانتا نہیں]“

[العدیات ۱۰۰ آیات ۶، ۷]

احسان نہ ماننے والا۔ ناشکر گزار

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا رکھا ہے لیکن انسان ان کی قدر نہیں کرتا اور نہ ہی احسان مند ہوتا ہے۔

”کہو وہ [اللہ] ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور مراکز حواس یعنی دل و دماغ بنائے [مگر] تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو، یعنی ان قوتوں سے جتنا اور جیسا کام لینا چاہیے اتنا اور ویسا کام نہیں لیتے، بلکہ بہت کم کام لیتے ہو، نیز ان عظیم و غیر مترقبہ نعمتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر و سپاس بھی کم ہی کرتے ہو“

[الملک ۶۷ آیت ۲۳]

تنگ دل اور بخیل

انسان مال و دولت۔ وافر رزق اور اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتیں ملنے پر خوشی کا اظہار کرتا اور اس پر مطمئن بھی رہتا

ہے لیکن اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کترانے لگتا ہے اور انسانوں کی فلاح و بہبود اور مدد و اعانت کو بھول جاتا ہے اور شیطانی وسوسہ کے تحت اس خدشہ میں مبتلا رہتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس کے اثاثے اختتام پذیر ہو جائیں گے لہذا وہ تنگ دل اور بخیل بن جاتا ہے اس کا یہ رویہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

”اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی اور مال و دولت ملتا ہے۔ تو بخل کرتا اور ہاتھ روک لیتا ہے [یعنی نہ زکوٰۃ دیتا ہے۔ نہ العفو، نہ صدقات نافلہ، اور نہ کسی مستحق مسائل اور حاجتمند کے ساتھ احسان ہی کرتا ہے]“

[المعارج ۷۰ آیت ۲۱]

”[انہیں اس حقیقت سے] آگاہ کر دیں کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت، یعنی مال و منال اور نعمتوں کے [لامتناہی] خزانے بھی تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم اس ڈر سے روکے رکھتے کہ کہیں خرچ [اور ختم] نہ ہو جائیں۔ انسان واقعی بڑا ہی تنگ دل واقع ہوا ہے“

[الاسراء ۷۱ آیت ۱۰۰]

سرکش ہو جانا انسانی عادت ہے۔

انسان جب نعمت ربانی میں خود کفیل ہو جاتا ہے۔ اور اپنی ذات میں مطمئن اور آسودہ حال ہو جاتا ہے تو وہ

سرکش ہو جاتا ہے۔

”وہ اس نعمت غیر مترقبہ کا شکر نہیں کرتا“ بلکہ سرکشی اختیار کرتا ہے

”وہ اپنے آپ کو بے احتیاج و بے نیاز سمجھتا ہے“

[العلق ۹۶ آیات ۶، ۷]

انسان جھگڑالو ہے۔

مختلف احوال و واقعات انسان کو جھگڑالو بنا دیتے ہیں جس سے خاندانوں کے باہمی تعلقات کشیدگی اختیار

کر لیتے ہیں۔ ہمسایوں اور محلہ داروں میں مختلف نزاع کی بنیاد پر ہم آہنگی اور خوش گواری ختم ہو جاتی ہے۔ آخر کار معاشرہ میں تلخیاں اور بد مزگیاں عود کر آتی ہیں۔ یہ رویے یقیناً اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بن جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل قرآنی آیات اس رویہ کی نشان دہی کر رہی ہیں۔

”اسی نے انسان کو [اپنی تخلیق فعلیت کے مطابق] نطفے یعنی مادہ منویہ کے ایک قطرے سے ارتقائی انداز میں تخلیق کیا۔ [اور کرتا رہتا ہے۔] پھر دیکھو! وہ تیز زبان نزاع و تکرار کرنے والا بن جاتا ہے“

[النحل ۱۶ آیت ۴]

”غور کرو کہ ہم نے بلاشبہ بنی نوع انسان [کے فہم و ادراک] کیلئے اس قرآن میں [اس کے] ہر موضوع کو مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے۔ لیکن انسان اکثر باتوں میں [خواہ مخواہ] بحث و نزاع کرنے والا واقع ہوا ہے“

[الکھف ۱۸ آیت ۵۴]

”کیا بنی انسان غور کی نظروں سے نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے [اپنی تخلیقی فعلیت کے مطابق] نطفے یعنی مادہ منویہ کے ایک قطرے سے ارتقائی انداز میں تخلیق کیا ہے۔ [اور کرتے رہتے ہیں] پھر دیکھو! وہ [تیز زبان] نزاع و تکرار کرنے والا بن جاتا ہے“

[یس ۳۶ آیت ۷۷]

’[اب] اے انسان! تو خود غور کر کہ [تو اپنے رب کی کون کون سی قدرت کی] نشانیوں میں شک کرے گا یا جھگڑے گا“

[النجم ۵۳ آیت ۵۵]

انسان ظالم اور جاہل ہے۔

”ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑ کے سامنے پیش کی۔ لیکن

ان سب نے بار امانت اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے۔ لیکن انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والا، پر لے درجے کا نادان اور غافل ہے“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۷۲]

### کم حوصلہ۔ جلد گھبرانے والا

”بے شک انسان [تھڑ دلا، سیماب صفت اور] بے صبرا پیدا کیا گیا ہے یعنی انسان خلقی طور پر نا صبور و بے قرار پیدا کیا گیا ہے“

”جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ یا اسے نقصان یا تکلیف پہنچتی ہے۔ تو گھبرا جاتا۔ اور جزع فزع کرنے لگتا ہے“

[المعارج ۷۰ آیات ۱۹، ۲۰]

### محنت میں پیدا کیا گیا۔

”قسم ہے اولاد پیدا کرنے والے کی اور اس کی جسے اس نے پیدا کیا“

”کہ ہم نے انسان کو محنت کشی کے لئے تخلیق کیا“

[البلد ۹۰ آیات ۳، ۴]

### جلد باز

”[اے ظالم کافر!] یہ درست ہے کہ انسان خلقاً یعنی فطرۃ عجلت پسند بنایا گیا ہے، لیکن [پھر بھی] تم جلدی نہ مچاؤ! میں تمہیں عنقریب اپنی اعجازی نشانیاں دکھاؤں گا“

[الانبیاء ۲۱ آیت ۳۷]

”غور کرو کہ انسان [بسا اوقات اپنی جلد بازی و عاقبت نا اندیشی کے سبب] اپنے لئے شر، یعنی نقصان دہ مضرت رساں اور غم انگیز اشیاء مانگتا ہے، جیسے وہ خیر و حسنہ، یعنی نفع بخش و مسرت انگیز اشیاء

مانگتا ہے۔ اصل میں انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے“

[الاسراء ۷۱ آیت ۱۱]

جلد بازی کی انسانی فطرت اُسے اکثر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے سوچ بچار، غور و فکر اور منصوبہ بندی سے محروم رکھتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ غلط خواہش کی تکمیل یا نامناسب کام۔ بے فائدہ منصوبوں کا آغاز وغیرہ کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے اور اپنے لئے مصیبت کو مقدر بناتا ہے۔ اور جلد بازی اسے مشکلات میں پھنسانے کا باعث بن جاتی ہے۔

نعمت ربانی کا حق دار جاننا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو نظر انداز کرتے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنی دانش اور عقل کا ثمرہ قرار دیتا ہے اور اپنی محنت کا اجر سمجھتا ہے جو اس کی بھول اور بے وقوفی ہے۔

”اور جب تنگی زیست میں مبتلا ہو جانے کے بعد اسے ہم اپنی طرف سے لذتِ حسنہ سے آشنا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ [ثمرہ] ہے [میری عقل و محنت یا علم کا] میرے لئے“ اور اس ناشکری پر بس نہیں کرتا بلکہ تکبر سے کہتا ہے کہ [میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی۔

اگر مجھے اپنے رب کے حضور لوٹ کر جانا ہی پڑا تو میرے لئے اس کے ہاں بڑے بڑے انعام و اکرام ہوں گے۔ ہم ایک دن کافروں کو ان کے اعمال کی حقیقت سے ضرور آگاہ کریں گے۔ اور انہیں پیچھا نہ چھوڑنے والے اور شدید عذاب کا مزہ چکھا ہیں گے“

[حم السجدہ ۳۱ آیت ۵۰]

”انسان کی یہ نفسیاتی کیفیت ہے کہ [جب تمہارا رب اسے عزت اور انعام و اکرام سے سان چڑھاتا یا آزمائش میں ڈالتا ہے تو [فخر سے] کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے واجب التکریم یا معزز بنایا ہے۔“

”بخلاف اس کے“ اگر اس کی روزی تنگ کر کے اسے سان چڑھایا جاتا یا

آزماتا ہے۔ تو شکوہ کرتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا  
ہے“

[الفجر ۸۹ آیات ۱۵، ۱۶]

بے لحاظ۔ مطلب پرست۔

مشاہدہ گواہ ہے کہ جب اس کا مطلب پورا ہو جاتا ہے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے یا اس کی تکلیف۔  
مصیبت اور بیماری دور ہو جاتی ہے اور اس کے حالات و احوال متعدل۔ باقاعدہ اور معیاری ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے محسنوں  
سے نظریں پھیر لیتا ہے اور ان کے احسان۔ مدد اور استعانت کو بھول جاتا ہے۔ مطلب نکلنے کے بعد وہ بے لحاظ ہو جاتا ہے  
اور دوبارہ اپنی آسودگی کو اپنی عقلمندی۔ محنت اور غور و فکر کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایات اور احسانات کو بھی بھول  
جاتا ہے۔

”اور جب انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو وہ پہلو کے بل لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا  
کھڑا ہو“ [ہر حالت میں] ہمیں [مشکل کشائی و استعمداد کے لئے] پکارتا  
ہے۔ پر جب ہم اس کے دلدر دور کر دیتے ہیں۔ تو اس طرح منہ موڑ کر چل  
دیتا ہے جیسے اس نے مشکل کشائی کے لئے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔  
چنانچہ [شیطان کے جمالیاتی فریب سے] حد سے گزرنے والوں کی نظر  
میں ان کے اعمال [سوء] حسین بنا دیئے جاتے ہیں“

[یونس ۱۰ آیت ۱۲]

”بنی نوع انسان [کے کفران نعمت و سرکشی کا یہ عالم ہے کہ اپنے  
اعمال سوء کے نتیجے میں] جب مفلوک الحالی کے مصائب جھیل چکتے  
ہیں اور ہم [اپنے قانون انعام و فضل کے مطابق] انہیں خوشحالی کی  
لذت سے آشنا کرتے ہیں تو وہ فوراً ہمارے قوانین و احکام پر عمل نہ  
کرنے کی وجہ جواز پیدا کرنے کی خاطر طرح طرح کی تاویلیں اور  
تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ ان پر واضح کر دو کہ [تمہیں کیفر کردار تک

پنچانے کے لئے] اللہ تعالیٰ [کا قانون مجازات] تدبیر کرنے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ جو مکرو فریب تم کرتے ہو ہمارے فرستادہ رقم کرتے رہتے ہیں“

[یونس ۱۰ آیت ۲۱]

انسان کی وعدہ خلافی۔ احسان فراموشی۔ بے وفائی اور ناشکری کے حوالے سے قرآن حکیم و مجید کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ اور اصلاح احوال میں مددگارہ ثابت ہو سکتی ہیں غور و فکر اور عقل و تدبر کے بعد۔

”وہ اللہ ہی ہے جس کے قوانین کی بدولت تم زمین کی خشکی اور تری [دریائوں، جھیلوں، ندیوں اور سمندروں] میں سیرو سیاحت کرتے پھرتے ہو۔ پھر جب تم بری بڑی کشتیوں یا جہازوں میں سفر کرتے ہو اور باد شرط یا خوشکوار موافق ہوا ان کو کشاں کشاں [منزل مقصود] کی طرف لیے جاتی ہے۔ تو وہ شاداں و فرحان ہوتے ہیں۔ پھر ناگہاں باد تند چلنے لگتی ہے اور ہر طرف سے ان پر ہجوم کرتی ہے۔ اور انہیں ہلاک ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے اس کے دین یا نظام حیات کلی کے مخلص بن کر دعا مانگتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس آفت سے نجات دے۔ تو ہم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تیرے شکر گزار بن کر رہیں گے۔ یعنی تیرے بندگان تسلیم و رضا بن کر رہیں گے“

”پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے دیتا ہے۔ تو وہ [اپنا عہد فراموش کر دیتے ہیں اور] زمین پر آتے ہی ظلم و ستم کے ساتھ سرکشی و ریشہ دوانی کرنے لگتے ہیں۔ اے بنی نوع انسان! تمہاری سرکشی و ریشہ دوانی کا وبال [قانون مکافات کے مطابق] تمہاری ہی جانوں پر پڑے گا۔ دنیاوی زندگی کا قلیل اور قلیل المدت فائدہ اٹھالو۔ انجام کار، تمہیں لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ پھر ہم تمہیں بتائیں گے جو تم کرتے رہے تھے۔“

[یونس ۱۰ آیات ۲۲، ۲۳]



اس حوالے سے مزید آیات قرآنی درج کی جا رہی ہیں۔

”ذرا سوچو تو سہی کہ نعمتوں میں سے جو بھی تمہارے پاس ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہیں۔ نیز جب کوئی مصیبت تم پر آتی ہے۔ تو تم [بے اختیار مدد و درمان کے لئے] اسی سے فریاد کرتے ہو“

”پھر جب وہ تم سے مصیبت دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک فرقہ معاً اپنے پروردگار کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ یعنی مشکل کشائی میں اپنے پروردگار کے سوا دوسری ہستیوں کو بھی شریک یا معاون ماننے لگتا ہے“

[النحل ۱۶ آیات ۵۳، ۵۴]

”اور جب انسان پر کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف خلوص نیت سے متوجہ ہوتا ہے۔ پھر [اللہ اس کی دعا قبول کر کے] اس پر اپنی نعمت [دولت وغیرہ] ارزانی کرتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے اسے [اللہ کو] پکارتا تھا اور [مزید ظلم یہ کرتا ہے کہ] اللہ کے ہمسرو سہیم بنا لیتا ہے تاکہ [لوگوں پر] اس کا راستہ گم کر دے۔ کہہ دو کہ وہ اپنے اس کفر، یعنی انداد پرستی سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں [لیکن یاد رکھو کہ] تم دوزخیوں میں سے ہو“

[الزمر ۳۹ آیت ۸]

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے انسان کی اس کمزوری کو واضح کیا گیا ہے کہ مشکل اور مصیبت دور ہونے پر انسان اللہ تعالیٰ کی نوازشوں اور کرم نوازیوں کو فوراً بھول جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی فراموش کر دیتا ہے کہ وہ دوبارہ اپنی کوتاہیوں کے باعث مشکل اور مصیبت میں پھنس سکتا ہے۔

متفرق

انسان اپنے نفسِ امارہ کے طاقت ور ہونے اور شیطان کی مدد و تعاون سے بہت سی غلطیوں کا اپنی بے سمجھی اور

بیوقوفی سے ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ اور اپنے انجام کو بھول جاتا ہے۔

۱۔ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر شخص جس کو وہ بوجہ ملنا نہیں چاہتے تو گھر میں موجود ہونے کے باوجود کسی بچے یا کسی دوسرے فرد کے ذریعے پیغام بھیجتے ہیں کہ وہ گھر میں موجود نہیں۔ اس طرح وہ خود بھی جھوٹ بولتے اور دوسروں کو بھی دروغ گوئی کا سبق دیتے ہیں یہ عادت کسی صورت بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔

۲۔ اکثر افراد بغیر کسی مقصد کے تاک جھانک کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ عادت پختہ ہونے پر ایک بیماری کی صورت اختیار کر جاتی ہے جو اکثر پیشمانی کا باعث بن جاتی۔ بعض اوقات یہ عادت نظربانی کی شکل بھی اختیار کر جاتی ہے۔

۳۔ لگائی بجھائی کی عادت اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے اس عادت کی وجہ سے ایک دوسرے کے درمیان نفرت پیدا ہونا ایک فطرتی عمل ہے یہ لڑائی جھگڑے کا بھی سبب بنتی ہے۔

۴۔ چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننا بھی ایک عادت ہے پھر ان نامکمل باتوں کو بڑھا چڑھا کر ادھر ادھر پھیلاانا ایک وبائی شکل اختیار کر جاتی ہے جس سے کئی قسم کی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

بدگمانی یا شک و شبہ

۵۔ گالی گلوچ کرنا۔



## 17

## طلب علم

علم اور انسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے یہ ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کی وقعت و فضیلت، عزت و وقار، فہم و ادراک، پہچان و واقفیت، نام و ناموس، شرافت و شہرت، طاقت و قوت اور سلطنت و مملکت سب علم کی وجہ سے ہے۔ اس لئے انسان کے لئے علم حاصل کرنا اہم بھی ہے اور ضرورت بھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم ہے کیا؟ جو انسان کیلئے اتنا اہم ہے اور اتنا ضروری ہے۔

ارض و السماء میں مخلوقات و موجودات کے متعلق معلومات، بناوٹ و ساخت، خواص، فوائد و نقصان اور ان کا استعمال انسانی نظام حواس خمسہ کے ذریعے جاننا، حسات و سیات یعنی نیکی اور بدی، اچھائی اور برائی کا نظام نفس کے ذریعہ ادراک حاصل کرنا، اور علم لدنی اور وحی سے نظام قلب کے ذریعے شناسائی علم کا حصول ہے جو کثیر الاہمیتی ہے۔

تعلیم اور تجربے کی مدد سے چیزوں سے متعلق مکمل معلومات اور مہارت حاصل کرنا اور ان سے واقفیت اور حقیقت شناسی بھی علم ہی ہے۔ سائنس آرٹ اور تکنیک پر عبور حاصل کرنا بھی ایک علمی جہت ہے۔ سچائی کی تصدیق اور حقائق کو دلائل و برہان سے تسلیم کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات و ہدایات اور قوانین و احکام کی پیروی میں زندگی کرنا بھی علم کا

ہی حصہ ہے۔ اسوۂ حسنہ رسول اکرم و اکبر کی پیروی بھی علم کا حسن ہے۔

یعنی کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا۔ اسے کما حقہ جاننا پہچاننا۔ اور یقین حاصل کرنا۔ اسے حتمی طور پر معلوم کرنا ہی علم ہے۔

اللہ تعالیٰ رب کائنات نے جب انسان کو زمین میں خلیفہ مقرر کرنے کے فیصلہ سے آگاہ کیا تو فرشتوں نے اس انتخاب پر خدشات کا اظہار کیا۔ جسے قرآن فرقان المجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”اور جب تدریجی یا ارتقائی طور پر اپنی مخلوقات کو نشوونما دینے والے تیرے مالک و آقا نے فرشتوں کو بتایا کہ کرہ ارض یا زمین میں میں [بنی نوع انسان کو] خلیفہ [حکمران، حاکم، ناظم الامور] مقرر کرنے والا ہوں۔ تو انہوں نے [حیرت و استعجاب] سے عرض کیا: کیا تو اس [دنیا] میں انہیں حکمران اور ناظم الامور مقرر کرے گا جو اس میں حیات اجتماعیہ کا توازن بگاڑنے، لڑائی جھگڑا اور خون ریزی کرتے ہیں، حالانکہ ہم تیری ثنائے جمیل و تشکر کے ساتھ [With eulogy and gratilude] اپنے فرائض و وظائف [Prescribed duties and function] سرگرمی سے سرانجام دیتے اور تیری تقدیس یا تنزیہ کرتے ہیں۔ تو اس نے جواب دیا! ”میں وہ کچھ جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے۔“

”اور اللہ نے آدم کو کل اشیاء [موجوات یا مخلوقات] کی مسمیات یعنی خواص و اوصاف اور جمالیاتی۔ افادی اقدار [Properties characteristics and aesthetic beneficial values] کا، اور ان کو ان کی مسمیات کے مطابق موسوم کرنے یعنی نام رکھنے کا علم ودیعت کر دیا۔ پھر وہ اشیاء فرشتوں کو صاف دکھا دیں۔ پھر ان سے ارشاد فرمایا۔ ان اشیاء کے نام اور مسمیات تو مجھے بیان کر کے دکھاؤ، اگر تم [اپنے دعویٰ خلافت میں] سچے ہو!“

”[فرشتوں نے یہ سن اور دیکھ کر] عرض کیا: تو [خصوصاً بلحاظ علم

و حکمت پر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے ہم تو اتنا اور وہی کچھ جانتے ہیں۔ جتنا اور جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ بیشک تو علم کلی رکھنے والا۔ انتہائی دانشمند اور اپنے امور کمال دانشمندی سے سر انجام دینے والا ہے“

”[اس پر اللہ تعالیٰ نے] ارشاد فرمایا: اے آدم! ان کو اس کائنات کی چیزوں کے نام و خواص بتا دو۔ پھر جب اس نے انہیں تمام چیزوں کے نام و خواص بتادئیے تو [اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر] فرمایا: کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی غیبات [Hidden things] کو جو تم سے مخفی ہیں دیکھتا اور جانتا ہوں۔ اور وہ بھی سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہوں جو تم ظاہر یا بیان کرتے ہو، نیز وہ بھی جو تم چھپاتے ہو؟“

”اور [غور سے سنو!] جب ہم نے ملائکہ یا فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم [کے علم کی قوت و عظمت] کے سامنے سرتسلیم خم کرو Bow down [or surrender] تو ابلیس کے سوا سب نے سرتسلیم خم کر دیا۔ اس نے اللہ کا حکم ماننے اور سرتسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا اور تکبر کیا یعنی اپنے آپ کو بڑا اور انسان کو کم تر سمجھا! اور اللہ کی حکم عدولی کرنے والوں میں سے ہو گیا“

[البقرہ ۲ آیات ۳۰ سے ۳۲]

مخلوقات ربانی میں درجات کے لحاظ سے فرشتے۔ جن اور انسان اعلیٰ مقام پر تصور کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح افلاقی کروں یعنی ستاروں۔ سیاروں [سورج۔ زمین۔ چاند وغیرہ وغیرہ] میں سے کرہ ارضی یعنی زمین سب پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ کائنات کی تخلیق۔ تشکیل۔ پیدائش پر چھ ادوار میں سے چار ادوار زمین پر صرف ہوئے اور قرآن حکیم و مجید کے مطابق تمام مخلوقات کا مسکن زمین ہی ہے لہذا بہت اہم ہے۔ جیسے کہ بیان ہوا ہے۔

”اور اس نے کرہ ارض کو خاص طور پر انسان سمیت کل مخلوقات کے

لئے [السَّمَاءُ سَبَّ الْكَرْكِي] رکھا] تاکہ وہ اس میں رہیں بسیں اور اپنی  
معاش حاصل کر کے حیات طیبه بسر کریں]

[الرَّحْمٰن ۵۵ آیت ۱۰]

زمین پر موجود مخلوقات ربانی خاص طور پر انسانوں کی رہنمائی کرنے۔ تعلیم و تربیت کرنے۔ زمین پر کاروبار  
زندگی کا نظم و نسق چلانے اور دیگر امور کی تکمیل و انصرام کا بندوبست کرنے کے لئے ایک خلیفہ یعنی حکمران۔ ناظم الامور کی  
ضرورت تھی جو صاحب قدر و منزلت۔ معتمد و یا نثار ہو اور اس کی نگہداشت کی قابلیت رکھتا ہو اور اس بارے میں مکمل علم و ہنر  
اور واقفیت رکھتا ہو علاوہ وہ زمین پر موجود تمام چیزوں۔ نظاموں۔ اصولوں۔ طریقوں۔ اور نام و خواص کا علم رکھتا ہو اور ان  
کی کارگزاری سے بھی واقف ہو۔ ان امور کی نگرانی اور انجام دہی کے لئے اللہ خالق کائنات رب العالمین نے انسان کو اس  
کے مخصوص اوصاف کی بنا پر منتخب فرمایا۔ جن میں اہم ترین وصف انسان کا ان تمام امور کے بارے میں علم رکھنا تھا اسی علم نے  
انسان کو فرشتوں اور جنوں پر برتری دلائی اور زمین پر خلافت کا مستحق و حقدار قرار دیا اس لئے ہر انسان کا علم سے بہرہ مند ہونا  
لازمی ہے اس لئے بھی کہ ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے اپنے حلقہ اثر اور دائرہ کار میں خلیفہ یعنی حکمران اور ناظم الامور  
ہے۔ قرآن پاک نے حکمرانی کے اصول اور وصف کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے اس طرح اُجاگر کرایا۔

”[يوسف] کو اپنی مرضی کا منصب قبول کرنے کی پیش کش کی گئی تو  
انہوں نے ملك کی معاشی حالت کی اصلاح کرنے کی خاطر کہا: مجھے  
مملکت [Realm] کے خزانوں، یعنی مالیاتی امور [Financial affaris]  
کا سربراہ بنا دیجئے، اس لئے کہ میں ان کی نگہداشت کی قابلیت بھی  
رکھتا ہوں علمیت بھی“

[يوسف ۱۲ آیت ۳۵]

جب زمین میں خلیفہ مقرر کرنے کا مرحلہ آیا تو فرشتوں نے اپنے آپ کو خلافت کے لئے پیش کیا ان کی  
درخواست ان کے زمین کی چیزوں کے بارے میں قلیل علم کی وجہ سے قبول نہ ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خلافت کے لئے اہم  
ترین شرط تعلیم یافتہ ہونا ناگزیر ہے۔ چونکہ ہر فرد اپنی حیثیت میں ناظم الامور یعنی خلیفہ کا درجہ رکھتا ہے اس لئے اُسے اپنے

متعلقہ امور یا فرائض منصبی کے لحاظ سے مکمل علم اور مہارت پر عبور ہونا لازمی ہے۔ ورنہ کامیابی کے امکانات تشنہ اور معدوم رہتے ہیں۔ اس لئے ہر مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لئے زیورِ تعلیم یعنی علم سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم کلام ربانی ہے۔ یہ نصیحت و ہدایت اور علم و ہنر کا ایک انمول۔ پائیدار اور لازوال ذخیرہ ہے۔ جو ماضی۔ حال اور مستقبل کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم و تدریس کا اللہ تعالیٰ نے خود بندوبست کر رکھا ہے۔ یہ انتظام دیر پا۔ موثر اور نقائص سے منزہ و پاک ہے۔

”جس نے قرآن کے علوم و فنون، قوانین و احکام، اسرار و رموز اور

مصارف و اعجازات سمجھائے اور ہمیشہ سمجھاتا رہے گا“

[الرحمن ۵۵ آیت ۲]

علم کا حصول انسان کے لئے از بس ضروری ہے۔ اس حوالے سے انسان خوش قسمت ہے کہ اس مقصد کیلئے اللہ رب کائنات نے انسان کو حسی۔ نفسی اور قلبی نظاموں سے نوازا رکھا ہے علاوہ ان کی ہدایت اور تعلیم کیلئے انبیاء کرام اور رسل عظام کی راہنمائی اور اعانت میسر رہی ہے مزید یہ کہ آسمانی کتابیں خاص طور پر قرآن مجید ان کے شامل حال ہے جو قیامت اور بعد از قیامت تک ان کا مددگار اور معاون کارر ہے گا۔ لہذا ہر فرد کو قرآن پاک کے آب حیات سے اپنے آپ کو سیراب کرنے کی کوشش جاری رکھنا چاہیے۔ اور اس سے حاصل کردہ فیض کو چار سو پھیلانے کی کوشش بھی کرنا چاہیے۔

علم نور ہے تو انائی ہے اور روشنی ہے۔ علم کی توانائی سے ایمان بالحق کی گہرائیوں اور بلندیوں کو منور کرنا ضروری ہے اور اس کے نتیجہ میں معاشرہ کی وسعتوں کو چکا چوند کر کے گرد و پیش کی تاریکیوں کی شدت میں کمی کرنا بھی واجب ہے اور اس طرح پرسکون۔ خوشگوار اور مطمئن ماحول کی تشکیل کرنا سب پر فرض ہے کیونکہ یہی علم کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے پناہ اوصاف و خواص اور قوتیں عنایت کر رکھی ہیں۔ ان کو اجاگر کرنا اور ان سے خود بھی بھرپور فائدہ اٹھانا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا انسانیت کے فرائض میں شامل ہے۔ اس فرض کو نبھانا۔ ان قوتوں سے آشنائی حاصل کرنا اور اسے استعمال کرنے کے طور طریقوں سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کو عمل میں لانا علم اور تعلیم و تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ لہذا علم حاصل کرنا ہر فرد پر فرض ہے۔ اور یہی حیوان ناطق کی ضرورت ہے۔

کائنات ربانی کی وسعتوں کا اندازہ لگانا اور اس میں موجود مخلوقات خدا کا فائدہ کرنا اور انسانیت کی بھلائی کیلئے ان کو بروے کار لانا اور پھر ان کی تسخیر بالحق کرنا اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمہ لگا رکھا ہے۔ اس کام کی تکمیل علم کی وساطت سے ہی ممکن ہے۔ اور اسی لئے محبوب ﷺ خدا نے مشکل ترین اور دشوار گزار مراحل عبور کر کے بھی علم حاصل کرنے کی تلقین کر رکھی ہے۔ جو امت رسول کریم پر بالخصوص اور عوام الناس پر بالعموم عمل کرنا لازمی امر ہے۔

انسان اپنی فطرت میں دہری کائنات کا حامل ہے۔ ایک تو وسیع و عریض کائنات ربانی جس کی ہر چیز اعلیٰ و ادنیٰ چھوٹی یا بڑی جاندار یا بے جاندار انسان کے فائدہ کے لئے تخلیق کر رکھی ہے اور دوسری انسان کے محیط کے اندر مضبوط کثیر الاجہتی کائنات جسے اپنے اندرونی اور بیرونی نظاموں کے حوالے سے کائنات صغیرہ کہا جاسکتا ہے کا ادراک حاصل کرنا انسان کی کامیابی و کامرانی کیلئے ضروری ہے۔ کیونکہ جتنی دیر تک انسان اپنی ظاہری اور باطنی قوتوں کو بروے کار لا کر نہیں عمل و فعل میں نہیں لاتا اتنی دیر تک اس کی دنیاوی زندگی کو حیات طیبہ میں بدلا نہیں جاسکتا اور نہ ہی صراط مستقیم پر چل کر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن ہے۔ اور نہ ہی دنیاوی اور اخروی زندگی میں کامیابی علم کے بغیر حاصل کی جاسکتی ہے۔

علم انتہائی وسیع حدود رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعتوں کا اندازہ لگانا انسانی بس میں نہیں ہے۔ کیونکہ انسانی علم تو سات سمندروں کے پانی میں سے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں۔ ماضی۔ حال اور مستقبل کے انسانوں میں رسول کریم۔ نبی اعظم و آخر کا علم سب سے زیادہ ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دے رکھا تھا کہ

”..... اور دعا مانگتے رہیں کہ پروردگار! میری شخصیت میں علم سے وسعت و رفعت پیدا کر دے [یا مجھے علم کی قوت زیادہ سے زیادہ عطا کرتے رہنا!]

[طہ ۲۰ آیت ۱۱۴ جزو]

انسانی علم ویسے ہی محدود ہے اگر پھر بھی علم حاصل نہ کیا جائے تو انسان کامیاب انسان بننے نہیں پاتا اور نہ ہی وہ انسانیت کے فیوض و برکات کو پاسکتا ہے لہذا اُسے پیدائش سے لے کر موت تک علم حاصل کرتے رہنا چاہیے یہی اس کی کامیابی کی راہ ہے۔

مزید فرمایا گیا ہے کہ:



”اور [اے بنی نوع انسان!] اللہ ہی ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔ چنانچہ [حصول علم کیلئے] ہم نے تمہارے کان۔ آنکھیں اور قلب [دل و دماغ] بنا دیئے تاکہ تم ان سے کام لو اور اظہار تشکر کرو“

[النحل ۱۶ آیت ۷۸]

کانوں۔ آنکھوں اور دل و دماغ کا بھرپور استعمال کر کے علم حاصل کرنا اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا

ہے۔ جس کی پیروی کرنا ہی انسان کے فائدہ میں ہے۔

اقوام عالم کے حالات و واقعات کا بغور جائزہ لیا جائے اور تاریخی اوراق سے پردہ ہٹایا جائے تو یہ عیاں ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ کہ جب تک کوئی قوم علم کے حصول اور اس سے فائدہ اٹھاتی رہی اتنی دیر تک وہ اپنے گرد و پیش پر حکمرانی کرتی رہی۔ ترقی و کمال کے زینے طے کرتی رہی۔ عدل و احسان اپناتی رہی۔ طلب و جستجو میں مگن رہی۔ اپنے معاشرہ کے نشو و ارتقا میں مصروف رہی۔ تفکر و تدبیر کی حکیمانہ دولت سے سرفراز رہی۔ اتنی دیر تک

۱۔ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کے تجسس اور قربت کی خواہش مندی کو پروان چڑھاتی رہی

۲۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے محبت و الفت۔ عدل و انصاف۔ ترقی و کمال۔ عزت و آبرو اور آسودگی و خوشگواہی کے لئے محنت و مشقت کرتی رہی۔

۳۔ معاشرہ میں رچی بسی برائیوں کا قلع قمع کرتی رہی اور اسے نیکیوں اچھائیوں سے مزین کرتی رہی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات و ہدایات اور احکام و قوانین پر عمل درآمد اور عقائد حمیدہ۔ اعمال صالحہ اور اسوۂ حسنہ، رسول اکرم و مکرم کی ترویج کرتی رہی۔

۵۔ قوم کو دینی۔ مذہبی۔ عملی۔ سائنسی۔ فنی۔ زرعی۔ صنعتی یعنی دنیاوی اور اخروی علم و حکمت سے آگاہ کرتی رہی۔

۶۔ اور علم کی قوت نورانی اور توانائی برحق صداقت و عدالت کی طاقت سے دنیا میں نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ اور نظام امر و معروف اور نہی عن المنکر کو رائج کرنے میں کامیاب و کامران ہوئیں۔

جب انہوں نے علم و حکمت سے منہ موڑ لیا تو دنیا کے نظاموں کو پراگندہ کر دیا اور اسے تکلیف دہ بنا دیا۔ جیسا کہ

اب ہر فرد اس کا مشائدہ کر رہا ہے۔ اس لئے ہر انسان کو عمومی اور ہر مسلمان کے لیے خصوصی طور پر دینی اور دنیوی علم حاصل کرنا لازمی ہے۔

رسول اکرم و مکرم و آخر کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”ہر مسلمان مرد اور عورت کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔“



# 18

## أُسوة حسنة رسول كريم ﷺ

قرآن حکیم و مجید میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ  
 ”[اصل یہ ہے کہ اے بنی نوع انسان!] تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ  
 کی سیرت طیبہ: career‘ سنت حسنه] میں [حیات طیبہ بسر کرنے کا]  
 مثالی و حسین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ [اپنے الہ و رب  
 کی لقاء و حضوری‘ قرب و رضوان اور جنت] اور یوم آخر[ روز جزا و  
 سزا یا نشاء ثانیہ] کی توقع و امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ [اپنے  
 معروض حسن و عشق اور پروردگار و مالک] کو یاد کرتا ہے اور اس کے  
 احکام و اوامر و نواہی کے اظہار و ابلاغ Expression and  
 communication] کے لئے پوری دل جمعی سے سرگرم عمل رہتا ہے“  
 [الاحزاب ۳۳ آیت ۲۱]

اس آیت مبارکہ کی اہمیت و فضیلت کا محور اس میں استعمال ہونے والے لفظ ”أُسوة“ پر ہے۔ بزرگان دین نے

اس کے معنی اس طرح بیان فرمائے ہیں۔ یعنی راہنما، پیشوا، امام۔ دوسرے معنی اس طرح ہیں تسلی دینے والا۔ نمگسار مزید معنی اس طرح بھی کئے گئے ہیں۔ حسین و بہترین عمل خالق کائنات رب العالمین کی نظر اطہر و کرم میں رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی و قدر کا اندازہ لگانا عقل انسانی سے بعید اور ماوراء تو ہے ہی۔ لیکن انسانوں کو اپنی دنیاوی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک ایسی پاکیزہ اور مطہر مثال ہے کہ جس کی کوئی اور مثال نہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی انسانوں کی راہ نمائی کیلئے ایسا نمونہ ہے کہ جس کی تقلید کرنا ہی بد بختوں کو بخت آور بنانے کے لئے کافی ہے آپ ﷺ کے روز و شب کے معمولات کو اپنانا دونوں جہانوں میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ اور آپ ﷺ کی پیروی ہی مقصد حیات انسانی کی اساس و بنیاد ہے لیکن کن کے لئے؟

مذکورہ آیت مقدسہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ذات کریم اقدس کی پیروی میں اپنی دنیاوی زندگی گزارنے میں مندجہ ذیل لوگ ہی کامیاب و مستحق قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ ایسے لوگ اُسوۂ حسنہ رسول کریم کی پیروی سے فیضیاب ہو سکتے ہیں یا ہوتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا۔ خوشنودی اور قربت کے حقیقی طور پر خواہش مند ہوں اور توقع رکھتے ہوں کہ وہ اپنی دوسری زندگی میں اللہ تبارک تعالیٰ کے دیدار خاص سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ یا ہوں گے۔

اس پابندی یا شرط کی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو خالق کائنات نہیں مانتے یا اسے رب العالمین قرار نہیں دیتے یا اس کی صفات حمیدہ۔ اس کی قوتوں جیسی دوسری ہستیوں کی موجودگی کا اقرار کرتے اور ان کی ربوبیت پر ایمان لاتے ہیں تو ایسے مشرکوں اور کافروں کو اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تو ایک ہی ہے اس جیسا کوئی دوسرا نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس کی ملکیت ہے اور ان سب کو اس کی حاکمیت کو تسلیم کرنا۔ اس کی فرماں برداری کرنا اس کے احکام کو ماننا۔ اس کے قوانین کے مطابق زندگی کرنا اور اس کی رضا۔ خوشی حاصل کرنے کیلئے اعمال صالح کرنا ہی دین اسلام کا بنیادی عقیدہ اور اساس ہے اس کا اقرار اور یقین رکھنے والے ہی اُسوۂ حسنہ رسول اکرم کی پابندی سے ہی فائدہ حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔ ورنہ ان کے اعمال صالح صرف دنیا تک ہی محدود رہتے ہیں اور آخرت

میں ان کا کوئی وجود نہیں۔

۲۔

خالق کائنات اللہ رب العزت نے جن و انس کو دو زندگیوں سے نوازا رکھا ہے۔ پہلی دنیاوی زندگی جو مختصر اور عارضی ہے۔ جو دراصل امتحان گاہ کے مترادف ہے۔ اور دوسری اُخروی زندگی جو مستقل اور ابدی ہے اُخروی زندگی کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا شعبہ یا حصہ خوشگوار حسین و لطیف اور مسرت انگیز ہوگا جو دنیاوی زندگی میں کئے گئے حسین اور پاکیزہ اعمال کے بدلے میں ملے گا اور دوسرا شعبہ یا حصہ دنیاوی زندگی میں کئے گئے بد اور بُرے اعمال کے نتیجے میں بطور سزا ملے گا جو تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوگا۔

گرد و پیش کا جائزہ لینے اور شب و روز کا مشاہدہ کرنے سے احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں بسنے والے لاکھوں۔ کروڑوں اور اربوں انسان یا تو اس حقیقت سے آشنا نہیں یا اُن کو اس واقعیت کا علم نہیں یا وہ اس سے انکاری ہیں کہ کائنات کو خلق کرنے والی۔ اُسے خوش اسلوبی سے رواں دواں رکھنے والی۔ اور اُس میں موجود سب کو اُن کی ضرورت کے مطابق رزق مہیا کرنے والی ایک طاقتور اور با اختیار اور سزا و جزاء دینے والی حسین و جمیل ہستی ہے۔ کیونکہ مجموعی طور پر انسانوں کی اکثریت ایسے اعمال کے گرویدہ ہیں جو اپنے آپ اور دوسروں کے لئے باعث تکلیف اور نقصان دہ ہیں جس کی وجہ سے دنیاوی زندگی بے سکونی۔ بے اطمینانی اور خوف و حزن اور پریشانی میں گزارنی پڑتی ہے۔

سزا و جزا کا تصور انسانی اصلاح اور مطہر و پاکیزہ زندگی کی بنیاد ہوتا ہے۔ جو انسان کی دونوں زندگیوں پر محیط ہے۔ اور اگر انسان اس حقیقت کا ادراک کر لے تو دنیا و آخرت حسین و پر لطف ہو سکتی ہے اور تب ہی اُسوۂ حسنہ رسول کریم و عظیم کی تقلید سود مند اور فائدہ مند ہو سکتی ہے ورنہ یہ بیکار اور بے حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی لئے یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ انسان آخرت کی زندگی پر یقین محکم رکھے اور اس کے بہتر حصول کے لئے اپنی دنیاوی زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے پر توجہ مبذول کرے۔

۳۔

اُسوۂ حسنہ رسول اعظم و آخر ﷺ کی پیروی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کیلئے اللہ تعالیٰ کا مسلسل اور کثرت سے ذکر کرنے کی شرط عائد کی گئی۔ دنیا کی پر آشوب اور تکلیف دہ زندگی اور پریشان کن معمولات میں دلوں کو سکون

صرف اور صرف اللہ کے ذکر ہی سے نصیب ہو سکتا ہے دوسری جانب ظاہری زندگی میں نکھار۔ روزمرہ معمولات میں آسودگی اور طرز عمل میں نفاست اور معاشرتی زندگی میں اصلاح اُسوۂ حسنہ رسول کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان دونوں یعنی ذکر اللہ سے باطنی اور رسول کریم کی پیروی سے ظاہری پاکیزگی اور طہارت سے ہی انسان اپنی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر اور ان ہدایات کے مطابق عمل کر کے حیات طیبہ کے مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے معمولات کا ادراک کسی طرح حاصل کیا جائے اور ان کی تقلید کا کس طرح اہتمام کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ ﷺ کے معمولات کا بغور جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل اس حقیقت کو زیر نظر رکھنا ہی مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ عام حالات و معمولات میں خاص طور پر سائنسی۔ فنی یا تکنیکی شعبہ میں نظریات و خیالات اور سوچ و فکر کی سچائی کو پرکھنے اور تصدیق کرنے کے لئے مختلف قسم کے عملی تجربوں کی ضرورت پڑتی ہے اور جتنی دیر تک ان تجربوں کی روشنی میں ان نظریات کی سچائی سامنے نہ آجائے یا ان کی تصدیق نہ ہو جائے اتنی دیر تک وہ نظریات قابل اعتماد تصور نہیں کئے جاتے۔ بالکل اسی طرح انسانی زندگی میں بھی انسانوں کے طور طریقے یا روزمرہ معمولات یا اعمال کی عملی طور پر تصدیق نہ ہو جائے یا ان کے فوائد یا نقصانات کے بارے جانچ پرکھ نہ کر لی جائے اتنی دیر تک انہیں عمل صالح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

انسانوں کی اصلاح اور فلاح کے لئے۔ اور ان کو نفس مطمئنہ کے درجہ پر فائز کرنے اور انہی جنت میں رہائش رکھنے کے قابل بنانے کے لئے اللہ رب العزت نے نصاب تشکیل دیا۔ جس میں نبی یا رسول مبعوث کیا جاتا اور ان کے ہمراہ ایک نصابی کتاب [Text Book] کر دی جاتی۔ کتاب میں انسانوں کو اپنی دنیاوی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات درج ہوتیں اور نبی یا رسول ان مندرجات کے مطابق اپنے روزمرہ کے معمولات کو عملی طور پر کرتے تاکہ ان کے قابل عمل ہونے کی تصدیق ہو سکے اور نبی یا رسول کے امتی اس کی روشنی میں خوش دلی سے اپنی زندگی گزارتے اور معیار زندگی میں متواتر بہتری کرنے کی تگ و دو کرتے رہتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ

نے تمام انسانوں کو اپنے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات کے ساتھ لازمی طور پر اُسوۂ حسنہ رسول کریم کی پیروی کرنے اور ان کے مطابق اپنی دنیاوی زندگی گزارنے کے احکام کر رکھے ہیں تاکہ وہ نفس مطمئینہ کا درجہ حاصل کر سکیں اور جنت میں رہنے کے قابل ہو سکیں۔

آپ ﷺ کی زندگی کے اہم پہلو بیان کرنے سے پہلے ان حالات کا جائزہ لینا مفید ہونا یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش مبارک اور بعثت کے وقت دنیا میں عموماً اور عرب میں خصوصاً لوگ کس طرح زندگی کر رہے تھے۔

وہ دور انفرادی اور اجتماعی افراط و تفریط کا شکار تھا۔ ہر شعبہ زندگی میں بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ بد نظمی اپنے عروج پر تھی۔ انتشار و خلفشار اپنے زوروں پر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انسانی زندگی یا تاریخ کا یہ حصہ ہر لحاظ سے بُرا۔ کرب ناک اور اذیت ناک وقت تھا۔ مذہبی لحاظ سے بت پرستی عام تھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی پوجا ہوتی تھی اور شرک ہی ہر ایک کا مذہب تھا جس سے مذہبی گروہ بندی اور انتہا پسندی فروغ پا چکی تھی اور غیر فطری رسم و رواج عام تھے۔ انسان بھٹکا ہوا تھا۔ منتشر اور روحانی طور پر منقسم ہو کر اپنے مقصد حیات سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

سیاسی لحاظ سے ان افراد کی حکومت تھی جو اللہ رب العالمین۔ خالق کائنات کے مقررہ اصولوں کی خلاف ورزی۔ نافرمانی کے مرتکب تھے۔ اپنے آپ کو خدا کے ہم سر قرار دیتے تھے۔ امراء اور جاگیردار حکمرانوں کے دست و بازو تھے عوام الناس کو انہوں نے غلاموں کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان پر ظلم و ستم ڈھانا۔ نا انصافی ان کا وطیرہ۔ رعایا کی زبان بندی اور جائز حقوق سے محرومی۔ جان و مال کا عدم تحفظ۔ عزت و ناموس کے مخدوش حالات اور انفرادی آزادی کا خاتمہ کرنا اس وقت کے حکمرانوں کا طرز حکومت تھا۔

معاشی لحاظ سے لوگ طبقات میں تقسیم تھے۔ دولت امیروں، سرداروں، جاگیرداروں اور سرکاری اہل کاروں کا حق تصور ہوتی تھی۔ عوام الناس کی اکثریت روزمرہ کی ضروریات سے بھی محروم تھے جبکہ محنت اور دولت کمانے کے لئے انہی کو زبردستی استعمال کیا جاتا اور ان کو معاوضہ سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔

ثقافتی لحاظ سے عوام عزت نفس سے خالی اور حکمران طبقہ آسائش و عیش کا خوگر تھا۔ جنسی آزادی عام تھی جس کے نتیجہ میں انسان کے مقام کو روند دیا گیا تھا۔ غریب طبقہ اس بیماری سے سب سے زیادہ متاثر رہتا تھا۔ عدل و انصاف مفقود تھا

اور ہر قسم کی برائی اپنے عروج پر تھی۔

اخلاقی بیماریاں یعنی خوشامد، خود غرضی، جھوٹ، نفاق، ریاکاری، ضمیر فروشی وغیرہ وغیرہ کا دور دورہ تھا۔ غلامی کا رواج و بانی شکل اختیار کر چکا تھا لوگ انفرادی آزادی کو بھول چکے تھے۔ یعنی نیکی اور اچھائی، انصاف، احسان اور عدل کہیں نظر نہ آتا تھا۔ یعنی ہر طرف فساد ہی فساد تھا۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں اس طرح درج ہے کہ

”لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم [اپنے قوانین مکافات عمل و احترام آرزو کے مطابق] اُسے پھر اس کی [پہلی] پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں“

[التین ۹۵ آیت ۵]

مزید ارشاد ربانی اس طرح ہے۔

”لوگوں کے اعمال سوء کے نتیجے میں، عالم آب و گل یعنی زمین اور سمندر یا خشکی و تری، میں فساد رونما ہو گیا ہے [یعنی حیات انسانی کا توازن بگڑ گیا ہے۔ اور اس میں برہمی و بے نظمی اور انتشار و پراگندگی کا ظہور ہو گیا ہے۔ اللہ نے اپنے قوانین تدبیری و مجازات کے مطابق ایسا اس لئے ہونے دیا] کہ ان کے بعض اعمال کا انہیں مزہ چکھائے تاکہ وہ اللہ سے رجوع کریں، یعنی توبہ کریں“

[الروم ۳۰ آیت ۴۱]

ان دگرگوں حالات میں ایک عظیم ترین مدبر۔ رہنما۔ منتظم۔ مفکر۔ حکیم۔ حکمران۔ ماہر حربیات و معاشیات و اخلاقیات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے اللہ رب العزت نے اپنی کریمانہ۔ رحیمانہ اور حکیمانہ تدبیر کے تحت محمد رسول اللہ نبی اعظم و آخر کی صورت میں انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لئے عظیم مصلح عنایت فرمایا جس نے

۱۔ ایک غیر مہذب۔ جاہل۔ مفسد۔ ظالم معاشرہ میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی۔ آپ ﷺ نے کسی سے تعلیم حاصل نہ کی۔ آپ ﷺ نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے اس معاشرہ میں بعثت سے پہلے آپ ﷺ نے چالیس سال تک باعزت۔ پر وقار۔ نفیس اور پاکیزہ زندگی بسر کی۔ اس دوران آپ ﷺ معاشرتی۔ معاشی اور اخلاقی



برائیوں کی تمام آلائشوں۔ گراوٹوں ملاوٹوں سے بچ بچا کر زندگی کرتے رہے۔ یہ پراگندہ معاشرہ آپ ﷺ کے طرز عمل سے اس حد تک متاثر ہوا کہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کے پاکیزہ ناموں سے پکارتا رہا۔ آپ ﷺ کی صلح جو۔ حکمت۔ انصاف پسندی اور عدل سے لوگ اس حد تک مائل ہو چکے تھے تو کعبہ کی تعمیر نو کے دوران جب حجر اسود کی تنزیب کا قضیہ پیش آیا تو آپ ﷺ کے مدبرانہ اور پراز حکمت فیصلہ کو تمام قبائل نے خوش دلی سے قبول کر لیا اور اس طرح مکہ مکرمہ خون خرابہ سے بچ گیا۔ یہ ہے آپ کی خوبیوں بھری [اُسوۂ حسنہ] زندگی بعثت سے قبل۔ قابل تقلید اور قابل عمل۔

۲۔ اُس وقت جزیرہ نما عرب کا کوئی نظام حکومت۔ کوئی نظام زندگی کوئی نظام معاشرت نہ تھا اگر کوئی نظام تھا تو قبائل کا نظام۔ اندھی قوت کا نظام تھا جنگل کا قانون تھا۔ بات بات پر لڑائی۔ جگہ جگہ جھگڑا۔ معمولی معمولی باتوں پر نہ ختم ہونے والی جنگ و جدل۔ بے اتفاقی۔ بے غیرتی اور بے حیائی۔ عرب تضاد و مخالفت سے متشکل معاشرہ تھا آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی بدولت یہ قبائلی معاشرہ پیار و محبت۔ اخوت و بھائی چارہ۔ ہم آہنگی و یک جہتی اور وحدت و اتحاد کا نمونہ پیش ہونے لگا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک متحد اور ناقابل تسخیر قوم بن چکی تھی۔

۳۔ آپ ﷺ نے کسی سے تعلیم حاصل نہ کی۔ آپ ﷺ نہ پڑھ سکتے اور نہ لکھ سکتے پھر بھی آپ ﷺ نے جاہل۔ غیر مہذب۔ جھگڑالو قبائل کی اس مہارت۔ حکمت اور نظم سے تعلیم و تربیت کی کہ صرف قریباً دو دہائیوں میں عرب قبائل کو ایسی مہذب۔ متحد۔ مضبوط قوم میں تبدیل کر دیا کہ یہ دنیا کی تمام قوموں کی ہر شعبہ زندگی میں راہ نمائی کرنے لگی۔ اُسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ کا ایک یہ بھی کمال ہے۔

۴۔ ارشاد رب کائنات اس طرح ہے کہ

”وہی [تو] ہے۔ جس نے [عرب کے] ان پڑھ لوگوں میں ان ہی [کی قوم] میں سے ایک رسول علیہ وسلم کو بھیجا [جس کے فرائض بحیثیت معلم و مربی یہ ہیں:] اول، آپ ﷺ ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ یعنی اس کے قوانین و احکام اور تعلیمات کا درس دیتے ہیں دوسرے، آپ ﷺ ان کے [نفوس] کا تزکیہ کرتے ہیں، یعنی ان کے نفسیاتی یا قلبی امراض کا علاج

کرتے، ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین کرتے اور ان کو غور کے کانوں سے سننا عبرت کی نظروں سے دیکھنا اور حکیمانہ انداز میں سوچنے اور عقل سلیم سے کام لینا سکھاتے ہیں نیز ان کو اپنے باطنی قوی کو قوۃ سے فعل میں لانے کی تربیت دیتے ہیں تیسرے، آپ ﷺ ان کو الکتاب یعنی قرآن حکیم کے علوم و فنون کی تعلیم دیتے ہیں۔ نیز ان کو اس کے قوانین و احکام یا اوامر و نواہی، اور معارف و اصطلاحات، محکمت و متشابہات، اسرار و رموز اور عجازات کی معنویت سے آگاہ کرتے ہیں۔ چوتھے، ان کو حکمت، یعنی قرآن حکیم کے احکام و قوانین اور تعلیمات کے مطابق احسن و اکمل طریقے سے عمل یا کل زندگی کرنا سکھاتے ہیں۔ [حکمت سکھانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ان کو کمال دانشمندی سے اپنے امور سرانجام دینے کے اصول و اسالیب سکھاتے ہیں]۔ اور [اور حقیقت یہ ہے کہ] آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تو یہ لوگ صاف راہ گم کردہ تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صراط مستقیم یا حسین و فطری راہ راست سے ناواقف تھے، جو اپنے راہروان اہل آرزو کو ان کی منزل مقصود پر پہنچاتی ہے جو جنت قرۃ العین ہے“

[الجمعة ۶۲ آیت ۲]

آپ ﷺ نے عمر بھر کسی دوسرے انسان جن یا فرشتے سے تعلیم حاصل نہیں کی لیکن قرآن کریم جیسی بے مثال، علم و حکمت سے پر کلام رشد و ہدایت کا انمول ذخیرہ، بلاغت و اسرار کا کمال مجموعہ، قوانین و احکام کی ضیغہ تفسیر، زید و تقویٰ کی رہنما کتاب، اور اخلاق و کردار کے بے مثال اصول ان لوگوں کو سکھائے اور ان پر عمل کرنے کا سبق دیا اور کامیابی سے ایک اجڈ قوم کو سنوار کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اور اپنے اُسوۂ حسنہ کی پیروی میں زندگی کرنے کا پختہ درس دیا۔

۵۔ بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ کے سرد و گرم حالات میں آپ ﷺ نے اپنے گرد ایک ایسی پاکیزہ۔ مطہر۔ فرماں بردار۔ جان نثار۔ وفادار اور سمجھ دار جماعت پروان چڑھائی جو مکہ مکرمہ میں مروجہ ہر قسم کی برائیوں سے

منہ موڑ کر دین اسلام کی ترقی و کمال کی بنیاد ثابت ہوئی۔ اس بے مثال اور با کمال جماعت نے انفرادی اور اجتماعی طور پر بعد ازاں ایسے کارنامے سرانجام دیئے جن کی تاریخ عالم میں کوئی مثال ملنا محال ہے۔ آپ ﷺ کی تربیت نے اس جماعت کے ارکان کو انسانیت کی ان بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اور ہر قسم کے شیطانی افعال کی نفی کرنے کا درس دیا کہ شیطان بھی اپنی ناکامی پر شرمندگی کے احساس سے پریشان و پشیمان رہنے لگا۔ اسی جماعت نے اسلامی عمارت کو قوت۔ مضبوطی اور خوش نمائی بخشی اور گناہوں کی بستیوں کو اسلام کے پاکیزہ نور سے منور کر دیا۔ یہ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا ہی کرشمہ ہے۔

شیطان الرجیم اپنی خفگی مٹانے اور اپنے حسد کی تکلیف وہ آگ کو سرد کرنے کی خاطر شرک و کفر میں ڈوبے ہوئے افراد مکہ کو وحشت ناک درندے بنانے میں کامیاب ہوا تو مکہ مکرمہ کے لوگوں نے پاکیزہ و نیک مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ لا دیئے اور ان کا جینا حرام کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پہلی ہجرت کا حکم دیا گیا۔ لیکن ظلم و ستم اور بربریت کی آگ میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ اسی دوران حکمت ربانی اور رسول اکرم کی بصیرت نے یثرت [یعنی مدینہ النبی] میں اسلام کی خوشگوار خوشبو کو منتقل کرنا شروع کر دیا اور اسلام کے پھیلنے کا ایک نیا پڑاؤ مہیا کر دیا۔ اور مناسب وقت آنے پر یثرب کو دائرہ اسلام میں داخل کر کے مدینہ النبی کا نام تجویز ہوا۔ مسجد النبی کی تعمیر کے آغاز کے ساتھ ساتھ میثاق مدینہ پر صلاح و مشوروں کا آغاز ہوا۔ آخر کار مسلمان [مہاجر و انصار] اور مدینہ کے یہودیوں اور دوسرے مکینوں کے درمیان ایک معاندہ یعنی میثاق مدینہ طے پا گیا اور اس طرح جزیرہ نما عرب میں پہلی باقاعدہ۔ منظم اور قانونی اور آئینی حکومت رسول اکرم ﷺ کی سربراہی میں معرض وجود میں آگئی۔ جو نتیجہ تھا آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا۔

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان نظام مواخات قائم کر کے مہاجرین کی معاشی بحالی کا اہتمام فرمایا کیونکہ مہاجرین بے سر و سامانی میں مکہ چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اور ان کے پاس روزمرہ کی ضروریات پورا کرنے کا بھی کوئی بندوبست نہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ بے مثال بھائی چارہ قائم کر کے امت مسلمہ میں اخوت و محبت۔ معاشی بحالی۔ غربت محتاجی اور مفلسی کا تدارک کرنے کا

ایک ایسا نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں میں یک جہتی۔ ہم آہنگی۔ روحانی۔ مذہبی اور دینی روابط پیدا کر دیئے کہ جو خونی رشتہ داریوں سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوئے۔ اس نظام مواخاۃ نے دو مختلف مزاج۔ مختلف عادات۔ مختلف پیشہ اور مختلف نظام حیات کے حامل قبائل کو ایک وحدت میں پرو دیا۔ جس نے ایک نئی معاشرت کو جنم دیا اور انہی اپنے اسوہ حسنہ کی پیروی میں زندگی کرنے کا سلیقہ دیا۔

۸۔ مدینہ النبی میں پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو آرام و سکون میسر نہ آسکا اور نئے قسم کے خطرات ابھر کر سامنے آگئے جن سے بچنائی اسلامی حکومت کے لئے اہم تھا۔

۱۔ مسلمانوں کی برتری کو ہضم کرنا مدینہ النبی کے یہودیوں کیلئے قطعاً آسان نہ تھا۔ ان کی منافقانہ فطرت کسی وقت بھی مسلمانوں کو پریشان کن حالات میں مبتلا کر سکتی تھی اس لئے ان سے ہوشیار رہنا اور ان کی منفی سوچ اور باغیانہ عمل اور تخریبانہ کاروائیوں کا سدباب کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا اسلامی حکومت کی ضرورت تھی۔

ب۔ مدینہ منورہ کے اردگرد قبائل مکہ مکرمہ میں موجود کعبہ اللہ کی وجہ سے قریش مکہ کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اور ممکن تھا کہ قریش مکہ کے اُکسانے پر نوزائیدہ مملکت کے لئے یہ مشکلات کا باعث ہو جائیں۔

ج۔ مسلمانوں کا قریش مکہ کی گرفت سے نکل جانا ان کی برداشت سے باہر تھا اور وہ کسی بھی وقت اپنے دل کی خباثت مٹانے کیلئے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس لئے ان سے بچنے کیلئے ہر وقت احتیاطی تدابیر کرتے رہنا وقت کی ضرورت تھی۔

د۔ جزیرہ نما عرب کی قربت میں موجود بڑی طاقتیں۔ سلطنت ایران اور روم علاقے میں ابھرتی نئی طاقت سے محاذ آرائی کر سکتی تھیں۔ اس لئے اس امکانی خطرہ سے محفوظ رہنے کا بندوبست کرنا بھی لازمی تھا۔

ر۔ نئی مملکت کا عوام اور حکومت کی ضروریات کو پورا کرنا اولین ترجیح تھا۔ نامساعد حالات میں یہ کام فوری توجہ کا متقاضی تھا اور مشکل ترین۔

آپ ﷺ نے ان تمام محاذوں کے برے اثرات کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے حکیمانہ منصوبہ بندی شروع کی اور ان تمام خطرات سے محفوظ۔ کامران اور کامیاب رہے۔ ایسی کامیابی صرف آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی

بدولت ہی ہو سکتی تھی۔

۹۔ قرآن مجید میں ارشاد الہی اس طرح ہے۔

”اللہ تعالیٰ کے نظام حیات کلی اور بندوں کی معاونت کرنے والوں کا شعار زندگی یہ ہوتا ہے کہ جب انہیں کسی سرزمین میں آزادی و حکومت ملتی ہے۔ تو وہ صلوة قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نیز حسین و فطری کام کرنے کی تاکید کرتے اور قبیح و غیرہ فطری کاموں سے منع کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کل امور [Affairs] کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے“

[الحج ۲۲ آیت ۴۱]

مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے ضروری۔ ابتدائی اور اہم دینی۔ حکومتی اور معاشرتی امور کی جانب بھر پور توجہ فرمائی اور ان کو حل کرنے اور ان کی تکمیل کرتے رہے۔ ان مراحل میں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل اداروں کو قائم کرنے [Establishment] اور ان کو رواں دواں [Function] کرنے پر محنت فرمائی۔

۱۔ صلوة کا ادارہ یا نظام صلوة

۲۔ زکوٰۃ کا ادارہ یا نظام زکوٰۃ

۳۔ امر بالمعروف کا ادارہ یا نظام

۴۔ نہی عن المنکر کا ادارہ یا نظام

۱۰۔ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے تریپن [۵۳ سال] سالہ قیام یعنی پیدائش سعید سے ہجرت تک قوم کی اصلاح و

فلاح میں گزرا۔ لیکن بعثت کے بعد تیرا سالہ دور کفر و شرک سے ذہنی۔ قلبی اور اخلاقی محاذ آرائی میں بسر ہوا۔ اس

دوران آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مسلمان ساتھیوں کو اپنے ہم قوم و قبیلہ کے ہاتھوں انتہائی اذیت ناک ظلم و ستم

کا نشانہ بننا پڑا لیکن آپ کے ساتھیوں کے پائے استقامت میں ذرہ برابر بھی جھول نہ آیا اور نہ ہی کمزوری۔

مایوسی یا گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے بلکہ ان تکلیف دہ حالات میں بھی بتدریج اور مسلسل کامیابیوں سے

ہمکنار ہوتے رہے جوں جوں آپ ﷺ کو کامیابیاں ملتی رہیں توں توں قریش مکہ کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوتا گیا اور مسلمانوں پر ان کا ظلم و ستم بھی بڑھتا گیا۔ ان تریں سالوں میں چوتھی جنگ نجار میں آپ کی شرکت سے شواند ملتے ہیں ورنہ آپ ﷺ اس عرصہ اصلاح احوال کے لئے تگ و دو میں مصروف رہے۔

حیران کن حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی آپ ﷺ کی دس سالہ زندگی لڑائیوں اور جنگوں میں گزری۔ ان میں آپ ﷺ کی جنگی تعلیم و تربیت جنگی تیاری۔ سامان حرب کی کمی۔ اسلامی مجاہدین کی مقابلتاً معمولی تعداد کے باوجود آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی اور حربی منصوبہ بندی کا اعلیٰ ترین معیار اور کامیابیوں کا تناسب آپ ﷺ کے جنگی تدبیر۔ حوصلہ۔ استقامت۔ بہادری اور برداشت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی سے بھی فن حرب کی تعلیم حاصل نہ کی۔ اس کے باوجود مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام کے دوران بہت سے غزوات اور بے شمار سریہ میں کامیابی حاصل کی اور عرب کا قریباً بارہ [۱۲] لاکھ مربع میل کا علاقہ جو موجودہ پاکستان کے رقبہ سے دو گنا کے برابر ہے فتح کیا اور اسے اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ یہ کارنامہ انوکھا ہے اور تاریخ میں بے مثال اور حیران کن۔ یہ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی برکت اور عنایت و کرم سے ہی ہے۔

آپ ﷺ کی پیدائش مبارک و اقدس ایک ایسے دور میں مقدر ہوئی کہ جو انسانی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا اور ایک ایسے ملک میں ہوئی کہ اس وقت اس ملک میں صرف برائی کا رواج تھا تو پھر بھی آپ ﷺ نے اس کی آلودگی سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اور اسکے باوجود اپنی زندگی میں ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ جن کی انسانی تاریخ میں کوئی دوسری مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے جیسے کہ آپ نے کسی مخلوقی جنس سے تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود کلام الہی یعنی قرآن مجید و حکیم جو عظیم و بے مثال علم و حکمت سے مزین سرچشمہ کہا جاسکتا ہے کی تلاوت کے اسلوب سے آگاہ فرمایا۔ اس کے ہر لفظ۔ ہر آیت اور ہر سورہ کے ظاہری و باطنی معنی سکھائے۔ اور ان کے مطابق عمل کرنے کی تربیت دی۔ اور قرآن پاک کی مدد سے اپنے ساتھیوں کا باطنی اور ظاہری تزکیہ کیا۔ طہارت فرمائی اور اتنا پاکیزہ کر دیا کہ فرشتے بھی اُن پر رشک کئے بغیر نہ رہ سکے اور خود

۱۱

کسی سے تعلیم حاصل نہ کی لیکن پوری کائنات میں سب سے بڑے۔ ضیغم۔ علمی گہرائی سے پر علم کے ذخیرہ کی تعلیم دی قرآن پاک میں محفوظ حکمت کے پوشیدہ رازوں کو اس انداز سے ظاہر کیا کہ جو کسی دوسرے کے لئے ممکن نہ تھا اور یہ نظری اور عملی طور پر بتا دیا کہ آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ قرآن پاک ہی کی ہو بہو تصویر ہے۔

آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی ایک مطہر اور زندہ تصویر یہ ہے۔ کہ آپ یتیمی کی حالت میں دنیا میں ظہور پذیر ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں ماں کی نعمت سے محروم ہوئے آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری دادا کے سپرد ہوئی یہ خیمہ بھی جلد اکھڑ گیا۔ پھر آپ ﷺ اپنے ہمدرد اور مونس چچا کے ساتھ منسلک ہوئے اپنی زندگی کے مشکل ترین حالات اور معاشرتی مقاطعہ کے دوران اس سہارا سے بھی محروم ہو گئے۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی حکومت کا بوجھ سنبھالنا پڑا۔ یہ دور بھی آپ ﷺ کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی آزمائش تھی۔ جس پر آپ ﷺ کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی آزمائش تھی۔ جس پر آپ خوش اسلوبی۔ ثابت قدمی۔ ہمت و شجاعت اور علم و حکمت سے پورا اترے اور ایک وسیع و عریض۔ مضبوط و طاقتور ملک و حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نہ تو بادشاہ بنے اور نہ شہنشاہ ہی ہوئے اور نہ ہی عیش و عشرت کی زندگی اختیار کی آپ ﷺ بدستور اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مطابق زندگی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ خدمت خلق کرتے رہے۔ زُند و تقویٰ۔ امانت و دیانت اور صداقت و صالحیت آپ ﷺ کا شعار رہا۔ حکومت، دولت، ملنے کے باوجود غربت میں زندگی کرتے رہے۔ اور اسی انداز میں اپنے ساتھیوں کی تربیت کرتے رہے اور اپنے اُسوۂ حسنہ کے خدو خال ظاہر کرتے اور ان کو اپنے ساتھیوں کے دل و دماغ میں مضبوط پختہ اور واضح و منور کرتے رہے۔

قرآن پاک میں فرمان الہی ہے کہ

”وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ یعنی پیغمبر اعظم و آخر علیہ وسلم کو الہدی [کتاب ہدایات، قرآن حکیم] اور دین الحق، یعنی سچے قائم و دائم رہنے والے اور افادی و غایتاتی اقدار کے حامل نظام حیات کلی [Complete way of life] کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اسے حیات

انسانی کے دیگر کل نظاموں پر غالب کردے اور اس [واقعیت] پر اللہ کی شہادت کافی ہے۔“

[الفح ۲۸ آیت ۲۸]

حضرت آدم علیہ السلام نے گمراہ اور الحق سے منحرف انسانوں کو راہ ہدایت پر چلانے اور چلنے کی تلقین کی پر نبی اور رسول کی پردہ پوشی کے بعد ان کے امتی دین سے انحراف کے شکار ہوتے رہے۔ جب ان کا طرز عمل و زندگی حدود الہی سے تجاوز کر جاتا اور وہ لوگ شیطانی شکنجے میں مکمل طور پر جکڑ چکے تو رحمت الہی جوش میں آتی تو بگڑے ہوئے انسانوں کی صلاح اور فلاح کے لئے ایک رسول یا نبی مبعوث ہوتا: یہ سلسلہ صدیوں پر صدیوں تک دراز رہا۔ اس سلسلہ میں دین اسلام دنیاوی ملاوٹوں۔ نفسانی آلائیشوں، شیطانی وسوسوں اور نفرتوں کے باعث بگاڑ کا شکار ہوتا رہا اور ہر دفعہ ایک ملاوٹ شدہ نیا مذہب سامنے آ جاتا۔ یہ سلسلہ محمد رسول اللہ تک جاری رہا اور آپ ﷺ کو یہ فرض سونپا گیا۔ کہ تمام تحریف شہد مذہبوں یعنی غلط نظاموں کو ختم کر کے ان پر اللہ کے پسندیدہ نظام دین اسلام کو غالب کر دے۔ آپ اس فرض میں کامیاب و کامران ہوئے۔ اور یہی آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کا کمال و کامرانی ہے۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ منظم زندگی ہے۔ دینی حسنہ اصولوں کی پابندی ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ نیکی کی ترقی و ترویج کے لئے تگ و دو کی اور برے کاموں کو روکنے کی کوشش کی۔ آپ ﷺ کی زندگی صفات حسنہ کا مجموعہ رہی اور اسی کی روشنی سے آپ ﷺ کے ساتھی براہ راست منور ہوئے اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی خاطر آپ ﷺ کے ساتھی آپ ﷺ سے راہ نمائی کے لئے متعدد سوال کرتے۔ مستفید ہوتے اور سوالوں کے جوابات کی روشنی میں اپنے فکر و نظر اور افعال و اعمال کو حسین بناتے۔ اور دینی حالات و معاملات پاکیزہ کرتے رہتے۔ اسی سلسلہ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی سنت حسنہ کیا ہے [یعنی آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے معمولات کیا ہیں] آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے معمولات نہایت ہی مختصر الفاظ میں احاطہ فرمایا۔ جو اس طرح ہے۔

۱۔ معرفت میرا اس المال ہے۔

۲۔ عقل میرے دین کی اصل ہے۔



- ۳- محبت میری بنیاد ہے۔
- ۴- شوق میری سواری ہے۔
- ۵- ذکر الہی میرا انیس ہے۔
- ۶- اعتماد میرا خزانہ ہے۔
- ۷- غم میرا رفیق ہے۔
- ۸- علم میرا ہتھیار ہے۔
- ۹- صبر میرا لباس ہے۔
- ۱۰- رضا میرا مالِ غنیمت ہے۔
- ۱۱- عجز میرا فخر ہے۔
- ۱۲- زہد میرا پیشہ ہے۔
- ۱۳- یقین میری قوت ہے۔
- ۱۴- صدق میرا حامی و سفارشی ہے۔
- ۱۵- طاعت میری کفایت کرنے والی ہے۔
- ۱۶- جہاد میرا خلق ہے۔
- ۱۷- نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
- ۱- معرفت میرا اس المال ہے۔

حق اور حقیقت کا ادراک حاصل ہونا غور و فکر، عقل و فہم، بصیرت اور محنت و مشقت سے ممکن ہے انسانی جسم و جان اور دل و دماغ کو راہ ہدایت و مستقیم پر گامزن کرنے یا کروانے کی ابتدا اپنے نفس کی پہچان اور اپنے خالق کی پہچان سے ہو سکتی ہے۔ اسی پہچان کا حصول انسانی راس المال [Investment] ہے۔ جسے معرفت کہا جاسکتا ہے۔

غور و فکر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا سرمایہ رہا ہے اس وقت کے گھمبیر حالات اور فطرت کے درمیان تضاد

آپ ﷺ کی سوچ حسنہ کا محور رہا ہے۔ اپنے ارد گرد کا جائزہ لینا اور واقعات کا مشاہدہ کرتے رہنا علاوہ حالات پر نظر رکھنا آپ ﷺ کے معمولات میں شامل رہا ہے۔ حالات کے اطوار نے آپ ﷺ کو برائی سے نفرت دلانی اور اچھائی کی بحالی کی جانب توجہ مرکوز کروائی۔ جس سے آپ ﷺ کے غور و فکر میں شدت آگئی اور تنہائی کا سہارا لینا آپ ﷺ کا معمول بن گیا اور غار حرا۔ مقام و جستجو آپ ﷺ کا مسکن ٹھہرا۔

غور و فکر نے آپ ﷺ کی ذات کو آشکار کیا۔ تمام خوبیاں اور صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں۔ تو ارد گرد میں اپنی حیثیت کا تعین کرنے میں مدد ملی۔ جس نے غور و فکر کو اس پوشیدہ ہستی کی جانب موڑ دیا جس نے سب کچھ تخلیق کیا۔ اور اس ہستی کی تلاش ہوئی۔ اس سے رابطہ کرنے کے ذرائع تلاش ہوئے اور اس طرح ایک عارف کا ظہور ہوا۔

ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ اپنے دل و دماغ میں محفوظ تمام نظریات، عقائد، تعصبات کو کنارے لگا کر اپنی پہچان کرے۔ اپنی تخلیق کے مقاصد کا جائزہ لے۔ اور اپنے طرز عمل کا اس سے موازنہ کرے۔ ہادی برحق کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کرنے کے بعد تلاش حق میں مصروف ہو جائے اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل نو میں اپنا حصہ ڈالے۔ یہی اس کی زندگی کی راہ متعین کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کی ایک صفت قرآن پاک میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

”ہم نے اللہ کا رنگ یا دین اختیار کر لیا ہے۔ [ذرا بتاؤ تو سہی] اللہ کے دین یا نظام حیات کلی سے افضل و اعلیٰ اور اکمل و خوب تر اور کس کا دین ہو سکتا ہے۔ [یعنی ہو سکتا لہذا] ہم تو اسی کے قوانین و احکام اور تعلیمات پر عاشقانہ انداز میں عمل کرنے والے ہیں“

[البقرہ ۲ آیت ۱۳۸]

۲۔ عقل میرے دین کی اصل ہے۔

دین ایک لائحہ عمل ہے جو خالق کائنات نے اپنی اعلیٰ ترین تخلیق یعنی بنی نوع انسان کیلئے تجویز فرمایا۔ جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اللہ رب العزت کی دینی اور اخروی نعمتوں کا مستحق قرار پاتا ہے۔ یہ دین اللہ تعالیٰ نے اپنی برگزیدہ ہستیوں کے ذریعہ عوام الناس تک پہنچایا۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے اپنے اعمال و افعال سے دین حق کو قابل عمل ہونا ثابت بھی کیا اور

ان کے اوجھل ہونے کے بعد لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے آسمانی کتابیں بھی مہیا کر دیں۔  
عقل اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کیلئے ایک ایسی پیش بہا نعمت ہے یا انسان کا ایسا معاون [Instrument] ہے۔ کہ جس کی مدد سے انسان اپنے ارد گرد تمام موجودات، واقعات، حالات کو جانتا۔ سمجھتا ان کی حقیقت اور ماہیت تک پہنچتا۔ ان کی صفات اور خواص سے واقف ہوتا۔ جانداروں کی عادات معلوم کرتا اور ان کا استعمال اور متعلقہ تمام فوائد حاصل کرتا اور ترقی کے زینے طے کرتا جاتا ہے عقل کے استعمال کے بغیر وہ غیر معیاری زندگی گزارنے پر مجبور رہتا ہے۔

دین حق جو ہر انسان کی دنیاوی زندگی کی اساس ہے اس سے واقفیت حاصل کرنا۔ اس کے خدو خال جاننا۔ اس کی باریکیوں، گہرائیوں، وسعتوں اور پیچیدگیوں کو جاننا عقل کے استعمال کے بغیر ممکن نہیں۔  
رسول اکرم کا اُسوۂ حسنہ جو دین حق کی عملی تصویر ہے اور سنت رسول اور حدیث پاک کی صورت موجود و محفوظ ہے اور قرآن حکیم و مجید جو دین حق کی بنیاد ہے۔ ان کے مندرجات کو سمجھنا۔ انکی حقیقت اور حکمت تک پہنچنا اور پھر اپنا تزکیہ کرنا یعنی آلودگیوں، ملاوٹوں، آلائشوں، گناہوں اور برائیوں سے اپنے آپ کو پاک کرنا عقل کا مرہون منت ہے۔ عقل استعمال تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں۔ کہ جن کو ایمان و ہدایت کی آرزو و تمنا ہوتی ہے۔ ورنہ۔

”[یہ اصل الاصول یاد رکھنے کا ہے کہ] کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا“ دوسرے لفظوں میں اس کے قانون احترام آرزو ہی کے مطابق ایمان لاسکتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے [وہ کفران نعمت کرتے ہیں اور اس کی پاداش میں] اللہ تعالیٰ انہیں [کفر و شرک کی] نجاست میں مبتلا کر دیتا ہے [اور وہ ایمان و کفر اور توحید و شرک کے متعلق التباس ذہنی کے شکار ہو جاتے ہیں“  
[یونس ۱۰ آیت ۱۰۰]

مزید فرمایا گیا کہ

”البتہ جن کے دلوں میں بیماریاں ہوتی ہیں اس سے ان کی نجاست پر

نجاست چڑھتی جاتی ہے [اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کفر و نفاق، شرک و جہل اور شک و اضطراب میں اضافہ ہوتا چلا جاتا] نتیجتاً وہ مرتے دم تک کافر ہی رہتے ہیں“

[التوبہ ۹ آیت ۱۲۵]

قرآن پاک جو تمام بنی نوع انسانوں کے لئے ہدایت و رشد کا ذریعہ ہے اس کی تلاوت کرنا یعنی مطالعہ کرنا۔ اس کے مندرجات کو جاننا ان پر غور و فکر کرنا ہی عقل کا استعمال ہے جو راہِ راست پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

”ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں [بذریعہ وحی و تنزیل] نازل کیا ہے تاکہ تم اس میں فکر و تدبر کرو اور سمجھو بوجھو“

[یوسف ۱۲ آیت ۲]

مزید فرمایا گیا۔

”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو ذکر، یعنی [اس کی سورتوں، آیتوں اور احکام و تعلیمات کو یاد کرنے اور رکھنے، اور سمجھنے، نیز ان سے پند و نصائح حاصل کرنے] کے لئے آسان بنا دیا ہے تو پھر بے کوئی جو اسے یاد کرے، رکھے، سوچے، سمجھے اور نصیحت قبول کرے؟“

[القمر ۵۴ آیت ۱۷]

اس لئے عقل کا استعمال ہی دین کی اصل ہے۔ اور اسوہ حسنہ اس کی عملی تصویر ہے۔ تو ہے کوئی جوان کے مطابق اپنی دنیاوی زندگی کو حسین و خوبصورت بنائے۔

۳۔ محبت میری بنیاد ہے۔

پیغمبر کے فرائض میں اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی کرنے کی تلقین کرنا ہے۔ جب بھی کوئی پیغمبر دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے اس وقت دنیا میں یا اس مخصوص علاقہ میں

لوگوں کے ذہنوں میں شرک مستحکم ہو چکا ہوتا ہے اور ان کے دل اپنے مجازی معبودوں کی عبادت کے لئے بے چین رہتے ہیں اور وہ اپنے متعدد خداؤں کی معیت میں زندگی گزارنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

ان حالات میں ذہنوں سے شرک نکالنا، دلوں سے جعلی خداؤں کی محبت نکالنا اور ان کو راہ حق پر لگانا قطعاً آسان نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول یا نبی ایسی حکمت عملی وضع کرتے ہیں کہ جس سے ان کا مقصد پورا ہو سکے۔ ملامت لہجہ، خوشگوار گفتگو، ہمدردی، دلجوئی، مدد و اعانت افراد کے درمیان قربت۔ ہم آہنگی اور پیار و محبت کا ذینہ ہیں۔ جس کے نتیجے میں خوشگوار معاشرتی ماحول تشکیل پاتا ہے۔ اور غصہ، حسد نفرت اور کشیدگی میں کمی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے حالات پیدا ہونے سے باہمی الفت پروان چڑھتی ہے اور ایک دوسرے کے خیالات اور نظریات پر غور و فکر کا موقع ملتا ہے جو ذہنی، قلبی، فطری اور روحانی تعلقات میں مضبوطی کا باعث ہے۔ نبی ﷺ رحمت و الفت نے اپنے محبت بھرے طرز عمل سے لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت اور چاہت کے بیج بونے میں بتدریج کامیابی حاصل کرتے جا رہے تھے حتیٰ کہ مخالفین بھی اپنے نظریات کے باطل ہونے پر سوچ بچار کرنے پر مجبور ہو چکے تھے اور ظاہری اور باطنی طور پر آپ ﷺ کو رسول برحق ماننے پر قائل ہوتے جا رہے تھے جو آپ ﷺ کی جمعیت کو مضبوط اور دشمن کو کمزور کرتی جا رہی تھی۔ وقت کے آگے بڑھنے کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنی گہری اور مضبوط حکمت عملی کے تحت لوگوں کے دل و دماغ میں دین اسلام کے لئے چاہت پیدا کر دی۔ اپنے یعنی رسول رحمت ﷺ کی الفت کو راسخ کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو روشن و منور کر دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ محبت بھی آپ ﷺ کی کامیابی و کامرانی کی بنیاد ہے۔ اسوہ حسنہ رسول اکرم ﷺ میں یہ قابل عمل حقیقت ہے۔

۴۔ شوق میری سواری ہے۔

شوق کے بغیر مقاصد حاصل کرنا مشکل ترین عمل ہو سکتا ہے اور سواری کی غیر موجودگی میں منازل تک رسائی آسان اور سہل نہیں رہتی۔ اگر یہ دونوں ہم آہنگ اور ہم رکاب ہو جائیں تو ایک ایک دو گیارہ ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ و مکرم ربیر کامل و عالم کی بعثت کا ایک مقصد کہہ ارضی پر اللہ تعالیٰ خالق کائنات رب العالمین کی حکمرانی قائم کرنا بھی تھا۔ آپ ﷺ نے نامساعد حالات میں آنکھ کھولی۔ چالیس سال تک اپنے گرد و پیش کے اہل و عیال

حالات کا بغور جائزہ لیا۔ اس وقت کے لوگوں کے چال چلن کا مشاہدہ کیا۔ اور ان کی اصلاح و فلاح کیلئے فکر مند رہے۔ اور جستجو میں لگے رہے کہ اللہ الرحمن والرحیم کا حکم آگیا اور بہتری کیلئے ذمہ داری سونپ دی گئی۔ جس نے اصلاح و احوال اور مقصد کی تکمیل کے شوق میں کئی گناہ اضافہ کر دیا۔ اور آپ ﷺ اس کٹھن ترین اور مشکل ترین عمل کو مکمل کرنے کے درپہ ہو گئے اور تاریخ کے انتہائی دورانیہ میں تاریخ کے انتہائی مشکل کام کو مکمل کر دکھایا اور شیطان الرجیم کو شرمناک شکست سے دو چار کر دیا۔

اب آپ ﷺ کی اُمت میں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کا درد رکھنے والے افراد نسیہ کا فرض ہے اپنے ارد گرد شیطانی اثرات کو ختم کرنے کا تہیہ کریں اور شوق و ذوق سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں اور اپنی دنیا اور عاقبت کو سنوارنے کی کوشش کریں اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی کر کے اپنی فلاح کریں۔

۵۔ ذکر الہی میرا نہیں ہے۔

بعثت سے متعلقہ فرائض کی تکمیل میں جن دشواریوں، مشکلوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کا آپ ﷺ کو سامنا کرنا پڑا اس سے اپنے بیگانے سب بہ خوبی واقف ہیں۔ اور ان ظلم و مصائب کا مقابلہ کرنا آپ ﷺ ہی کا کام تھا۔ اس دوران آپ کی ذات گرامی و قدر پر انسان ہونے کے ناطے منفی اثرات پیدا ہونا بھی ممکن ہو سکتا تھا جس سے آپ ﷺ رنجیدہ، افسردہ اور غمگین ہو جاتے۔ ان حالات میں آپ ﷺ کو اطمینان قلب، آسودگی اور تسلی و تشفی کی اشد ضرورت ہوتی۔ بے شک آپ ﷺ کے ساتھی ہر وقت آپ ﷺ پر اپنی جانیں نثار کرنے کے لئے کمر بستہ رہتے لیکن آپ ﷺ تو بے انتہا قوتوں بے شمار صفات حمیدہ اور لاتعداد ذرائع کے مالک کی اشیر باد کی خواہش و تمنا رکھتے۔ جس کیلئے آپ ہر گھڑی۔ ہر وقت اور ہر ساعت ذکر الہی پر توجہ مرکوز رکھتے اور اسی میں مصروف رہتے کیونکہ ذکر الہی سے ہی دلوں کو اطمینان میسر ہوتا ہے۔ یہی اطمینان قلب ہر مشکل، مصیبت، دکھ اور خرابی کا مداوا ہے۔

دنیاوی حالات و واقعات میں ہر شخص کسی نہ کسی مصائب میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاتا ہے انہیں لمحوں میں ذکر الہی اور درود پاک کا ورد تسلی و تشفی اور اطمینان قلب کا تیر بہدف ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے اس عمل سے فائدہ اٹھانا ناگزیر ہو سکتا ہے۔ اسوۂ حسنہ کی پیروی کا یہ ایک انمول ذریعہ ہے۔

## ۶۔ اعتماد میرا خزانہ ہے۔

دنیاوی زندگی میں ”خزانہ“ کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کو رواں دواں رکھنے۔ کاروبار کو چلانے، دفتری امور اور حکومتی معاملات کو طے کرنے۔ جنگی راز و نیاز کو صیغہ راز میں رکھنے، گھریلو، خاندانی اور عائلی حالات کو خوشگوار رکھنے کے لئے بھی اسی طرح با اعتماد ساتھیوں کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ کسی فرد کے ساتھی اخلاق و کردار میں جتنے پختہ اور مضبوط ہوں گے۔ مخلص اور با اعتماد ہوں گے۔ امانت دار اور دیانت دار ہوں گے۔ وہ شخصیت اتنی ہی زیادہ کامیاب زندگی کر سکے گی۔

آپ ﷺ رحمت العالمین کی سیرت طیبہ کے حوالے سے مستند سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے۔ کہ مختصر ترین مدت میں اتنا بڑا انقلاب۔ اتنے بڑے گھمبیر اور نامساعد حالات میں برپا کرنا آپ ﷺ کا اللہ رب العالمین پر پختہ اعتماد و ایمان و توکل۔ اپنی بابرکت ذات گرامی پر خود اعتمادی اور اپنے ساتھیوں پر آپ ﷺ کا اعتماد اور ساتھیوں کا آپ ﷺ پر اعتماد کی وجہ سے ہوسکا۔

اعتماد کے اس خزانہ سے آپ ﷺ کی شخصیت اقدس کو لازوال و بے مثال بنا دیا اور آپ ﷺ کی امت کے لئے شخصیت اقدس کو لازوال و بے مثال بنا دیا اور آپ ﷺ کی امت کے لئے ایک ایسا انمول رستہ مہیا کر دیا کہ جس کی پیروی کر کے تمام بنی نوع انسانوں کے لئے راہ نمائی کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یہی آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی تاثیر ہے۔

۷۔ غم میرا رفیق ہے۔

غم و الم یا غم و فکر کسی ایسی چیز، واقع، تکلیف، حادثہ، دکھ، صدمہ، اختلاف، لڑائی یا بیماری کے نتیجہ میں وارد ہوتا ہے کہ جو کسی شخص کو عزیز ترین ہو۔ اور اس کی برداشت سے باہر ہو۔ غم اپنی ذات کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اور اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات کے ناہموار ہونے اور اپنے تعلق داروں، افراد قبیلہ، قوم و ملت اور ملک کے غیر معیاری ہونے پر بھی حساس لوگوں کا غم میں مبتلا ہونا فطرتی عمل ہے۔

رسول کریم ﷺ کی زندگی جن حالات سے وابستہ رہی۔ انہی کسی صورت انسانیت کے لئے قابل قبول نہیں کہا جاتا۔ آپ ﷺ کے لئے یہ صورت حال برداشت سے باہر تھی اور ان لوگوں کی اصلاح و فلاح، تعلیم و تربیت، اخلاق و

کردار، سوچ و فکر اور عقیدہ و ایمان کی بہتری اور معیاری ہونے اور کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے اور آپ ﷺ روز و شب ان کے غم میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ غم آپ ﷺ کا ہر وقت، ہر لمحہ، دن رات کا رفیق رہتا۔ جس کے نتیجہ میں ایک ایسی قوم کو آپ ﷺ نے سنوارا اور اوج ثریا تک پہنچایا جس کی بظاہر اصلاح ممکن نہ تھی۔

موجودہ حالات میں اُمت مسلمہ کا جائزہ لینے سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اسی غم اسی جذبہ اسی تگ و دو اور اسی ہمت و محنت کو بروئے کار لا کر اُمت مسلمہ کو پھر راہ مستقیم پر گامزن کر دیا جائے تاکہ اُسوۂ حسنہ رسول کریم کی پیروی ہو سکے۔

۸۔ علم میرا ہتھیار ہے۔

ہتھیار یا اسلحہ کی مدد سے دشمنوں یا مخالف قوتوں کی باطل حرکات کا تدارک کیا جاتا ہے۔ ہتھیاروں کی مدد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور امن و امان اور راحت و سکون قائم کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ان کو تحویل میں رکھنا اور ان کو اصلاح احوال کے لئے استعمال کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

کسی چیز، شے یا فرد سے آگاہی، واقفیت، دانائی، حکمت، دانش، دور اندیشی اور ہنر و فن وغیرہ علم کہلاتا ہے۔ علم کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ علم نے ہی فرشتوں کو انسان کی برتری کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ علم ایک وسیع الجہت حقیقت ہے اور انسان کے عروج و ترقی اور تسخیر کائنات کے لئے ایک اہم ہتھیار ہے۔

علم ایک کثیر الجہتی قوت ہے اگر اسے اختصار میں سمویا جائے تو اسے ذاتی علم، عوامی علم اور روحانی علم کہا جاسکتا ہے ذاتی علم انسان سے متعلقہ معلومات کا مجموعہ ہے۔ انسان کو عرف عام میں کائنات صغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس کی جسمانی بناوٹ و ساخت میں ایسی احسن تقدیم ٹیکنالوجی کا استعمال ہوا ہے کہ جس میں مزید بہتری اصلاح اور ترقی کی تا قیامت گنجائش نہیں۔ اس کے حسی، نفسی اور قلبی نظاموں کی ضرورت اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ نظام کسی اور مخلوق کو میسر نہیں اور انہی کی بنا پر تمام مخلوقات ربانی سے زیادہ معزز، اشرف اور اعلیٰ قرار پاتا ہے اس سے متعلق علم حاصل کرنے سے انسان اپنے اندر پوشیدہ قوتوں، صلاحیتوں اور مخفی خزانوں کو بروئے کار لا کر عظیم ولا زوال کامیابیوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے اور اپنی تخلیق کو پورا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔



انسان کے ارد گرد کروڑوں اشیاء موجود ہیں انسان ان کو اپنی ضروریات پورا کرنے اور مختلف قسم کے فوائد حاصل کرنے کیلئے شب و روز زیر استعمال لاتا ہے۔ ان کے بغیر انسان کو اپنی زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ ان چیزوں کی خصوصیات، اوصاف، بناوٹ و ساخت، فوائد اور استعمال سے واقفیت اور متعلقہ علم رکھے بغیر ان سے بھرپور فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے انسان کو ان کا مکمل علم رکھنا اس کے لئے مقام فرض اور لازمی امر ہے۔ تسخیر کائنات چونکہ انسان کے اہداف میں شامل ہے۔ اور ان تمام پر غور و فکر کرنا اور ان کے تخلیقی مقاصد سے آگاہی حاصل کرنا اس کے فرائض میں بھی شامل ہے۔ اس لئے اسے علم کے اس شعبہ میں مہارت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں اور دوسری زندہ مخلوق کے نفسیاتی حقائق کو جان کر اپنی کامیابی کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔ اور اُسوۂ حسنہ ﷺ رسول عظیم کی پیروی کا شرف حاصل کر سکتا ہے۔

علم کی ایک اہم جہت روحانی یا ماورائی علم ہے۔ اس علم سے مراد اللہ رب العزت کی پہچان حاصل کرنا ہے۔ اور اس ذات عظیم و اکبر کی صفات حمیدہ، آیات مبین، حکمت لازوال، قوت عظمیٰ، علم کبیر اور خیر کثیر سے واقفیت پا کر اپنی تخلیق کے مقاصد سے آشنائی پانا ہے۔ کرۂ ارضی پر ایک حقیقی اور اصلی اسلامی معاشرہ تشکیل دے کر انسانیت کو اپنی معراج پر پہنچانا اور دنیا اور آخرت کے لئے اپنے آپ کو معیاری بنانا ہے۔

رسول اکرم و مکرم ﷺ نے علم کی بدولت تھوڑے عرصہ میں اپنے تمام مقاصد حاصل کر لئے۔ تمام اہداف پالنے اور اپنی امت کو ان پر عمل کرنے اور اُسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی کرنے کی ہدایت کر گئے اب ہمارا فرض اس اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا ہے۔

## ۹۔ صبر میرا لباس ہے۔

دنیاوی زندگی کو بغیر تکلیف کے گزارنا مشکل ہے اسی لئے دنیا کو مصیبت کا گھر کہا گیا ہے۔ روزمرہ معمولات کے دوران قریباً ہر شخص کو ایسے مشکل اور تکلیف دہ امور سے واسطہ پڑتا رہتا ہے جو اس کے لئے ناقابل برداشت اور اجیرن بن جاتے ہیں۔ ایسے حالات اسے پریشان کر دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے وہ گھبراہٹ کا شکار رہتا ہے۔ افسردگی، پشیمانی، اس پر چھائی رہتی ہے اور وہ اکثر حواس باختہ رہتا ہے۔ چڑچڑاپن اور غصہ اس کے رویوں میں شامل ہو جاتا ہے نتیجہ وہ جھگڑا لو بن جاتا ہے اور ہر وقت مایوس رہتا ہے۔ اور ان کا فوری قابل قبول اور تسلی بخش حل نظر نہیں آتا۔ اس صورت حال میں

انتظار اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ زندگی میں ایسے حالات کئی بار واقع ہوتے ہیں۔ لباس انسان کیلئے ایک ایسی نعمت ربانی ہے کہ جو اسے بہت سی مشکلات اور طبعی اور غیر طبعی حالات میں محفوظ رکھتا ہے۔ یہ اسے شدید موسم یعنی گرمی، سردی وغیرہ سے بچانے کے علاوہ اسکی آرائش و تزئین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اچھا لباس اسکی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے اس کی شخصیت کو نکھارتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے مقبول نظر بناتا ہے۔ صبر ناموافق حالات کو برداشت کرنے کا نام ہے۔ یہ رنج اور غم میں ہمت بندھاتا ہے دکھ و درد میں بھی حوصلہ قائم رکھتا ہے مشکلات میں رویوں کو اعتدال میں رکھتا ہے۔ خطرات و مصائب میں بھی غور و فکر اور منصوبہ بندی کو قائم رکھتا ہے اور اس طرح ایسے افراد کی شخصیت کی آرائش و تزئین کا سبب بنتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تمام زندگی مصائب و الم میں گزری آپ ﷺ نے کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ اور کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اسی لئے آپ ﷺ کی زندگی کا اچھوتا انداز کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ امت رسول ﷺ مقبول کو اُسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور اسے اپنی زندگی کا معمول بنانے سے گریز نہیں کرنا چاہیے اور جس طرح لباس انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتا اسی طرح صبر کو بھی کبھی اپنے سے جدا کرنا مناسب نہیں۔

### ۱۰۔ رضا میرا مال غنیمت ہے۔

حق و باطل کی کشمکش میں ہونے والے مالی فوائد مال غنیمت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس مال کو اپنی ملکیت میں لینا۔ رکھنا اور اسے استعمال کرنے کی اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمان مجاہدوں کو اجازت بخش رکھی ہے۔ کسی حکم، عمل، واقعہ پر کسی شخص، فرد، یا ہستی کا خوش اسلوبی سے رضا مند ہونا اور اسے باعث خوشنودی سمجھنا یا قرار دینا رضا الہی ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ یعنی رضا ایک ایسی نعمت ربانی ہے کہ جس سے انسان کے کردار کی پختگی۔ اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین اعتماد توکل اور بھروسہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس سے شیطان الرجیم کی دوسوہ انگیزی، فریب کاری اور تخریب کاری سے نجات ہو جانے کا اشارہ ملتا ہے۔ رضا الہی کا حاصل ہو جانا اللہ رب العزت کی ایک عنایت ہے کہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ دنیاوی حوالے سے اسے مال غنیمت کہا جاسکتا ہے۔

رضا الہی رسول اکرم و مکرّمی ہادی عالم کی ساری زندگی کی اساس رہی مشکل ترین حالات میں بھی آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی اللہ کی رضا کے مطابق بسر فرمائی اور زندگی کے کسی لمحہ میں بھی اس سے انحراف نہ کیا۔ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی یہ ایک ایسی روشن مثال ہے کہ جس کی پیروی کر کے اسلامی معاشرہ کی تشکیل نو ہو سکتی ہے۔ نئے خیالات و نظریات سے مسلح مسلمانوں کیلئے اس پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

۱۱۔ عجز میرا فخر ہے۔

فخر کا لفظ بڑائی، کبریائی، بڑاپن، غرور، تکبر، ناز کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے مال و دولت کی فراوانی، جاگیروں کی زیادتی، مکانوں اور محلوں کی بہتات، کارخانوں کی افراط، اور زرینہ اولاد کی کثرت انسان کو مغرور اور متکبر بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور انسان کے اخلاق و کردار کو بگاڑ دیتے ہیں۔ متکبر انسان اپنے ہم جنسوں سے حقارت کرتے ہیں ان کو کم تر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان سے ان کا سلوک غیر انسانی ہوتا ہے۔ ان کے رویے غیر منصفانہ غیر مہذبانہ غیر اخلاقانہ اور تحکمانہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے رویوں کے بڑھنے سے اسلامی معاشرہ پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور انسانیت اور اسلامیت فقدان اور انحطاط کا لباس اوڑھ لیتی ہے۔ اور دین اسلام کی نفی کا سبب بنتی ہے جو کسی صورت قابل قبول نہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی جس زمانے میں دنیا میں تشریف آوری ہوئی وہ زمانہ تمام اور ہر قسم کی برائیوں کا مجموعہ تھا فخر و تفاخر اس وقت عروج پر تھا۔ جس کی وجہ سے غریب، مسکین، کمزور اور غلام انتہائی کمپرسی۔ غیر معیاری غیر انسانی اور غیر اخلاقی زندگی گزارنے پر مجبور و مقہور تھے۔ ان حالات میں عاجزی، انکساری اور خاکساری کو اختیار کر کے ان ظالموں اور مغروروں کا مقابلہ کرنا عقل و حکمت قرار پاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے عجز کا رویہ اپنا کر ان مغروروں کا قلیل عرصہ میں سر نیچا کر دیا اور ان کو اسلامی معاشرہ کا معزز رکن بنا دیا۔ رسول اعظم کے اسی رویے کو اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔

۱۲۔ زُند میرا پیشہ ہے۔

ماہرین کا اعتقاد ہے کہ انسان مرکب ہے روح اور جسم کا ہر انسانی جزو کی بقا اور ترقی کیلئے مناسب غذا درکار ہے۔ جسم کی غذا کے لئے اللہ خالق کائنات نے زمین میں بے شمار غذائی مواد وافر مقدار میں مہیا کر رکھا ہے۔ جبکہ روحانی جزو

کے لئے عبادات و وظائف کا نصاب مقرر کر رکھا ہے جس کے مطابق عمل پیرا ہو کر انسان اپنی تخلیق کے مقاصد پاتا ہے۔ اور اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اور اپنی روزی کمانے کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے تگ و دو کرتا رہتا ہے۔ یہ عمل اس کے ساتھ آخر تک پیوست رہتا ہے۔

انسان کو اپنے روحانی حصہ کی ترقی۔ پاکیزگی اور طہارت کے لئے اسے اللہ رب العزت کے احکامات و قوانین اور ہدایات و تعلیمات کی پابندی اور اُسوۂ حسنہ رسول اعظم و مکرم کی پیروی کرنا لازمی ہے۔ زندگی پر ہیزگاری اور تقویٰ کا مجموعہ ہے انسان کیلئے اسی طرح ضروری ہے کہ جس طرح کوئی پیشہ۔ اس لئے زندگی اور پیشہ لازم و ملزوم اور ہم پلہ اور ضروری ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے مقاصد انتہائی گہرائی اور وسعت کے حامل تھے آپ ﷺ نے ان کو حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں فرمایا آپ ﷺ دن کی روشنی میں اپنی بعثت کے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے دوڑ دھوپ اور محنت فرماتے اور رات کی تاریکی میں اپنے آقا و مالک کے حضور پیش ہوتے اور اپنے زندگی کو کمال تک پہنچانے کے لئے اللہ سے براہ راست قربت حاصل کرتے۔ یہ پاکیزہ عمل بھی آپ کے اُسوۂ حسنہ کا لازمی جزو ہے۔

۱۳۔ یقین میری قوت ہے۔

قوت، طاقت یا زور ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی مدد سے مشکل ترین مراحل، اہم مقاصد، لازمی ابداف، حریف قوتوں اور مشکلات و تکالیف پر قابو پایا جاتا ہے۔

قوت کا استعمال اتنی دیر تک کارگر نہیں ہو سکتا کہ جتنی دیر تک مقصد کی سچائی، اور اس کے درست استعمال پر پختہ یقین نہ ہو پختہ یقین ہی قوت کو زندگی بخشتا ہے۔ اسے قوت مہیا کرتا ہے۔ اسے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے۔ عزم و ہمت پیدا کرتا ہے صبر و استقامت کو دوام بخشتا ہے۔ قربانی دینے کی ہمت دیتا ہے۔ برائی کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ معاشرے کی صفائی میں مدد دیتا ہے۔ اور قوم کی موت کو متحرک زندگی عنایت کرتا ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہمہ گیر اور عالمگیر تھا اس کی تکمیل پختہ یقین کی قوت کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اقوام عالم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ کی اپنے مقصد کے حصول جیسی کوئی اور مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ امت مسلمہ کو نئی زندگی دینے کیلئے پختہ یقین کی قوت کو استعمال کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

### ۱۴۔ صدق میرا حامی و سفارشی ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی تحریک کا آغاز تنہا کیا۔ آپ ﷺ کی تحریک کو کچلنے کے لئے کفر و شرک کی تمام خباہتیں ہم رکاب ہو گئیں۔ اور تکالیف و مشکلات اور مصائب و آلام کے کوہ گراں آپ ﷺ پر انڈیل دیئے گئے۔ اور آپ ﷺ کی راہیں محدود و مسدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ ﷺ کی تحریک چونکہ سچائی پر مبنی تھی اس لئے کامیابی نصیب ہوئی۔

صدق سچ، راستی اور خلوص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسے قول و فعل اور زبان و قلب کی ہم آہنگی کے لئے بھی زیر استعمال لایا جاتا ہے۔ صدق یعنی سچائی انسان میں حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ اسے دلیر و بہادر بناتا ہے اور برائی کا مقابلہ کرنے اور اس کا قلع قمع کرنے کی ہمت و جرات مہیا کرتا ہے۔ صدق جب انسان کے جسم و جان میں رچ بس جائے تو وہ اس کا ہمدرد سا تھی کاروپ اختیار کر کے اسے کامیاب و کامران بناتا ہے۔

رسول اعظم و مکرم اور صدق ہمیشہ ہم آہنگ رہے بعثت سے قبل بھی آپ ﷺ کفر و شرک کے ذلیل ترین گڑھ میں امین اور صادق کے پاک ناموں سے یاد کئے جاتے۔ اسی سچائی نے آپ ﷺ کو معزز، قابل اعتماد اور محترم بنا رکھا تھا۔ اسی سچائی نے کافروں اور مشرکوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا رکھی تھی۔ حالانکہ وہ اپنی زبانوں پر آپ ﷺ کا نام لانا گوارا نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس عمل یعنی اُسوۂ حسنہ نے آپ کو جس کی تقلید کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ راہنما اصول و مثال ہے۔

### ۱۵۔ طاعت میری کفایت کرنے والی ہے۔

کسی برتر و اعلیٰ ہستی سے فائدہ اٹھانا۔ اسکی خوشنودی حاصل کرنا۔ اس کی حفاظت میں آنا۔ اسی کی عنایت و نوازش کا مستحق ہونا اس کی نعمتوں کا سزاوار ہونا اور اس کا دوست ہونا اور کہلانا صرف اور صرف اس کی فرماں برداری اور بندگی سے عبارت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر یا اس کی ہم پلہ کوئی اور ہستی موجود نہیں اور اس کا سہارا سب سے بڑا سہارا ہے قابل اعتماد ہے۔ قابل اعتبار ہے، مضبوط ہے۔ طاقتور اور قوی ہے۔ طاعت صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے لئے واجب ہے اسی کی عبادت فرض ہے اسی کی فرماں برداری میں زندگی گزارنا جائز ہے۔ اسی سے طلب کرنا اور اسی سے مدعا بیان کرنا اور دعا کرنا اس کی بندگی ہے۔

رسول اعظم و مکرّم ﷺ کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گزری اور آپ ﷺ نے اس کی فرماں برداری اور بے مطلب بے ریا اور خالص بندگی میں صرف کی اور اللہ تعالیٰ نے ہر طرح آپ کی کفایت کی اور مدد کی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے نہ تو کبھی ناراض ہوا اور نہ ہی چھوڑا۔ آپ ﷺ کی تمام کامیابیاں۔ کامرانیاں اسی طاعت کا سبب ہیں۔ آپ ﷺ کی عزت، آپ ﷺ کی تقدیس، آپ ﷺ کی ناموری، آپ ﷺ کی شہرت، آپ ﷺ کا عجز، آپ ﷺ کا شرف اور آپ ﷺ کا اعلیٰ و بلند مقام اسی طاعت کے طفیل ہے۔

آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کے اس اُسوۂ حسنہ کی افادیت پر غور و خاص کرنا چاہیے۔ موجودہ انحطاط پذیر ماحول کو اسلامی روایات کے مطابق بحال کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاسکے اور اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی خوشگوار اور خوش حال بنائی جاسکے۔

۱۶۔ جہاد میرا خلق ہے۔

برائی کے خلاف جدوجہد جہاد ہے اس جدوجہد کی خصلت اور عادت خلق ہے۔ اہل نظر اور اہل بصیرت نے جہاد کی گہرائی اور وسعت جاننے کے لئے اس کی تین جہتیں بیان کی گئی ہیں۔ اول، نفسِ امارہ کی سرکشی سے نجات، دوم: شیطانِ مردود کی وسوسہ انگیزی، تخریب کاری، فریب کاری اور سازشوں کا تدارک اور سوم، دین اسلام کے دشمنوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے تگ و دو اور ان کے منفی اثرات کا قلع قمع۔

یہ ایسی مہمیں ہیں کہ جن کو سر کرنے کے لئے استقلال کے ساتھ محنت، ہمت اور کوشش درکار ہے۔ اس میں کامیابی کی پہلی سیڑھی کے لئے انسان کی باطنی پاکیزگی اور ظاہری صفائی کا ہونا ضروری ہے۔ نفسِ امارہ کی خواہشات کو محدود اور مسدود کرنے میں اگر کامیابی ہو سکے تو شیطانی ہوس تخریب کاری اور اس کی منفی منصوبہ بندی کو روکنے

میں مدد مل سکتی ہے۔ ان مراحل کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد اللہ کی زمین پر اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے اہم مراحل کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کے لئے سوچ، وقت، مال اور جان کی قربانی لازمی ہے۔

یہ ایسے جان جوکھوں، اور مشکل کام ہیں کہ انہیں تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا اشد ضروری ہے اور اس تک و دو کو اپنی جان سے ایک لمحہ بھی جدا کرنا ممکن نہیں۔ اور اسے اپنی عادت بنا لینا ہی کامیابی کے لئے ضروری ہے اور یہی خلق ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی پر سطحی نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے انتہائی برائی کے ماحول میں رہتے ہوئے بھی کبھی برائی کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی برائی و فحاشی کو اپنے قریب پھٹکنے دیا بلکہ اس کے تدارک کے لئے مسلسل اور انتھک محنت و ہمت کو اپنی عادت بنائے رکھا۔ کامیابی کی یہ روایت پوری دنیا کے سامنے ہے آپ ﷺ کا یہ اسوہ حسنہ امت مسلمہ کا سرمایہ ہے جسے ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

۱۷۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

آسودگی، سکون، اطمینان، فرحت، تازگی، تسلی، خوشی اور مسرت جیسی تمام کیفیتیں، ”ٹھنڈک کے لفظ میں سموئی ہوئی ہیں۔ ان کی موجودگی میں انسان لطف اور مزہ کی ایسی حالت سے آشنا ہوتا ہے کہ جس کا لفظوں میں اظہار کافی مشکل ہے۔

چونکہ تمام خوش کن، فرحت بخش، نفیس، جمیل، اور حسین و خوبصورت اشیاء یا نظاروں کی تراوٹ آنکھوں کے ذریعے دل و دماغ کو منتقل ہوتی ہے اس لئے اس کیفیت کو آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا گیا ہے جو رسول اللہ کو ہر وقت نصیب ہوتی رہتی ہے الصلوٰۃ یا نماز انسان کا اس کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطے کا نام ہے جس وقت اپنے گرد و پیش کو بھول کر اور دل و دماغ اور ذہن و قلب سے سب کچھ فراموش کر کے خضوع خشوع سے اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کرتا ہے تو اسے جو الفت و محبت کا سرور ملتا ہے وہی نماز کی چاسنی ہے اور یہی نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

مالک کون و مکاں سے دلی استدعا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے تمام امتیوں کو یہ نعمت نصیب کرے۔ آمین۔  
آپ ﷺ کے اخلاق اور اُسوۂ حسنہ کا احاطہ کسی بشر کے بس میں نہیں۔ البتہ قرآن حکیم و مجید آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اجاگر کرنے کا بہترین اور موثر ترین ذریعہ ہے۔ قرآن کی تلاوت سے اُسوۂ حسنہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی

گئی ہے اور اس کے تمام اجزاء کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی تفصیلات جاننے کی خاطر بعض صحابہ کرام نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے جواباً پوچھا۔ کہ کیا آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہی تو آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ یا خلق ہے۔

آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی یا تقلید کرنے یعنی ان کے مطابق زندگی کرنے کی تلقین قرآن پاک میں بار بار کی گئی ہے لہذا تمام لوگوں کے اپنے فائدہ میں ہے کہ وہ باقاعدگی سے بغور تلاوت قرآن حکیم کو اپنا شعار بنالیں اور قرآن اور سنت رسول سے فیض حاصل کرتے ہوئے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا عادی بنالیں۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ اس طرح ہے۔

(۱) ”[پیارے نبی ﷺ!] لوگوں پر واضح کر دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے تو میری پیروی کرو یا میرے نقش قدم پر چلو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اللہ تو بے ہی بخشنے اور حفاظت کرنے والا ہے۔ حد ترس کھانے اور رحمت ارزانی کرنے والا“

”[لوگوں سے ناصحانہ طور پر] کہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو؛ اگر وہ روگردانی کریں یا نہ مانیں، تو یاد رکھیں کہ ان منکروں سے اللہ بھی محبت نہیں کرتا“

[آل عمران ۳ آیات ۳۱، ۳۲]

مزید تلقین اس طرح فرمائی گئی۔

”اور اللہ کی فرماں برداری کرو اور اس کے رسول کی بھی، آپ ﷺ کی سنت حسنہ کی پیروی کرو تاکہ تم دینوی و اخروی حسنہ سے نوازے جاؤ“

[آل عمران ۳ آیت ۱۳۲]

پھر کہا گیا۔

”دیکھو! [اے مسلمانو!] اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے نظام قائم کرو؛



نیز [اللہ تعالیٰ کے] رسول کی اطاعت یا پیروی کرو تا کہ تمہیں رحم و کرم سے نوازا جائے“

[النور ۲۶ آیت ۵۶]

اے کائنات کے مالک۔ اے مخلوقات کو پیدا کرنے والے خالق۔ اور ان کو ان کی ضرورت کے مطابق رزق عطا کرنے والے رازق رب العالمین ہمیں اپنے احکام اور اسوہ حسنہ رسول عظیم کی پیروی میں زندگی کرنیکی توفیق عطا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت میں سکھی رکھ۔ آمین۔

”انہیں افراد نسل انسانی میں وہ [خوش نصیب اہل آرزو و خشیت] بھی ہیں جو یہ دعا مانگتے رہتے ہیں! ’اے ہمارے پروردگار و مالک! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ [یعنی اپنی رحمت و مغفرت اور ہر طمانیت بخش و مسرت انگیز نعمت] عطا فرما اور دوسرے جہاں میں بھی ہمیں حسنہ [یعنی جنت قرۃ العین اور اس کی ہر سرور انگیز نعمت] سے نوازنا؛ اور ہمیں [دنیا میں آتش خوف و حزن اور آخرت میں] آتش جہنم کی ادیتوں سے محفوظ رکھنا“

[البقرہ ۲۰ آیت ۲۰۱]



## 19

## یاد اللہ کی (ذکر)

اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک و بے مثال اپنے بندوں سے پردہ میں ہے۔ لیکن بندوں پر اپنی نوازشوں، کرم نوازیوں، لاتعداد نعمتوں اور ظاہری اور باطنی اوصاف حسنہ کی بنا پر ان کے دل و دماغ میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ لوگوں کی کوتاہ بینی یہ ہے کہ وہ اپنے نفس امارہ اور طاقتور اور مضبوط گروہ شیطان کی سازشوں، وسوسہ انگیزیوں، تخریب کاریوں اور دلفریبیوں نے ان کو اللہ کی یاد بھلا رکھی ہے۔ اور اس طرح ایک رحم و کرم اور محبت و الفت رکھنے والی ہستی سے بندے اپنے تعلقات کمزور کر بیٹھے ہیں۔ اور اپنی غفلتوں، نافرمانیوں و وعدہ خلافیوں اور حکم عدولیوں کے سبب تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ ایسے اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے بندوں کے بارے قرآن پاک و جمید اس طرح اشارہ کر رہا ہے۔

”..... اور قیامت کے روز اللہ نہ تو ان سے کلام کرے گا اور نہ تو ان کی

طرف نظر [التفات] ہی کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ، یعنی ان کی قلبی

بیماریوں کا علاج ہی کرے گا۔ ان کے لئے ان کے اعمال سوؤ کا ثمرہ ہوگا:

اذیت ناک عذاب، یعنی آتش حسرت و یاس اور آتش جہنم کی اذیتیں

ہوں گی“

[آل عمران ۳ آیت ۷۷ جزو]

اللہ تعالیٰ تو سراپہ عفو و درگزر جو دو کرم اور محبت و رحمت ہے اسی لئے تو اس نے اپنے بندوں کو شیطانی شکنجہ سے آزاد کرانے کی خاطر اپنے لاکھوں نبیوں اور رسولوں کو مقرر فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی معزز اور برگزیدہ ہستیاں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران بندوں کا تزکیہ کرنے میں بھی مصروف رہیں اس جگہ دل و دماغ کا یہ استفسار ہو سکتا ہے کہ آخر تزکیہ کیا ہے۔ اور اس کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟

انسانی دل و دماغ اور جسم و جان میں حزب الشیطان کے پھیلائے ہوئے میل کچیل، گندمند، روڑا کوڑا کی صفائی تزکیہ کہلاتا ہے۔ اس کا مقصد انسان کو اسفل السافلین یعنی پست ترین حالت سے نکال کر اعلیٰ اور بلند ترین جگہ یعنی انسانیت کے عروج و تریا تک پہنچانا ہے۔ چونکہ انسان کا مقصد حیات اللہ رب العزت خالق کائنات کی قربت ہے۔ اُس کی خوشنودی کا حصول ہے۔ اور قرۃ العین یعنی جنت کی ابدی زندگی بسر کرنے کی تمنا و آرزو ہے جس کیلئے اسے اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام کی پابندی اور اس کی تعلیمات و ہدایات کی پیروی کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ علاوہ رسول اکرم و مکرم کی سیرت طیبہ اور سنت حسنہ پر عمل پیہم اور قرآن مقدس کی تعلیم و حکمت اور غور و تدبر بھی اہم اور ضروری ہے۔ اس امر کی ابتدا خلق انسانی کی شفافیت سے ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ عدل و احسان اور خیر و حسنہ کا خوگر ہو جاتا ہے۔ صبر و توکل اور ایثار و قربانی اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ حلم و عفو اور محبت و رحمت اس کی عادت بن جاتی ہے۔ ہمدردی و غمگساری اور جو دو سخا اس کی آرزو بن جاتی ہے۔ تزکیہ کے باعث انسان اعمال سوہ یعنی فحشاء و منکر۔ حسد و بغض، بخل و انتقام، تکبر و غرور، جنگ و جدل، قتل و غارت، عصیت و نفرت، منافقت و ریاکاری، چوری چکاری، جنسی فحاشی اور قول و فعل کے تضاد اور غصہ کی تپش سے نجات حاصل کر سکتا ہے انسانی حسن خلق اسے اولیاء اللہ کی راہ پر گامزن کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

موجودہ انسانی سوچ و فکر اور اس کے اعمال و افعال کا اگر مندرجات قرآن و سنت کی روشنی اور مطابقت سے جائزہ لیا جائے تو وہ دین اسلام کے لحاظ سے مردہ قرار پائے۔ اسے زندہ کرنے یا اس کی زندگی بحال کرنے کی خاطر اسے تزکیہ کے عمل سے گزارنا لازمی ہو جاتا ہے تاکہ اسے اللہ رب العزت کی قربت کی تمنا پیدا ہو جائے۔ رسول اعظم و اکبر و آخر

کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کا شوق عود کر آئے اور قرآن حکیم و مجید۔ فرقان الحمید کے تحت زندگی کرنے کا شعور آجائے اور ہر فرد انسانی کا تزکیہ اُبھر کر اور پھیل کر معاشرہ کا احاطہ کرے۔ اور تمام انسانیت اس سے سیراب ہو جائے اور قرآن و سنت کا نظام بحال ہو سکے۔ کیونکہ علم و حکمت کی اجارہ داری تزکیہ کی مرہون منت سے ہی ہے۔

قرآن مجید میں مختلف زاویوں سے تزکیہ کا ذکر ہے جس کے متعلق چند آیات مقدسہ کو درج کیا گیا ہے۔

”[سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی تھی]: یارب! ان [اہل مکہ] میں انہیں میں سے ایک رسول اُٹھا کھڑا کرنا جو ان کو تیری آیات کا درس دے۔ تاکہ وہ ان میں تفکر بالعمل کریں۔ اور ان کو الکتاب [جو علم و حکمت اور ہدایت کا سرچشمہ ہوتی ہے] کے علوم و فنون اور اوامر و نواہی وغیرہم کی تعلیم دے؛ ان کو وقت کے تقاضوں [اور اسوہ رسول ﷺ] کے مطابق حیات طیبہ بسر کرنے کے حکیمانہ اصول سکھائے؛ اور ان کے دل و دماغ کی تطہیر و تصعید کرے اور ان کے قوائے مضممرہ کو قوت سے فعل میں لائے اور ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین کرے۔ بلاشبہ تو جلیل و مقتدر۔ دانائے کل بھی ہے اور حکمت کار و حکمت آموز بھی“

[البقرہ ۲ آیت ۱۲۹]

دعا حضرت ابراہیمؑ کی قبولیت پر فرمایا گیا کہ

”چنانچہ اسی طرح اپنی نعمت یعنی اپنے نظام حیات کلی کی تکمیل کیلئے ہم نے تمہی میں سے تم میں اپنا [آخری] رسول بھیجا ہے۔ وہ تمہیں ہماری آیات [تاریخ کے اہم واقعات، جغرافیائی و سائنسی تغیرات، مذہبی، اخلاقی سیاسی، عمرانی، تہذیبی اور علمی و فنی انقلابات کے عوامل و نتائج] کا درس دیتا ہے۔ تاکہ ان میں تفکر بالحق کرو؟ اور تمہارا تزکیہ کرتا [یعنی تمہارے قلب دل و دماغ] کی تطہیر و تصعید اور اخلاق کی تہذیب و تحسین کرتا۔ نیز تمہارے قوائے مضممرہ

کو قوۃ سے فعل و فنون او امر و نواہی اور معارف و حقائق کی تعلیم دیتا ہے۔ اور حکمت سکھاتا ہے۔ یعنی قرآن حکیم کی ہدایت و تعلیمات کے مطابق دانشمندانہ طور پر حیات طیبہ بسر کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ نیز تمہیں وہ علوم و فنون سکھاتا ہے، جن سے تم پہلے نا آشنا تھے“

[البقرہ ۲ آیت ۱۵۱]

اس حوالے سے مزید روشنی اس طرح ڈالی گئی ہے۔

”اللہ نے مومنوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کہ اس نے ان کے ہم نفسوں ہی میں سے اپنا پیغمبر [اعظم و آخر علیہ وسلم] مبعوث کیا۔ یعنی ان کیلئے بھیجا۔ [آپ کے فرائض بحیثیت معلم و مربی یہ ہیں]۔ اول آپ ان پر اللہ کی آیات کا درس دیتے ہیں۔ دوسرے، آپ ان کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی ان کے نفسیاتی یا قلبی امراض کا علاج کرتے، ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین کرتے اور ان کو غور کے کانوں سے سننا عبرت کی نظروں سے دیکھنا اور حکیمانہ انداز میں سوچنے اور عقل سلیم سے کام لینا سکھاتے ہیں، نیز ان کو اپنے باطنی قوی کو قوۃ سے فعل میں لانے کی تربیت دیتے ہیں“

[آل عمران ۳ آیت ۱۶۴ جزو]

اسی مضمون کو سورۃ جمعہ ۶۲ آیت ۲ میں بھی دوہرایا گیا ہے۔ تاکہ یادداشت تازہ ہو جائے اور عمل میں پختگی اور

تسلل قائم رہے۔

تزکیہ پر درج ذیل آیت کریمہ کے ذریعے عملی اقدام کی نشان دہی کی گئی ہے۔

”ان کے مال و منال میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ [قانوناً] وصول کرو [کہ یہ حکم الہی ہے] اور اس مال و منال کے ذریعے ان [کے دل و دماغ اور اخلاق و کردار] کی تطہیر کرنے اور ان کو شوونما دینے کا اہتمام کرو، نیز ان کو دُعائیں دو۔ اس لیے کہ آپ کی دُعا ان کے لئے موجب تسکین (Solace)

ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہے ہی سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ جاننے والا۔“

[التوبہ ۹ آیت ۱۰۳]

ان آیات کریمہ نے نفسِ انسانی، نسلِ انسانی خاص طور پر عوام الناس اور اقوامِ عالم کو حقیقی زندگی کا شعور اُجاگر کرنے اور اپنی تخلیق کے مقاصد کو واضح کرنے اور حیاتِ طیبہ گزارنے کا طریقہ بتایا ہے۔

تزکیہ قلب کے بعد انسان کی اللہ تعالیٰ کے لئے چاہت میں اضافہ ہونا ایک فطرتی عمل ہے۔ اللہ کی طلب اور اس تک رسائی حاصل کرنا اس کا مقصد حیاتِ بننا یقینی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی تمنا اس کی زندگی کا حسن قرار پا جاتا ہے اور اس طرح اللہ کی یاد یعنی ذکر اللہ اس کی سوچ و فکر اور دل و دماغ میں سما جانا ہی اسے تسکین و اطمینان بخشتا ہے۔

”جو لوگ ایمان لائے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام کو تسلیم بالیقین کر کے اس کے نظامِ حیاتِ کلی میں داخل ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام اور تعلیمات کے ذکر و انکار سے ان کے دل و دماغ کو امانیت و سکینت ملتی ہے یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دل و دماغ اطمینان و سکون پاتے ہیں“

[الرعد ۱۳ آیت ۲۸]

حیاتِ طیبہ کا حسن ”یقین محکم“ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ جو انسان اس نعمت سے محروم ہوگا اس کا ذہن متذیب رہے گا۔ شک و شبہ کا شکار رہے گا۔ ایمان کی قوت اور پختگی سے پردہ میں رہے گا اور خالق کائنات کی ذات مبارک اور اس کی ابدی نوازشوں اور نعمتوں کی افادیت کا قابل نہ رہے گا نتیجہ اطمینان قلب، ایمان محکم، قربت الہی اور عملِ حسنہ سے بیگانہ ہونے کے سبب شیطانی وسوسہ انگیزی، فریب کاری، دھوکہ دہی کی گرفت میں آنے سے دلی سکون و تسکین سے محروم ہو جائے گا۔

قول و فعل کا تضاد اطمینان قلب کا ازلی دشمن ہے روزمرہ کے باہمی روابط میں یہ تضاد کھل کر سامنے آ جاتا ہے جس سے باہمی اعتماد اور اعتبار شک و شبہ کا شکار ہو جاتا ہے جس سے متضاد شخصیت کا حامل شخص اطمینان قلب سے محروم

ہو جاتا ہے اگر اس طرز عمل پر قابو نہ پایا جاسکے تو اس سے ذہنی اور قلبی سکون تباہ و برباد ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔  
 رزق حلال کا فقدان اطمینان قلب سے محرومی کا ایک اور سبب ہے رزق حرام کا ہر لقمہ حرام خون اور حرام گوشت  
 کی پیدائش کا باعث بنتا ہے۔ جو فاسد سوچ و فکر کو جنم دیتا ہے جس سے اعمال صالح متاثر ہوتے ہیں اور اس طرح انسان کا  
 مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے اور اخروی زندگی کا مشکوک ہونا لازمی ہے۔

بد صورت طرز کلام باہمی نفرت کو ہوا دیتا ہے۔ باہمی عداوت کو جنم دیتا ہے۔ جس سے فساد اور فتنہ انگریزی کو  
 تقویت ملتی ہے۔ اور انسانی ذہن اس سے متاثر ہو کر نفسانی امراض کا شکار ہو کر اطمینان قلب سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی  
 لئے اللہ تعالیٰ حسن کلام کو پسند فرماتا ہے۔

حرص اور حسد بھی اطمینان قلب کو سلب کرنے کا بڑا ذریعہ ہیں۔ حرص خواہ مال و دولت کی ہو۔ محلوں اور بڑی  
 شاندار عمارتوں کی ہو۔ بیویوں اور اولاد کی ہو۔ جاہ و جلال اور اقتدار کی ہو۔ انسان کو بے چین رکھتا ہے جس سے اطمینان  
 قلب اور تسکین جسم و روح غائب ہو جانا لازمی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حسد بھی ایک مہلک بیماری ہے جو انسانی شخصیت کو  
 داغدار کر دیتی ہے اور انسان حسد کی آگ میں جلتے جلتے اپنے آپ کو بھسم کر لیتا ہے اور اطمینان قلب و روح سے ہاتھ دھولیتا  
 ہے۔

انسانی زندگی کا حسن اطمینان قلب اور ذہنی سکون سے وابستہ ہے جس کے لئے اعمال قبیح سے نفرت اور ان کے  
 تدارک کی ضرورت ہے اور اعمال حسنہ کو اپنا کر روزمرہ کے معمولات کو خوب صورت بنانے کی ضرورت ہے جس کا بہترین  
 اور موثر علاج اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اسکی یاد زندگی کو حسین، خوبصورت اور مطمئن بنانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ قرآن پاک کی  
 متعدد آیات کریمہ کی وساطت سے اللہ کے ذکر اور اس کی یاد کرنے کے طریقہ کار کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور رہنمائی بھی کی  
 گئی ہے۔

”کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس ”ذکر“ یعنی حقائق  
 زندگی کی یاد دہانی کرنے والا نوشتہ تمہارے پروردگار و آقا کی طرف  
 سے ایک ایسے شخص [Mortal] کے ذریعے آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے۔“

یعنی تمہارا ہم نفس ہے تاکہ تمہیں [قدرت کے قانون مکافات عمل] Law [of Retribution] سے متنبہ کرے۔ اور اس کے نتیجے میں تم تقویٰ کرو یعنی تم میں جنت کو جانے والی راہ راست کی آرزو زندہ و فعال ہو جائے اور تم رحم و کرم کیا جائے“

[الاعراف ۷ آیت ۶۳]

اس حوالے سے مزید فرمایا گیا۔

”[یہ چراغ قرآن] ان گھروں میں [روشن رہتا] یعنی کثرت سے پڑھا جاتا ہے [جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے اور ان میں اس کے احکام و تعلیمات کو یاد کیا جائے: نیز جن میں وہ لوگ صبح و شام کے اوقات میں اس کی تقدیس و تنزیہ کرتے رہتے ہیں“

”ان لوگوں کو نہ تو تجارت [Merchandise] اور نہ خرید و فروخت [Buying and selling] ہی اللہ کے ذکر یعنی قرآن مجید کی تلاوت سے اور نہ نظام صلوة و زکوٰۃ قائم کرنے سے غافل کرنی ہے۔ لیکن وہ اس روز [قیامت] سے خوف بدامان رہتے ہیں جس میں کلیجا منہ کو آنے لگے گا۔ اور دیدے پتھرا جائیں گے“

[النور ۲۴ آیات ۳۶، ۳۷]

دنیاوی مشاغل کو جاری رکھتے ہوئے اور روزمرہ کے معمولات زندگی کی ادائیگی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کی یاد حسنه اور اس کے ذکر کو جاری رکھنا بھی ہر فرد کی دنیاوی زندگی کا ایک لازمی حصہ قرار پاتا ہے جسے نظر انداز کرنا بندہ خدا کا اپنے خالق و رب العالمین کی نافرمانی میں شمار کیا جاسکتا ہے جو اللہ کے بندہ کے لئے دنیاوی اور اخروی زندگی میں نقصان کا باعث ہو سکتا ہے اسی لئے مسلمان کو آگاہ بھی کیا جا رہا ہے اور حکم بھی دیا جا رہا ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے اپنے آپ کو آراستہ رکھے۔



فرمایا گیا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن صلوٰۃ کیلئے آواز دی جائے [یا بلایا جائے] تو اللہ کے ذکر یعنی قیام صلوٰۃ کے لئے لپک کر جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تمہیں علم ہو تو یہ [انفرادی اور اجتماعی طور پر] تمہارے لئے موجب خیر و برکت ہے“

”پھر جب [جمعتہ المبارک کی] صلوٰۃ ادا ہو جائے تو [بیکار بیٹھے نہ رہو] بلکہ [زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے ذوق کی طلب و جستجو کرو] اور اس کے ساتھ [اللہ کی صفات] کو بہت زیادہ یاد کرو اور ان کی تشریح کرو تاکہ تم دینوی و اخروی حسنہ پاؤ“

[الجمعة ۶۲ آیات ۹، ۱۰]

اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر سے غافل رہنا خاص طور پر ایمان لانے والوں کے لئے صریحاً نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے اس لئے ہر مومن کو اس غفلت سے اجتناب کرنا ہی فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر کی اہمیت کا اندازہ اس حکم ربانی سے لگایا جاسکتا ہے جو رسول اکرم و مکرم کی ذات اقدس و مقدس اور اعظم و آخوشتہ کے گوش گزار کیا جا رہا ہے۔

”لہذا جب آپ ﷺ ایک کام ختم کر کے فارغ ہو جائیں تو دوسرے کام میں تند ہی کے ساتھ لگ جائیں [فارغ یا بیکار نہ رہیں]“

”اور [ہمہ وقت] اپنے رب [کے قرب و رضوان] کی طلب و جستجو میں رہیں۔“

[الم نشرح ۹۴ آیات ۷، ۸]

اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ایک اور خوبصورت انداز میں مندرجہ ذیل آیت مقدسہ کے ذریعے کیا گیا ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی کا ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقف ہونا ہی مسلمان کی زندگی کو معتبر، حسین اور خوبصورت بنانا ہے۔

”اور جب تم صلوٰۃ ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں یا پہلوؤں کے

بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو، یعنی اس کے قوانین و احکام اور تعلیمات میں غور و فکر کرنے کو اپنا شعار بنا لو....“

[النساء آیت ۱۰۳ جزو]

بنی نوع انسان جو اپنی دنیاوی زندگی بسر کرنے کے راہنما اصولوں اور طریقوں کا ماخذ رسول اعظم و آخر کی زندگی کا ایک ایک لمحہ۔ ایک ایک ساعت نمونہ و مثال قرار دیا جا چکا ہے اور اس کی پیروی کرنا اور اس کے مطابق زندگی کرنا لازمی اور اہم ترین حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن رسول کریم کی زندگی کی پیروی میں زندگی گزار کر صرف وہی لوگ بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اپنی دنیاوی و اخروی زندگی کو پاکیزہ اور مطہر بنا سکتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں کہ جیسا کہ درج ذیل آیت قرآن عظیم میں یاد دہانی کرائی گئی ہے۔

”[اصل یہ ہے کہ اے بنی نوع انسان!] تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت (Career) سنت حسنہ] میں [حیات طیبہ بسر کرنے کا] مثالی و حسین نمونہ ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اللہ [اپنے الہ و رب کی بقاء و حضوری] قرب و رضوان اور جنت] اور یوم آخر] روز جزا و سزا یا نشاۃ ثانیہ] کی توقع و امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ [اپنے معروض حسن و عشق اور پروردگار و مالک] کو یاد کرتا ہے اور اس کے احکام اور اوامر و نواہی کے اظہار و ابلاغ] Expression and communication] کے لئے پوری دلجمی سے سرگرم عمل رہتا ہے“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۲۱]

اللہ تعالیٰ کی یاد دہانی کے حوالے سے مندرجہ ذیل آیت کے ذریعے ایک اور حکم کا مشاہدہ بالحق کیا جاسکتا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اور کثرت کے ساتھ کیا کرو“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۲۱]

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”لہذا تم میرا ذکر کرو“ یعنی تم میری نعمتوں کا اظہار و ابلاغ کرو، مثلاً میرے دین اسلام یا میرے کل حیات انسانی کے نظام کے مادی و معنوی یا دینوی و اخروی فوائد کی تشہیر جمیل کرو، نیز قرآن کے علوم و فنون، قوانین و احکام اور تعلیمات کا اظہار و ابلاغ یا چرچا بھی کرو اور ان کے مطابق زندگی بھی کرو۔ ماسبق آیہ بصیرت افروز کے حوالے سے اس کا مطلب یہ بھی ہے۔ کہ قرآن حکیم کا نظام تعلیم پر لحاظ سے احسن و اکمل ہے اس کو قائم کرو اور احسن طریقہ سے چلاؤ اور دوسری اقوام کو ایسا کرنے کی ترغیب دو اور اس کے لئے کل ذرائع ابلاغ استعمال کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں دوسری اقوام پر فضیلت دوں گا۔ اور وہ تمہارے علم و حکمت، ہنرمندی و قوت، عدل و احسان اور حسن و کردار کی تعریف و توصیف کریں گی۔ اور تمہاری پیروی کرنے میں فخر کریں گے۔

”علاوہ بریں“ میری کل نعمتوں سے مقدر بھر استفادہ کرتے رہنا۔ مثلاً سامعہ، باصرہ اور عقل و فکر کو علم و حکمت، ہنر و فن یا ٹیکنالوجی سیکھنے کے لئے استعمال کرتے، نیز ان کے ذریعے حیات و کائنات کے نظاروں سے جمالیاتی کیف و مسرت حاصل کرتے، اور زمان و مکان کی تسخیر کرتے رہنا علاوہ بریں، علم و ٹیکنالوجی حاصل کر کے دور مار آلات اور ہتھیار ایجاد و اختراع کرتے رہنا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ میرے احکام و قوانین اور تعلیمات کے مطابق حیات طیبہ بھی بسر کرتے رہنا۔ ایسا کرو گے تو میرا شکر ادا کرو گے یہی تشکر و سپاس کا طریقہ ہے۔ لیکن یاد رکھنا، ان نعمتوں کی ناقدری نہ کرنا اور نہ میرے احکام و قوانین اور تعلیمات کی خلاف ورزی ہی کرنا۔“

[البقرہ ۲ آیت ۱۵۲]

اللہ تعالیٰ کی یاد یا اس کے ذکر سے روگردانی کرنا بندہ خدا کو زیب نہیں دیتا نتیجتاً اس طرز عمل کا اسے کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے۔

”لیکن جو شخص میرے ذکر [یعنی کلام یا احکام و ہدایات] سے روگردانی کرے گا تو اس کے نتیجے میں اس پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے گا اور روز قیامت ہم اسے نابینا یا اندھا اٹھالیں گے“

[طہ ۲۰ آیت ۱۲۲]

اللہ خالق کائنات اور اس کی عظیم و منفرد مخلوق کے درمیان ہر وقت رابطہ بندہ کی سعادت و خوش قسمتی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت اور خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے اس لئے اس عمل کی تکرار انسان کے اپنے ہی فائدہ کیلئے ہے تا کہ اس کی دنیا اور آخرت خوشگوار اور حسین و خوبصورت ہو سکے۔

”پس [اے مرد دانا!] اپنے عظمت والے پروردگار و آقا کے نام یعنی اس کی صفات حسنہ کی تسبیح کرو اور یہ اظہار و اعلان کرو کہ وہ ان صفات حسنہ کا منبع و مالک، نیز ان تمام عیوب و نقائص اور کمزوریوں سے منزہ و پاک ہے۔ جو کفار مشرکین اس سے منسوب کرتے ہیں“

[الحافۃ ۶۹ آیت ۵۲]

اپنے محبوب جناب رسول اللہ ﷺ کو متوجہ کر کے اللہ تعالیٰ مالک کائنات ارشاد فرماتا ہے۔

”[اے نبی!] یقیناً دن کے وقت آپ نے بہت زیادہ امور یا کام سرانجام دینے ہوتے ہیں“

”اور اپنے پروردگار اور آقا و مالک کی صفات حسنہ [Most Beautiful and sublime Attribute] کے ساتھ ذکر و تشریح جمیل کر اور [سب سے] الگ ہو کر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو جا [یہی تصور حضوری ہے کہ خیال کی یکسوئی کے ساتھ اس کے ساتھ ہو جانا] یہاں

تک جہت کا تصور بھی نہ رہے]

[المزمل ۷۳ آیات ۷، ۸]

انسان اللہ رب العالمین۔ خالق کائنات کی نعمتوں۔ نوازشوں۔ کرم نوازیوں کا ہر وقت۔ ہر ساعت۔ ہر لمحہ محتاج رہتا ہے۔  
”اے میرے پروردگار! تو مجھے جو نعمت بھی عطا کرے گا میں اُس کا محتاج ہوں۔“

[القصص ۲۸ آیت ۲۴ جزو]

دنیاوی زندگی میں دکھ درد۔ مصائب و تکالیف اور غم و حزن کا سامنا رہنا ایک روایتِ دنیا ہے اس سے نجات کا ذریعہ ذکرِ الہی سے عبارت ہے اور یہی آسودہ اور خوش حال و خوش گوار زندگی کی اساس ہے۔  
”اللہ کی یاد یعنی ذکرِ الہی کے حوالے سے مزید آیات اس طرح ہیں۔

۱۔ اور اپنے خالق و پروردگار اور مالک و حاکم کی حاکمیتِ اعلیٰ کا اعلان کیجئے۔“

[المدرثر ۷۴ آیت ۳]

۲۔ اور اپنے رب کی صفاتِ حسنہ اور نعمتوں، نیز احکام و تعلیمات میں صبح و شام [ہمہ وقت] تفکرِ بالحق، یعنی حکیمانہ غور و فکر کرتے اور اس کی یاد میں لگے رہیں۔“

اور رات کے ایک حصے میں اس کے حضور سر بسجود رہیں اور گئی رات تک اس کی تقدیس و تنزیہ کرتے رہیں۔“

[الدھر ۷۶ آیات ۲۵، ۲۶]

۳۔ پھر جب تم [وقوف کے بعد میدان] عرفات سے اکٹھے ازدھام کی صورت لوٹنے لگو تو مشعرِ حرام یا مزدلفہ میں قیام کے دوران اللہ کا ذکر اس طرح کرو یعنی اس کے احکام و قوانین، تعلیمات، نیز اس کی صفاتِ خُسنہ اور نعمتوں کا ایک دوسرے سے تذکار اس طرح کرو جس طرح

تمہیں سکھایا گیا ہے اور [اللہ کا احسان یاد کرو کہ] اس سے بیشتر تم بھی راہِ راست سے ہٹکے ہوئے لوگوں میں سے تھے۔“

[البقرہ ۲ آیت ۱۹۸ جزو]

اللہ کا ذکر یا یاد نہ کرنے والوں کے بارے میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

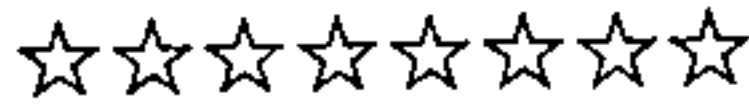
۱۔ اور جو کوئی شخص [ربِّ] رحمن کے ذکر، یاد اور احکام و تعلیمات نیز قوانین سے اعراض و تغافل کرتا ہے تو ہم اُس پر ایک شیطان مُسلط کر دیتے ہیں وہ اُس کا رفیق یا کامریڈ بنا رہتا ہے۔“

[الزخرف ۴۳ آیت ۳۶]

۲۔ [اس کے سبب] شیطان نے اِن [یعنی اللہ اور اُس کے رسول کے مخالفوں اور دین کو جھٹلانے والوں] پر غلبہ پا لیا ہے۔ نتیجہً اُس نے اللہ کی یاد سے انہیں فراموش کر دیا ہے یہ شیطان کی جماعت ہے یا رکھو! شیطان کی جماعت کے لوگ [زیاں کار اور] خسارے میں رہنے والے ہیں۔“

[المجادلہ ۵۸ آیت ۱۹]

اہلِ اسلام کو نصیحت کی جاسکتی ہے کہ وہ یادِ الہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رابطہ استوار رکھیں تاکہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں اپنی رحمت اور نظرِ کرم میں رکھے۔ آمین



## 20

## بندے اللہ کے

یوں تو پہلے انسان کی پیدائش سے لے کر آخری انسان کی وفات تک جتنے بنی نوع انسان اللہ خالق العالمین نے تخلیق کئے یا پیدا کئے یا آئندہ کرئے گا سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی تخلیق کی اسے مناسب، متوازن، ہم آہنگ اور حسین و خوبصورت اور اعلیٰ ترین تخلیقی مہارت سے معرض وجود میں لایا۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا اپنا اپنا ظاہری حلیہ، خدوخال، شکل و شبہت، قد و قامت ہوتا ہے۔ اور باطنی نظام، میں عقائد نظریات، خیالات، جذبات، احساسات رویے اور کردار اہم ہیں۔ ان اوصاف کے مطابق انسان سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں اور وہ ان کی مطابق اچھے یا برے انسان بنتے یا کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ

”[لوگوں کو اس واقعیت سے] آگاہ کر دو۔ کہ ہر شخص اپنے ہی تشکیل کئے ہوئے باطنی قالب یا سانچے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور جو سب سے زیادہ راہ راست پر [گامزن ہوتے] ہیں۔ انہیں تمہارا پروردگار بہت اچھی

”طرح جانتا ہے“

[الاسراء ۷۱ آیت ۸۴]

اور اس حقیقت سے ہر نفس بخوبی واقف ہے کہ اسکی تخلیق کا مقصد کیا ہے یعنی ”اور میں نے جن وانس کو محض اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت [پرستش و بندگی اور طاعت و فرمان برداری] کریں۔ [اور میرے ہی احکام و تعلیمات اور قوانین و ہدایات کے مطابق زندگی کریں۔]“

[الذریٰۃ ۵۱ آیت ۵۶]

اور اس تخلیق اور اس کے مقصد کی تکمیل سے آگاہی حاصل کرنے اور جانچ پرکھ کے لئے ارشاد فرمایا کہ ”وہ [اللہ تعالیٰ] ہی ہے جس نے موت اور زندگی کو ایجاد و تخلیق کیا۔ تاکہ تمہیں [تمہارے اور دوسروں کے لئے] آزما دیکھے کہ تم میں کون زیادہ اعمال صالحہ یا حسین کام کرتے ہیں [اور اس طرح تمہیں اپنی اصلاح کا موقع فراہم کرے] جہاں تک اس کا تعلق ہے وہ تو ہے ہی صاحب سطوت و صولت۔ سیآت مٹانے اور ان سے تحفظ فراہم کرنے والا۔“

[الملک ۶۷ آیات ۲]

ان اور ان جیسی اور بہت سی آیات قرآن مجید کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور رسول اکرم و مکرم کی صفات حسنہ کے مطابق زندگی کرنے والے بندگان خدا ہی اللہ تعالیٰ کے دائرہ پسندیدگی میں آسکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی صفات حسنہ کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی صفت:

”جہاں تک رب عاشق کے مخلص بندوں کا تعلق ہے ان کی ایک اہم صفت یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ زمین میں اکڑ کر نہیں، بلکہ متواضع انسان کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور جب جہالت کے مارے لوگ ان کے منہ آئیں۔ تو سلام



کر کے پیچھا چھڑا لیتے ہیں [لیکن ان سے بحث و تمحیص نہیں کرتے]

[الفرقان ۲۵ آیت ۶۳]

زمین پر اکڑ کر چلنا یعنی تکبر کرنا ایک ایسی عادت مذمومہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے یقیناً اللہ کے نیک بندوں میں ایسی برائی کا ہونا مشکل ہے۔ اسی طرح اللہ کے مخلص بندے ان لوگوں سے تعلقات استوار کرنے اور دوستی کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کہ جن کا طرز کلام بہتر اور شائستہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کا رویہ متوازن اور معتدل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

”دیکھو! زمین پر اترتے ہوئے نہ چلنا۔ بلاشبہ تو زمین کو [پائے استکبار سے] شق نہیں کر سکتا۔ اور نہ کبریائی میں پہاڑوں تک ہی پہنچ سکتا ہے۔“

[الاسراء ۱۷ آیت ۳۷]

”دیکھنا [کہیں نخوت و غرور سے] لوگوں سے منہ نہ موڑنا۔ اور نہ زمین پر اکڑ کر چلنا۔ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کسی شیخی خورے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا“

[لقمن ۳۱ آیت ۱۸]

اللہ تعالیٰ کے خالص بندے یا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے اکڑ کر چلنے یا تکبر اور غرور کرنے کی عادت بد سے اپنے آپ کو محفوظ و پاک رکھتے ہیں اور عجز و انکسار کا رویہ اختیار کئے رکھتے ہیں۔

### دوسری صفت:

اللہ کے مخصوص بندوں کی دوسری صفت کو درج ذیل آیات کریمہ کے ذریعہ اجاگر کیا گیا ہے۔

”[ان کی ایک صفت یہ ہے کہ] ان کی راتیں انتہائی محبت سے نشوونما کرنے والے مالک کے حضور سجود و قیام میں گزرتی ہیں دوسرے لفظوں میں، کبھی اس کی بارگاہ میں عالم درد و سوز اور آرزو مندی میں

دست بستہ کھڑے کھڑے اور کبھی جبیں فرمانی کرتے گزر جاتی ہیں“

[الفرقان ۲۵ آیت ۶۴]

جو لوگ عشق مجازی کا تجربہ رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ان کی زندگی۔ ان کے دن رات، ان کا رہنا سہنا، ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کا چلنا پھرنا، بلکہ ان کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ایک ہی نقطہ پر مرکوز رہتا تھا اور اس کے سوا کوئی اور سوچ، کوئی اور خیال ان کے قریب سے بھی نہ گزرتا تھا۔ اگر اس بیان کو سچ مان لیا جائے تو اور اسے سچ ماننے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں تو عشق حقیقی رکھنے والوں کی کیفیت کسی صورت مندرجہ آیت کریمہ سے مختلف نہیں ہو سکتی ایسے لوگوں کی زندگی قرآن و سنت کی ہدایات، تعلیمات، قوانین و احکام کے عین مطابق ہوتی ہے اور ان کا کردار و اخلاق مثالی ہوتا ہے ان کی صفات مندرجہ ذیل آیات سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے اللہ کے بندوں کے اس عمل کے بارے مزید وضاحت ہوتی ہے۔

”یہی لوگ صبر کرنے والے یعنی مشکلات و مصائب اور خوف و خطر کے حالات میں حوصلہ و ہمت ہارنے، جی چرانے اور راہ فراد اختیار کرنے کی بجائے ثابت قدم رہنے اور ہمت و جوانمردی اور حوصلہ و عزم کا مظاہرہ کرنے والے، قول و فعل کے سچے اور سچی زندگی بسر کرنے والے، بندگان تسلیم و رضا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور آخر شب مغفرت، یعنی گذشتہ گناہوں کی معافی و بخشش اور آئندہ کیلئے اپنی حفاظت کی دعائیں مانگنے والے ہیں“

[آل عمران ۳ آیت ۱۷]

”اصل یہ ہے کہ ہماری آیات یعنی قوانین و احکام اور تعلیمات کو وہی تسلیم بالیقین کرتے ہیں کہ جب انہیں ان کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سر بسجود ہو جاتے ہیں یعنی اللہ کے حضور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف و ستائش کے ساتھ اس کی تنزیہ کرتے ہیں۔ اور اپنی بڑائی میں اس سے اعراض نہیں کرتے“

”ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب کو [اس کے قانون مکافات عمل کا خوف کھاتے ہوئے اور اس کے قانون انعام و فضل کی امید رکھتے ہوئے] پکارتے رہتے ہیں۔ نیز جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے [وہ ہماری راہ میں] اس میں سے خرچ کرتے ہیں“

[السجدہ ۳۲ آیات ۱۵، ۱۶]

### تیسری صفت:

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی تیسری صفت کو مندرجہ آیات مصدقہ کے ذریعے اجاگر کیا گیا ہے۔

”[ان کو آتش دوزخ کے عذاب کی شدت و جادانی کا ایک توحق الیقین ہوتا ہے۔ دوسرے، اپنے رب عاشق کی رحمت سے پایاں کا، اس لئے وہ اس کی پناہ مانگتے رہتے ہیں] اور یہ دعا مانگنا ان کا شعار ہوتا ہے۔ کہ ہمارے رب عاشق ہم سے اپنے قانون فضل کے مطابق جہنم کا عذاب پھیر دے، کیونکہ اس کا عذاب بنیٰ شیبہ جاودانی ہوتا ہے“

”اس [جہنم] میں عارضی پڑاؤ بھی بُرا اور غم انگیز، نیز مستقل رہنے کی جگہ بھی تکلیف دہ ہے یعنی جہنم ٹھہرنے اور رہنے کا بھیانک مقام ہے“

[الفرقان ۲۵ آیات ۶۵، ۶۶]

اللہ تعالیٰ کے بندے ہر وقت اپنے گناہوں کی پردہ پوشی اور ان کی معافی کے لئے گڑگڑاتے رہتے ہیں اور

دوزخ کے عذاب سے نجات کیلئے دُعا کرتے رہتے ہیں۔ درج ذیل آیات ان کی اس صفت کو ظاہر کر رہی ہیں۔

”جو لوگ یہ استدعا کرتے ہیں! ہمارے پروردگار و مالک! ہم ایمان لائے

ہیں [یعنی ہم نے تیری ذات و صفات، تیرے رسول ﷺ و قرآن اور دین

اسلام کو دل و جان سے تسلیم کر لیا ہے] لہذا ہماری خطاؤں اور

گناہوں سے درگزر اور ان کی پردہ پوشی فرما اور ان کو بخش دے اور

ہمیں دنیا من خوف و خطر اور غم و اندوہ کی آگ اور آخرت میں آتش جہنم کے عذاب یا کرب سے محفوظ و مصئون رکھنا“

[آل عمران ۳ آیت ۱۶]

مزید فرمایا گیا۔

”انہیں افراد نسل انسانی میں وہ [خوش نصیب اہل آرزو و خشیت] بھی ہیں جو یہ دعا مانگتے رہتے ہیں! اے ہمارے پروردگار و مالک! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ [یعنی اپنی رحمت و مغفرت اور ہر طمانیت بخش و مسرت انگیز نعمت] عطا فرما؛ اور دوسرے جہان میں بھی ہمیں حسنہ [یعنی جنت قرۃ العین اور اس کی ہر سرور انگیز نعمت] سے نوازنا؛ اور ہمیں [دنیا میں آتش خوف و حزن اور آخرت میں] آتش جہنم کی اذیتوں سے محفوظ رکھنا“

[البقرہ ۲ آیت ۲۰۱]

چوتھی صفت:

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی چوتھی صفت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی یا مال و دولت کو اعتدال سے خرچ کرتے ہیں نہ تو وہ فضول خرچی میں مال و دولت کو ضائع کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل آیت نصیحت آموز میں بیان ہوا ہے۔

”اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اللے تلے کرتے ہیں یعنی فضول و بے جا خرچ، اور نہ بخل و کنجوسی ہی کرتے ہیں، بلکہ ان [دو انتہائوں] کے درمیان اعتدال سے خرچ کرتے ہیں“

[الفرقان ۲۵ آیت ۶۷]

مال و دولت انسانی زندگی کو رواں دواں رکھنے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی کمی تنگ دستی اور غربت کا باعث بنتی ہے اور روزمرہ کے معمولات میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی زیادتی یا تو فضول خرچی کو جنم

دیتی ہے۔ یا حرص و بخل کا سبب بنتا ہے یہ دونوں عوامل کسی صورت مناسب نہیں۔ کیونکہ ان کے نتائج کسی صورت بھی خوشگوار ثابت نہیں ہوتے۔ اسی لئے اعتدال کو روزمرہ کی عادات میں شامل کرنے کو پسند کیا گیا ہے تاکہ زندگی کا رخ مثبت ہو سکے۔

### پانچویں صفت:

”اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور [خود ساختہ] الہ [معبود و خدا] کو نہیں پکارتے۔ اور اس متنفس کو ہلاک نہیں کرتے جس کا قتل اللہ نے حرام یا ممنوع کر دیا ہے۔ مگر قانون الہی کے مطابق۔ اور وہ جنسی بد فعلی [زنا] بھی نہیں کرتے۔ اور جو کوئی یہ فعل کرتا ہے۔ وہ اس گناہ کی سزا پائے گا“ یعنی اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا“

”قیامت کے دن اسے دو چند عذاب ملے گا۔ اور اس میں وہ

ہمیشہ ذلیل و خوار پڑا رہے گا“

[الفرقان ۲۵ آیات ۶۸، ۶۹]

اس آیت مبارکہ میں اللہ کے بندوں کے مندرجہ ذیل اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور جنس کو اپنا معبود یا الہ بننے کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتے ہیں۔

۲۔ وہ کسی شخص کو ناجائز ہلاک نہیں کرتے سوائے ان کو کہ جس کو اللہ نے جائز قرار دے رکھا ہے۔

۳۔ وہ جنسی بد فعلی یعنی زنا وغیرہ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے اور اپنے آپ کو ان جیسی قباحتوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

البتہ اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ جو اس عمل خبیثہ میں اپنے آپ کو ملوث کرے گا وہ سزا کا مستحق قرار پائے گا اور آخرت میں دو گنا عذاب پائے گا اور ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

ایسے گنہگار افراد معاشرہ کی نجات کا ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ:

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی کے طلب گار ہوں اور توبہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع

کریں۔

۲۔ وہ صدق دل سے آئندہ ایسے گناہوں سے باز رہنے کا اقرار کریں۔

۳۔ اور اعمال صالح کو اپنی زندگی سے پیوست کر لیں اور اس سے کبھی بھی انحراف نہ کریں۔

درج ذیل آیات قرآن فرقان حمید اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

”ہاں! اس سے متشینی وہ لوگ ہیں جو توبہ کرتے ہیں [یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور بصمیم قلب جرم و گناہ سے باز رہنے کا عزم و اقرار کرتے ہیں] اور حسن عمل کرتے ہیں ایسے لوگوں کی سیات یا برائیوں کو اللہ حسنات یا نیکیوں میں بدل دے گا۔ اللہ سرہیات کو محو کرنے، بخشنے اور حفاظت کرنے والا۔ نہایت رحم و کرم کرنے اور بار بار گناہ معاف کرنے والا ہے“

”اور جو کوئی [سچی] توبہ کرتا یعنی اللہ کی طرف رجوع کرتا اور حسن عمل کرتا ہے۔ تو وہی حقیقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے [جیسا کہ رجوع کرنے کا حق ہے]

[الفرقان ۲۵ آیات ۷۰، ۷۱]

### مزید صفات:

اللہ کے بندوں کی مزید صفات کا ذکر مندرجہ آیات کریمہ میں کیا گیا ہے۔

”[رب رحمن کے بندے وہ ہیں] جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے یعنی جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے! اور جب ان کا گزر یہ ہودہ بات یا چیز پر ہو تو بڑے وقار اور شریفانہ طور سے گزر جاتے ہیں“

”اور جب انہیں ان کے رب کی آیات [احکام و تعلیمات اور قوانین و شیئوں] کے ذریعے پند و نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے [بلکہ احکام کو سنتے] ان پر غور و فکر کرتے اور پھر

عمل کرتے ہیں۔“

[الفرقان ۲۵ آیات ۷۲، ۷۳]

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے ایمان کی مضبوطی اور اخلاق و کردار کی پختگی کا اظہار مندرجہ بالا آیات مقدسہ سے واضح ہے۔ گرد و پیش کے دباؤ کے باوجود جھوٹی گواہی نہ دینا اور سچائی پر قائم رہنا بہت بڑے حوصلہ کا کام ہے اور یہ صرف ان لوگوں کا کام ہے جن کو اللہ پر انتہائی پختہ ایمان اور رسول اکرم و مکرم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنے پر پورا یقین ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا جب غیر معیاری۔ کم عقل اور غلط قسم کے افراد معاشرہ سے آمناسا منا ہوتا ہے تو وہ ان کی بہودہ گفتگو اور بری حرکات و سکنات پر الجھنے کی بجائے خوش اسلوبی اور شائستگی سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔ جو بڑی ہمت کا کام ہے۔ ان آیات میں ان کی یہ صفت بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین پر جب ان تک پہنچتے ہیں ان کے تمام پہلوں پر غور و فکر کرنے اور یقین کی پختگی کے بعد پورے وثوق سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اللہ کے بندے اپنی دنیاوی زندگی کو خوشگوار، پر امن و پرسکون بنانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح دعا گو رہتے ہیں۔

”اور جو یہ دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے قلب و جان کی مسرت انگیز ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں اپنے اہل آرزو و خشوع بندوں [متقیوں] کا امام بنا“

[الفرقان ۲۵ آیت ۷۴]

ان حسین اور صالح اعمال کے عوض وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن انعام و اکرام کے حق دار قرار پاتے ہیں ان کا ذکر ان قرآنی آیات میں بتایا گیا ہے۔

”یہ ہیں رب رحمن کے بندے، جن کو ثابت قدم رہنے کے صلے میں ارفع یعنی بلند مقامات دیے جائیں گے اور وہاں ان کی پذیرائی دعا و سلام کے ساتھ کی جائے گی یا ان پر حیات ابدی و سلامتی ارزائی کی جائے گی“

”وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ بڑا ہی حسین مستقر [آرام اور

پڑاؤ کرنے کی حسین جگہ [اور مقام ہے“

[الفرقان ۲۵ آیات ۷۵، ۷۶]

رحمان کے بندوں کی مزید صفات اس طرح ہیں۔

یہ افراد اسلام چونکہ اپنے دین حق کے قوانین و احکام اور ہدایات و تعلیمات پر پختہ یقین رکھتے ہیں اس لئے وہ ان پر عمل پیرا ہونے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتے اور اپنے فرائض کی ادائیگی نیک نیتی، تحمل و صدق اور خشوع و خضوع سے کرتے ہیں۔ ان کی الصلوٰۃ کا معیار انتہائی بلند اور حقیقت سے قریب ترین ہوتا ہے۔ جس میں ریاکاری کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

”جو اپنی صلوٰۃ یا نماز میں پیکر عجز و نیاز بنے رہتے ہیں“

[المومنون ۲۳ آیت ۲]

”مومنوں کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی ایک تو وہ پنج وقت باجماعت صلوٰۃ قائم کرنے میں بڑے محتاط ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ صلوٰۃ کے تمام فرائض اور تقاضے پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی قرآن حکیم کی نظر میں حقیقی مصلین یا نمازی ہوتے ہیں“

[المومنون ۲۳ آیت ۹]

ایسے مومن اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بے سہارا اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں اور نظام زکوٰۃ کو قائم کرنے کی تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں۔

”اور وہ نظام زکوٰۃ کے قیام و بقاء اور احسن طریقے سے چلانے کے سلسلے میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں“

[المومنون ۲۳ آیت ۳]

”اور جو اللہ کی محبت [اور اس کے قرب و رضوان کی آرزو] میں محتاج بے سہارا اور بے یار و مددگار [یتیم] اور قیدی کو کھانا کھلاتے



یعنی ایسے لوگوں کی کفالت کرتے ہیں“

[الدھر ۶۷ آیت ۸]

اللہ کے خاص بندے وعدوں کو وفا کرنے میں پوری احتیاط برتتے ہیں اور وعدہ خلافی کے قریب نہیں پہنچتے۔ علاوہ وہ امانتوں کو مقررہ طریقہ کار کے مطابق سنبھالے رکھتے ہیں اور طلب کرنے پر بغیر کسی رد و بدل اور کمی بیشی اصل مالک کے حوالے کر دیتے ہیں اللہ کے بندے انتہائی ایمان دار اور انتہائی دیانت دار ہوتے ہیں۔

”علاوہ بریں‘ اپنی امانتوں [Trusts] اور وعدوں [Pledges] کا پاس و احترام کرنا‘ ان کا شعار ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر‘ وہ نہ تو امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اور نہ وعدہ خلافی ہی کرتے ہیں“

[المومنون ۲۳ آیت ۸]

ایسے اللہ کے بندوں کے بارے ارشاد ہے۔

”وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو تمہیں اپنی رحمت و نصرت سے نوازتا رہتا ہے۔ اور اس کے فرشتے تمہارے لئے [رحمت و نصرت کی] دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ تمہیں [شرك و ضلالت کے] اندھیروں سے نکال کر [ایمان و توحید کی] روشنی میں لے آئے اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت رحم و کرم کرنے والا ہے“

[الاحزاب ۳۳ آیت ۴۳]

”یہ شك جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب [یعنی رازق و پروردگار] حاجت روا و کارساز‘ مستجیب الدعوات و مالک] ہے‘ اور پھر وہ اس [اپنے قول و عقیدے] پر ہر حال میں ثابت قدم اور قائم و دائم رہے [اور اس توحید ربوبیت کے مطابق زندگی کی] اور انہوں نے غیر اللہ کو اپنا رازق و داتا‘ غوث و دستگیر‘ مددگار و مولیٰ‘ حافظ و ناصر‘ کارساز و حاجت روا اور سمیع و مجیب الدعوات سمجھا‘ نہ مانا [تو] اس کے نتیجے میں [یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے

ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم ہی کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا [ اور خوش خبری دی گئی ] ہے

[حکم السجدہ ۲۱ آیت ۳۰]

مندرجہ آیات مقدسہ اللہ کے خاص بندوں کے اوصاف حمیدہ کو مزید اجاگر کر رہی ہیں۔ ان آیات قرآنی پر غور کرنا اس حقیقت کو عیاں کرنے میں مددگار ہے کہ اللہ کے بندوں کی زندگی ان کی اپنی خواہشات و ضروریات کی تکمیل سے سروکار نہیں رکھتی۔ بلکہ ان کا تن من، جان و مال، نظریات و عقائد اور تمنّات و جذبات اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکامات اور تعلیمات و ہدایات پر عمل کرنا اور قربان کرنے سے وابستہ ہوتا ہے اور ان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نصرت حاصل کرنے کی خاطر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو سپرد کر دیتے ہیں۔

”یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جنت [قرۃ العین] دینے کے عوض ان کے جسم و جان اور مال و منال خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے نظام اسلام اور اس کے ماننے والوں کی حفاظت کی خاطر دشمنوں سے) لڑتے، ان کو قتل کرتے اور خود بھی شہید ہوتے ہیں۔ یہ سچا وعدہ ہے جسے وفا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اس کا ذکر تورات، انجیل اور قرآن میں ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا وعدہ وفا کرنے والا ہو؟ [یعنی نہیں ہے] لہذا اس سوئے پر جو تم نے اس سے کیا ہے خوشیاں مناؤ۔ اس لئے کہ یہ تمہارے لئے بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے“

[مومنوں کے خصائل یہ ہیں] وہ

- ۱۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کیلئے رجوع کرتے رہتے ہیں۔
- ۲۔ اس کے قوانین و احکام اور تعلیمات پر عمل کرتے یا ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔
- ۳۔ اس کے حسن و عشق، یعنی اس کی صفات حسنہ، جمالیاتی تخلیقی

فعلیت، احکام و قوانین اور تعلیمات کی غیر معمولی افادیت و اہمیت کی تعریف و ستائش میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

۴۔ سیاحت بالحق کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اقوام عالم کے عروج و زوال کے عوامل و محرکات کی معلومات حاصل کرنے۔ آثار قدیمہ سے عبرت پکڑنے اور رب کریم کے جمالیاتی۔ تخلیقی شاہکاروں کا جمالیاتی مشاہدہ کرنے اور ترقی یافتہ اقوام سے نوینو علوم و فنون، یعنی جدید سائنسی ٹیکنالوجی سیکھنے کے لئے ملک ملک کی سیاحت کرتے ہیں۔

۵۔ رکوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ نیز اس کے احکام و تعلیمات کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ لیکن یست و لعل کرتے ہیں۔ نہ حجت بازی۔

۶۔ سجدہ کرتے ہیں۔ صلوة قائم کرتے ہیں۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حاکم و فرمان روا سمجھتے اور اس کی کبریائی کو عملاً تسلیم کرتے ہیں۔

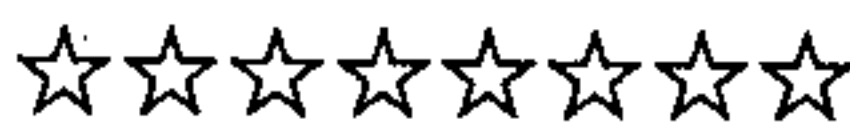
۷۔ خیر و حسنہ اور احسان و برکی تلقین و تاکید کرتے ہیں۔

۸۔ شر و سیئہ اور بخل و فواحش سے منع کرتے ہیں۔

۹۔ اور اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ان کے اندر رہتے ہیں۔ لیکن ان سے تجاوز نہیں کرتے“

[میرے نبی ﷺ! ہر زمان و مکان کے] مومنوں کو [دینوی و اخروی حسنہ کی] نوید جانفرا دے دو۔

[التوبة ۹ آیات ۱۱۱، ۱۱۲]



## 21

## توبہ و دُعا

اقتدار کی کش مکش میں ملائکہ (فرشتے) حالات و واقعات کی نزاکت اور حقیقت کا ادراک حاصل کرنے پر اس دوڑ سے دستبردار ہو چکے تھے۔ لیکن ابلیس یعنی حزب الشیطان اپنی ہٹ دھرمی ضد، تکبر، غرور اور حسد اور اپنی غیر حقیقی اور مصنوعی برتری کے زعم میں اس میں پوری طرح الجھ کر اللہ بزرگ و برتر کی حکم عدولی کر کے اپنے تمام اعزازات سے محروم کر دیا گیا۔ اور اپنے معمولات سے معطل اور برطرف ہو چکا۔ اور ندامت اور انکساری اختیار کرنے کی بجائے انسان خلیفۃ فی الارض سے برسر پیکار ہو گیا اور اس سے مقابلہ پر اتر آیا اور کہنے لگا۔

”ابلیس بولا: پروردگار! بدیں وجہ کہ تو نے مجھے [عمداً] غچا دیا ہے‘ میں اب زمین [یعنی دنیا] میں بنی نوع انسان کو [ان کے مشرکانہ عقائد و رسوم، اعمال سؤ، غیر فطری و قبیح اور حرام خواہشات و اشیاء الغرض سیات کو اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے] حسین بنا کر دکھاؤں گا اور اس طرح ان سب کو ورغلا کر [Seduce]

گمراہ کروں گا“

[الحجر ۱۵ آیت ۳۹]

اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے

”اس پر ابلیس بولا: جس طرح تو نے مجھے غچا دے کر گمراہ کیا ہے، میں بھی [انتقام کے طور پر] بنی نوع انسان کو ورغلانے کیلئے جنت کو جانیوالی راہ راست پر گھات لگائے رہوں گا“

”پھر میں [ان کو ورغلانے کیلئے] ان کے آگے پیچھے سے، دائیں اور بائیں [الغرض ہر طرف سے] ان کے پاس آؤں گا؟ اور تو ان میں بہتوں کو [اپنی نعمتوں کا] شکر گزار نہیں پائے گا“

انسانوں کے خلاف بغض اور حسد کی آگ میں جھلتے ہوئے ابلیس اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مخاطب

ہو چکا تھا۔

”[ابلیس نے چیلنج کے طور پر] کہا۔ مجھے روز نشاة ثانیہ، یعنی انسانوں کے دوبارہ زندہ اٹھنے کے روز تک [Respite] دے [پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں]

[الاعراف ۷ آیت ۱۲]

اس کے جواب میں

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے“

[الاعراف ۷ آیت ۱۵]

اس دن سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر دنیا میں زندگی کے آخری دن تک ابلیس شیطان اعظم اپنے کثیر اور منظم شیطانی گروہ سمیت انسانی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو ورغلانے میں مصروف ہے اور رہے گا وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین اور تعلیمات و ہدایات کے خلاف اکساتا جا رہا ہے۔ اور انہیں راہ ہدایت سے بھٹکانے میں لگا ہوا ہے۔ اس کی فریب کاری کے جھانسنے میں آکر انسانوں کی اکثریت اس کی ہم نوا ہو چکی ہے جس کے نتیجہ

میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم ہونے کی بجائے شیطان نما انسانوں کی حکمرانی زوروں پر ہے۔

اس قسم کی حکمرانی معاشرتی اور معاشی برائیوں کو روکنے کی بجائے ان کی ترقی میں مدد و معاون کا کردار ادا کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنا ایک معمول بن جاتا ہے اور اس پر کسی کو نہ تو احساس ندامت ہوتا ہے اور نہ افسوس۔ اور اس طرح ہر قسم کی چھوٹی بڑی برائی پھیلتے پھیلتے وبائی شکل اختیار کر کے معاشرتی پاکیزگی، صفائی اور طہارت کو نابود کر دیتی ہے جس کی وجہ سے عوام الناس کا سکون اور اطمینان برباد ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔

برائی جب اپنی انتہائی بلندی کو چھوتی ہے۔ ظلم و ستم اپنے عروج پر ہوتا ہے عدل و انصاف بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی عزت و ناموس بے حجاب ہو جاتی ہے۔ تو نیک انسانوں میں ان تمام عوامل کے خلاف نفرت پیدا ہو جانا ایک فطرتی عمل ہے۔ کیونکہ شیطان سرشت انسان اپنے تکبر، غرور، فساد، حسد اور تخریبی طبیعت رکھنے کی وجہ سے ایسے ماحول کو پسند کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں جبکہ حق سرشت انسان اپنے عجز اور انکساری طبیعت کے باعث اللہ کی پناہ کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ اپنے بد اعمال پر پچھتاتے ہیں ندامت محسوس کرتے ہیں اپنی بد حرکات پر افسوس کرتے ہیں اور کوئی ایسا بے لوث، ہمدرد اور طاقتور سہارے کی تلاش کرتے ہیں کہ جو ان کو پناہ دے سکے ان کے گناہوں کی تلافی کرا سکے۔ اور ان کو دوبارہ پرسکون اور اطمینان بخش زندگی لوٹا سکے۔ یہ خواہش مجموعی طور پر بھی دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی ہے اور انفرادی طور پر ہر ذہن پر چھا جاتی ہے۔ اور نجات کی تلاش میں رہتی ہے۔ معاشرہ کا ہر حق پرست فرد اسی لگن میں لگن ہو جاتا ہے۔

جن افراد معاشرہ میں ذرہ برابر بھی خوف خدا ہوتا ہے یا وہ برائی کے منفی اثرات سے آگاہ ہوتے ہیں جب ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے یا ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ تو وہ ایک انجانے خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کو اپنے کئے پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ ندامت کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی حرکت پر پچھتاتے ہیں اور پشیمان و پریشان رہتے ہیں آخر کار ان کی یہ بے چینی ان کو توبہ کرنے۔ معافی مانگنے اور معذرت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ پھر دل کی گہرائی سے دعا کرتے ہیں۔ آہ و زاری کرتے ہیں گڑ گڑاتے ہیں۔ تاکہ ان کا دامن دوبارہ صاف و شفاف ہو سکے۔

وہ پھر پکارا ٹھتے ہیں کہ:

”پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو ہماری مغفرت نہیں

فرمائے گا، یعنی ہمارے گناہ کے اثرات [سیآت] کو محو نہیں کرے گا اور ہم پر تو ترس کھا کر ہمیں اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا تو ہم [باعتبار حسنات] گھاٹے میں پڑ جائیں گے [یعنی اہل تار بن جائیں گے] [الاعراف ۷ آیت ۲۳]

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ

”لیکن جو لوگ توبہ کریں، یعنی ظلم و جرم کے ارتکاب پر نادم ہو کر ان سے باز رہنے کے عزم مصمم کے ساتھ مجھ سے مغفرت کیلئے رجوع کریں، اور ایمان لائیں، نیز عدل و احسان، اصلاح و توازن آفرینی اور فلاح و بہبود کے کام کریں، پھر راہ راست بھی اختیار کریں تو میں ان کیلئے نہایت مغفرت کرنے یعنی ان کی سیآت محو کرنے اور ان سے ان کو تحفظ فراہم کرنے والا ہوں“

[طہ ۲۰ آیت ۸۲]

ایک دوسری آیت قرآنی اس طرح ہے۔

”مگر جو لوگ توبہ کریں، یعنی نادم و پشیمان ہو کر ایسے کاموں سے باز رہنے کے عزم بالجزم کے ساتھ اللہ سے رجوع کریں؛ پھر ایمان لائیں اور عدل و احسان اور اصلاح و فلاح کے امور سرانجام دیں تو ایسے لوگ [اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات عمل اور قانون احترام آرزو کے مطابق] باغ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان سے قطعاً نا انصافی نہ ہوگی“

[مریم ۱۹ آیت ۶۰]

جب کوئی شخص اپنے جرم، غلط کام، ناجائز عمل، غیر معیاری حرکت۔ کسی دوسرے سے زیادتی، گناہ وغیرہ کا اعتراف و اقرار کر لیتا ہے اور اس پر نادم و پشیمان ہوتا ہے اسے اپنے گناہ پر پریشانی لاحق ہو جاتی ہے اور جب اسے کوئی اور

سہارا اور مددگار نہیں ملتا، توبہ وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے اور اپنے گناہ کی معافی کے لئے دعا کرتا ہے تو اللہ جو رحیم، کریم اور غفار بھی ہے۔ اس پر شفقت کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے۔

”اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے، ان کی سیئات کو محو کرتا [اور ان سے محفوظ رکھتا] ہے اور [اے لوگو! وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو“

”اور وہ حسن ایمان و حسن عمل کرنے والوں کی دعائیں سنتا ہے۔ اور [اپنے قانون انعام و فضل کے مطابق] اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لئے [قانون مجازات کی رو سے] ذلت و سکنت اور محرومی و حسرت کی [انتہائی شدید ادیتیں ہیں“

[الشوریٰ ۴۲ آیات ۲۵، ۲۶]

توبہ دراصل اپنی غلط و غیر معیاری و غیر قانونی حرکات و سکنات اور اعمال و افعال کا اقرار اور ان پر اظہار ندامت و پشیمانی اور ان کے نہ دہرانے کا پختہ عہد اور آئندہ ان سے باز رہنے کا دل و زبان سے پکا اقرار ہے اور ان سے نجات حاصل کرنے ان کے برے اثرات سے ازالہ۔ ان کی سزا سے معافی کی استدعا و آہ زاری دعا ہے جو صرف اور صرف اللہ رب العزت۔ مجیب الدعوت سے ہی کی جاسکتی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

”[لوگو! اپنے پروردگار و آقا سے درد مندی و آرزو مندی کے ساتھ تنہائی میں دعا مانگا کرو] کہ یہی دعا مانگنے کا سچا طریقہ ہے [یاد رکھو! اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“

[الاعراف ۷ آیت ۵۵]

”[اے انسان! اپنے پروردگار و آقا] کی صفات و تعلیمات اور احکام و قوانین [کو صبح و شام دل ہی دل میں جذبہ قبولیت حق اور] قانون مکافات عمل [کے خوف کے ساتھ بغیر آواز نکالے یاد اور ان میں تفکر بالحق کیا کرو اور ان کی طرح نہ ہو جانا جو ان سے بے پرواہ



[ Negligent ] ہیں۔“

[ الاعراف ۷ آیت ۲۰۵ ]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے حضور توبہ کرو، خالص اور سچی توبہ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرو، سخت نادم و پشیمان دل اور اس عزم کے ساتھ رجوع کرو کہ تم پھر کبھی ظلم و گناہ نہیں کرو گے۔ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار و آقا تمہاری سیات یعنی گناہوں کے قبیح و غم انگیز اثرات کو محو کر دے گا اور تم کو ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوگی [ یہ وہ روز ہوگا ] جس روز اللہ اپنے نبی ﷺ اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگ آگے [ سامنے ] اور داہنے جانب تیزی سے رواں دواں ہوگا۔ وہ دعا کریں گے: اے ہمارے ربی و مالک ہمارے [ حسی، قلبی، نفسی، نظام کے ] نور کی ہمارے لئے تکمیل کر دے۔ اور [ خطا و نسیان، ظلم و تغافل اور جرم و گناہ وغیرہ وغیرہ سے ] ہماری مغفرت اور حفاظت فرما۔ تو ہر شے اور اس کے کرنے پر قدرت کاملہ رکھنے والا ہے“

[ التحریم ۲۶ آیت ۸ ]

ارادہ و اختیار بنی نوع انسان کا مقدر ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی تمام خواہشات کی تکمیل سے قاصر رہتا ہے۔ جس کے لئے اسے کسی مددگار اور سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اللہ رب کائنات نے انسانوں کو بے سہارا اور بے مددگار نہیں چھوڑا اور انہی اپنی کوتاہیوں کے ازالہ کے لئے توبہ کا راستہ بتایا اور اپنی جائز و نفیس خواہشات کی تکمیل کے لئے اللہ مجیب الدعوات کے حضور دعا کی ترغیب دی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پارسا نفوس کی وساطت سے دعائیں سکھانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ جن کی تقلید میں عوام الناس اپنی دعائیں اللہ کے حضور پیش کر سکتے ہیں قرآن پاک میں سے صرف چند دعائیں کو آسانی کی خاطر نقل کیا جا رہا ہے۔ تلاوت قرآن مجید کے دوران اللہ تعالیٰ مقرب بندوں کے حوالے

سے مختلف سیاق و سباق میں دعائیں نظر آتی ہیں ان پر غور و فکر سے نئی رائیں کھلتی ہیں۔

۱۔ ”اے ہمارے پروردگار و مالک! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ [یعنی اپنی رحمت و مغفرت اور ہر طمانیت بخش و مسرت انگیز نعمت] عطا فرما: اور دوسرے جہاں میں بھی ہمیں حسنہ [یعنی قرۃ العین اور اس کی ہر سرور انگیز نعمت] سے نوازا اور ہمیں [دنیا میں آتش خوف و حزن اور آخرت میں] آتش جہنم کی اذیتوں سے محفوظ رکھنا“

[البقرہ ۲ آیت ۲۰۱]

۲۔ ”ہمارے پروردگار و آقا! ہمیں صبر یعنی قوت برداشت و حوصلہ مندی مرحمت فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھنا اور کافروں پر ہمیں فتح دینا“

[البقرہ ۲ آیت ۲۵۰]

۳۔ ”اے ہمارے پروردگار و مالک! اگر [تیرے احکام] ہم بھول جائیں یا ہم [قومی اور انسانی مفاد کے خلاف] کوئی غلط اقدام کریں۔ تو تیرا قانون مجازات ہمارا فوزی مواخذہ نہ کرے [بلکہ ہمیں تلافی مافات کرنے کی مہلت دے“

اے ہمارے پروردگار! اور ایسا نہ ہو کہ ہم [اپنی بعض کمزوریوں کے سبب] اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا نہ سکیں۔ [اور ہمارا انجام بھی ایسا ہو جیسا] ہم سے پہلی اقوام کا انجام بد ہوا تھا۔ جنہوں نے [دیدہ دانستہ] اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ نہ اٹھایا [اور ہلاک و برباد ہو گئیں]

اے ہمارے پروردگار! اور ایسا نہ ہونے دینا کہ ہم اپنے اندر اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی سکت محسوس نہ کریں۔ [اگر ایسا ہو تو ہمیں قوت برداشت دینا] اور ہم سے درگزر کرنا اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرنا اور ہمیں تحفظ فراہم کرنا، اور ہمیں مرحمت و رحمت سے نوازا۔ [اس لئے کہ] تو ہمارا سرپرست و کارساز ہے۔ لہذا

اسلام کے نظام حیات کلی کے منکروں پر ہمیں نصرت و فتح دینا“

[البقرہ ۲ آیت ۲۸۶]

۴۔ ”ہمارے پروردگار و مالک! ہم ایمان لائے ہیں [یعنی ہم نے تیری ذات و صفات تیرے رسول و قرآن اور دین اسلام کو دل و جان سے تسلیم کر لیا ہے] لہذا ہماری خطاؤں اور گناہوں سے درگزر اور ان کی پردہ پوشی فرما اور ان کو بخش دے اور ہمیں دنیا میں خوف و خطر اور غم و اندوہ کی آگ اور آخرت میں آتش جہنم کے عذاب یا کرب سے محفوظ و مصئون رکھنا“

[آل عمران ۳ آیت ۱۶]

۵۔ ”ہمارے پروردگار و مالک! ہماری لغزشوں، فزو گذشتوں اور ان زیادتیوں کو جو ہم نے اپنے فرائض و وظائف میں کی ہیں۔ نظر انداز اور ان کی پردہ پوشی فرما۔ اور ہمیں ثابت قدم و حوصلہ مند رکھ۔ اور منکران اسلام پر ہمیں غلبہ و فتح عنایت فرما“

[آل عمران ۳ آیت ۱۷۷]

۶۔ ”پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو ہماری مغفرت نہیں فرمائے گا۔ یعنی ہمارے گناہ کے اثرات [سیآت] کو محو نہیں کرے گا اور ہم پر ترس کھا کر ہمیں اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا تو ہم [باعتبار حسنات] گھاٹے میں پڑ جائیں گے [یعنی اہل نار بن جائیں گے]

[الاعراف ۷ آیت ۲۳]

۷۔ ”اے ہمارے پروردگار و آقا! ہمیں صبر یعنی قوت برداشت و استقامت اور حوصلہ و شکیبائی سے معمور کر دے اور ہمیں مسلمان مارنا یعنی دنیا سے اس حال میں اٹھانا کہ ہم تیرے بندگان تسلیم و رضا ہوں“

[الاعراف ۷ آیت ۱۲۶]

۸۔ ”پروردگار! تو اپنی رحمت سے [ہمیں ظلم روا رکھنے والوں کے جو رو ستم کا تختہ مشق نہ بننے دینا“

”اور ہمیں اپنی رحمت سے یعنی اپنے قانون احسان و فضل سے کافروں یا تیرے نظام حیات کلی کو ماننے سے انکار کرنے والے ہم کیش لوگوں [کے طوق غلامی] سے رہائی دلا“

[یونس ۱۰ آیات ۸۵، ۸۶]

۹۔ پروردگار! مجھے نظام صلوة قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی لوگوں کو ایسا بنا! بار الہی میری آرزو قبول فرمانا“

”پروردگار! اس روز جب حساب بیباق کیا جائے گا“ میری اور میرے والدین کی، نیز ان سب کی جنہوں نے تیرے نظام اسلام کو تسلیم بالیقین کیا ہے، مغفرت فرمانا یعنی ہم سب کی سئیات محو کر کے ہمیں بخش دینا“

[ابراہیم ۱۴ آیات ۴۰، ۴۱]

۱۰۔ [پروردگار! مجھے عزت و تکریم کے ساتھ داخل کرنا اور عزت و تکریم کے ساتھ نکالنا نیز اپنے فضل سے مجھے نصرت دینے والی قوت نافذہ عطا فرمانا“

[الاسراء ۷۷ آیت ۸۰]

۱۱۔ ”پروردگار! تو اپنی جناب سے [یعنی اپنے قانون فضل و کرم کے مطابق] رحمت یعنی دینوی و اخروی حسنہ سے ہمیں نواز اور ہمارے کام میں ہماری رہنمائی فرما“

[الکھف ۱۸ آیت ۱۰]

۱۲۔ ”پروردگار! میری شخصیت میں علم سے وسعت و رفعت پیدا کر دے [یا

مجھے علم کی قوت زیادہ سے زیادہ عطا کرتے رہنا“

[طہ ۲۰ آیت ۱۴]

۱۳۔ ”میں مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ اور تو سب سے بڑھ کر ترس کھانے، دلدردور کرنے اور رجوع برحمت کرنے والا ہے“

[الانبیاء ۲۱ آیت ۸۳]

۱۴۔ ”پروردگار! میری مدد فرما“ کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے“

[المومنون ۲۳ آیت ۲۶ یا ۳۹]

۱۵۔ ”پروردگار! میں شیطانوں کی ترغیبات و تحریکات سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں“

”نیز میرے رب! میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں“

[المومنون ۲۳ آیات ۹۷، ۹۸]

۱۶۔ ”ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ یعنی تیرے نظام حیات

کلی [دین] کو تسلیم بالیقین کر لیا ہے۔ لہذا اب ہماری مغفرت فرما۔ یعنی

ہماری سئیات محو کر دے اور ان سے ہماری حفاظت فرما“ اور ہم پر

ترس کھا اور جرم و گناہ سے درگزر فرما۔ اور ہم سے رجوع برحمت

فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے“

[المومنون ۲۳ آیت ۱۰۹]

۱۷۔ ”میرے پروردگار! میری سئیات مٹا دے۔ اور ان سے میری حفاظت فرما۔

اور مجھ سے رجوع برحمت فرما کہ تو کل رحم کرنے والوں میں خوب

ترین ہے“

[المومنون ۲۳ آیت ۱۱۸]

۱۸۔ ”اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے قلب و جان کی مسرت

انگیز ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں اہل آرزو و خشوع بندوں کا امام یا قائد

رہنا“

[الفرقان ۲۵ آیت ۷۴]

۱۹۔ ”اے میرے رب! مجھے علم و حکمت عطا کر، اور مجھے محسنین و صالحین میں شامل کر“

[الشعراء ۲۶ آیت ۸۳]

۲۰۔ ”اے میرے رب! مجھے ان ظالموں سے نجات دے“

[القصص ۲۸ آیت ۲۱]

۲۱۔ ”اے میرے پروردگار! تو مجھے جو نعمت بھی عطا کرے گا میں اس کا محتاج ہوں“

[القصص ۲۸ آیت ۲۲]

۲۲۔ ”اے میرے پروردگار و مالک! مجھے ایک صالح بیٹا عطا کر“

[الصف ۳۷ آیت ۱۰۰]

۲۳۔ ”اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا۔ اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرنا اور ہمیں تحفظ فراہم کرنا، بے شک تو جلیل و مقتدر۔ دانائے کل بھی ہے اور حکمت کا رو حکمت آموز بھی“

[الہمت ۶۰ آیت ۵]

۲۴۔ ”میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے۔ اور ہماری حفاظت فرما؛ اور [ان کو بھی] جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوئے اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بھی [اپنے لطف و کرم اور قانون رحمت کی رو سے بخش دے]؛ اور ظالموں کیلئے [اپنے قانون مجازات کے مطابق] ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر“

[نوح ۷۱ آیت ۲۸]

اللہ رب العزت کے حضور دعا کرنے کے حوالے سے درج ذیل آیات کریمہ پر غور و فکر اور عمل کرنا انتہائی مفید

بھی ہو سکتا ہے اور کامیابی کا ضامن بھی ہے۔

” اور تیرے رب کا ارشاد ہے کہ مدد کے لئے مجھے ہی پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری اطاعت و بندگی اور مجھ سے دعا مانگنے سے سرکشی کرتے ہیں وہ ضرور ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے“

[المومن ۴۰ آیت ۶۰]

” اور وہ حسن ایمان و حسن عمل کرنے والوں کی دعائیں سنتا ہے۔ اور [اپنے قانون انعام و فضل کے مطابق] اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے۔ اور کافروں کے لئے [قانون مجازات کی رو سے ذلت و مسکت اور محرومی و حسرت کی] انتہائی شدید ادیتیں ہیں“

[الشوریٰ ۴۲ آیت ۲۶]

